

ناموں اسلام

یعنی

شان حسین

(حصہ دوم)

وَلَا تَحْزَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

مصنف

فضیلت آب ریادت اتساب خلیفہ سید محمد اسلم صاحب

پشوالوی مرحوم و مغفور

ناشر

مکتبہ امامیہ مشن پاکستان

پاک نگر اکرم روڈ
پوسٹ بکس ۵۸۴ لاہور

۲۹۷۹۹۲۱

۲۵۱۲

۲-۲۰

۱۹۳۹۵

۱۹۶۱ء

بار دوم ...

ایک ہزار

تعداد اشاعت ...

یونگ ٹرسٹی امامیہ مشن پاکستان لاہور

طالع ...

تعلیمی پریس لاہور

مطبع ...

اصغر قریشی طاہر رقم

کتابت ...

آٹھ روپے

قیمت کاغذ سفید ...

ناشر

مکتبہ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ اکرم روڈ پاک نگر لاہور

پوسٹ بکس نمبر ۴۸۵

21/2/75

پیش لفظ

جناب خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب مرحوم وہ مایہ ناز شخصیت تھے جن کو ان کے زمانہ کے لوگ ہی نہیں بلکہ آئندہ نسلیں بھی خراج عقیدت پیش کرتی رہیں گی۔ وہ سادات (خلفائے سیالہ) کی شمع علم اور مسلمانان ریاست کے مفتخر و فخر دہنے۔ ان کی شخصیت تقدس اخلاص و سہروردی کا مجسمہ تھی۔ ان کی بزرگی کا احترام اور اعتراف مسلمان، سہروردی و سکھ یکساں کرتے تھے۔ آپ کا حلقہ ارادت نہایت وسیع تھا۔ محمد دہلوی، آل محمد علیہم السلام کی محبت کو سرمایہ زندگی سمجھتے تھے۔ محرم میں ان کی تقاریر و الہامانہ لچپی سے سنی جاتی تھیں اور ہمیشہ پسندیدگی کا اظہار اور تاثیر کا اقرار ہوتا تھا۔ موصوف نے جو خدمت دین و ملت انجام دی وہ ہماری تاریخ میں ہمیشہ درخشاں رہے گی۔ عبادت الہی کے بعد ذکر محمد و آل محمد علیہم السلام ان کا فریضہ و وظیفہ ہوتا تھا۔ ہر وقت ان کی پیروی کی تلقین فرماتے رہتے تھے اور قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیتے تھے۔ ”اجمن وظیفہ سادات و مومنین“ رجسٹرڈ کی کارکن کمیٹی کے از ابتداء تا تقسیم ملک ممبر رہے۔

مکتبہ اسلامیہ

ان کی زندگی کا بڑا مشغلہ مطالعہ و کتب بینی رہا اور آپ نے اپنی محنت و جہالتانی کا پورے ناموس اسکاھر جمعہ اول و دوم تصنیف فرمائی۔ ہر دو کتب فائدہ و معرفت اور محبت و مودت اہل بیت کا سرچشمہ ہیں اور مستند کتب اسلام (سنی و شیعہ) کا عطر ہیں۔ یہ خصوصیت ہے کہ حوالے افضل نے جس کتاب سے دیے ہیں ان کو اصل کتاب میں دیکھ کر درج کیا اور ایسی تمام کتب ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں جو بوقت تقسیم ملک ضائع ہو گئیں۔

۱۲

خلیفہ صاحب مرحوم علم و فضل و ریاضت اور جوش تبلیغ کے لحاظ سے غیر معمولی شخص تھے مطالعہ میں محنت و مشقت کے عادی تھے اور پیالیہ سے آنے کے وقت تک انکی محنت و سعی کا سلسلہ جاری رہا اور مرحوم کو اپنی ایک تصنیف جو زیر ترتیب تھی اس کے ضائع ہونے کا بحد قلوب و صدمہ تھا۔ اور یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے اس کتاب کے افادیت سے بھرپور مقامات کی نشاندہی کی جائے۔ بس یہ کہنا کافی ہے کہ یہ محبت و ولایت محمد و آل محمد علیہم السلام کا نظر نواز اور روح افزا گلدستہ ہے میں دلتوں و خلوں سے کہتا ہوں کہ پڑھنے والوں کے لیے اک "مشعل راہ" اور "مینار ہدایت" ہے۔

خلیفہ صاحب مرحوم کے بھتیجے سید سعادت حسین نے یہ اپنا اہم فریضہ سمجھا کہ وہ اپنے آبا و اجداد کی تصانیف اعجاز التنزیل مصنفہ وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم (اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کی رد میں لاجواب کتاب) اور ناموس اسلام حصہ اول مصنفہ سید محمد ہاشم صاحب مرحوم (امام حسین علیہ السلام کے حالات پر ایک عمدہ دستاویز ہے جس میں قرآن و حدیث کے آئینہ میں امام پاک کی عظمت و واقعہ کربلا کے اسباب و نتائج اور شہدائے کربلا کی بے نظیر قربانیوں کی دلروز اور ایمان افروز تفصیلات کے ساتھ منبہات و اعتراضات کی مدافعت کی گئی ہے) کو دوبارہ چھپوانے کا انتظام کریں۔ انھوں نے وہ اپنی سعی پریم میں امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ ریسرڈ لاپور کے تعاون سے کامیاب ہوئے۔ اعجاز التنزیل اور ناموس اسلام حصہ اول ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۰ء میں علی الترتیب شائع ہوئے اور اب ناموس اسلام حصہ دوم شائقین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

ہر حساس دل اور علم دوست مسلمان سے توقع ہے کہ وہ ان کتب کو پڑھ کر افادہ حاصل کریگا اور اپنے حلقہ اثر میں پڑھنے کی تلقین کریگا اور نیز خلیفہ صاحب مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے سورہ فاتحہ پڑھ کر خود بھی ثواب حاصل کریگا۔

(جسٹس) السید جمیل حسین رضوی

عرضِ ناشر

خداوندِ قادر و کریم کے فیضِ عمیم اور امامِ زمانِ قائم آلِ محمد علیہ وآلہٖ السلام کی تائید و برکت سے کتابِ مستطاب ناموسِ اسلام حصہ دوم زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصفہ مشہود پر جلوہ گر ہو گئی۔ عظیم کتابِ شہیدِ السانیت پر کثیر انرجیاوات کے باعث کتابِ ہذا کی اشاعت بطا ہر شکل محقق مگر حلالِ مشکلات نے اپنے فضلِ عمیم سے اس سعادت ہم کنار فرمایا۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

مولفِ معذور خلیفہ سید محمد باشم صاحب اس تالیفِ نیت کے لیے ہماری تحسین و آفرین کے حقدار ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعہ کا ثمرہ بحسن و خوبی آپ کے سامنے اکر لوحِ پردہ سدا بہارِ گلستا کی شکل میں پیش کرتے ہوئے حمایتِ آلِ محمد کا حق ادا کر دیا ہے۔

قرآنِ حکیم احادیثِ رسول، ائمہ اسلام، محدثین، مؤرخین، متقدمین و متاخرین کے ساتھ ساتھ مغربی مصنفین سے بھی استفادہ فرماتے ہوئے جہاں جہاں سے ایسے پھول ملے ہیں جن سے آلِ محمد کی عظمت کی خوشبو آتی ہو اور وہ تمام کلمے بھی جو صفحاتِ فرطاس پر جامیانِ نبی امیہ نے بکھیرے ہیں انکی کاٹ کے بعد سب جن کو بڑے سلیقے سے جمع کر دیے ہیں مستند حوالجات سے کتاب کی قدر و قیمت میں بے حد اضافہ کر دیا ہے۔

قبیلہ نبی امیہ کے وہ لوگ جو بعالمِ مجبوری اسلام میں داخل تو ہوئے کراہت سے اور نکل گئے خوشی سے انھوں نے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد تعلیماتِ اسلام کو بگاڑنے اور پیغامِ اسلام کی حقیقی روح کو فنا کر کے جاہلیت کو اسلام پر غالب کرنے کے لیے جو سازشیں کیں اس کتاب میں ان کا تفصیلی تذکرہ بھی ملے گا اور محافظِ اسلام وراثتِ انبیاء

فرزند رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ بھی ملے گا جس نے اپنے مقدس خون سے
 چین اسلام کو سدا بہار بنا کر دوست و دشمن سے یہ اقرار لے لیا کہ **ع**
 سر سبز دین ہو گیا خون حسین سے

اس کتاب کے حصہ اول نے جو مقبولیت حاصل کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے
 کہ مطالعہ اور کتب بینی کا شوق بیدار ہو رہا ہے جو اشاعتی اداروں کے لیے حوصلہ افزائی
 کا باعث ہے۔ ہم بجا طور پر اپنائے قوم سے امید رکھتے ہیں کہ حصہ دوم کی قبولیت
 اور پذیرائی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

آخر میں ہم خلیفہ سعادت حسین صاحب کے شکر گزار ہیں کہ موصوف نے اس
 اشاعت کے لیے مبلغ پانچ سو روپے کی گرانقدر امداد فرمائی ہے۔ جزاک اللہ
 خیر الجزاء

مسلمانوں میں کتب بینی کی اہمیت اور مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لیے
 امامیہ مشن اپنے ممبران کو مشن کی مطبوعات پر بیس فیصدی اور لائبریریوں کو
 پچاس فیصدی رعایت سے مطبوعات مشن مہیا کرتا ہے۔ شائقین زیادہ سے
 زیادہ استفادہ کریں۔

خیر اندیش :-

(الحاج خواجہ) حلیب علی بی۔ سی۔ ایس ریٹائرڈ

مینجنگ ٹرسٹی امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور

سہ صدف ان لائبریریوں کو جو "امامیہ مشن لائبریری" کے نام سے معروف ہیں پچاس فیصدی رعایت دی جاتی ہے
 باقی لائبریریوں کے لیے پچیس فیصدی رعایت مقرر ہے۔

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۳	غزوہ حدیبیہ	۹	اسلام اور حسین
۱۵۸	فتح مکہ رمضان شہ ہجری	۲۳	دیباچہ
۱۶۶	غزوہ حنین	۳۱	تہنیت
۱۷۰	باب دوم	۳۹	باب اول
	مناقب اہلبیت و فضائل امیر المومنینؑ		عہد رسالت اور بنی امیہ
	باب سوم	۴۲	بنی ہاشم و بنی امیہ
	فضائل جناب سیدہؑ	۴۵	ابوسفیان کے متعلق مولانا شبلی کا بیان
	باب چہارم	۴۶	مشرکین کی ایذا رسانی
۲۴۵	حالات معاویہ اور بنی امیہ	۴۷	مرزا میرت دہلوی
۲۵۵	رسولؐ کا معاویہ پر لعن کرنا	۴۷	رسولؐ کا صبر و استقامت
۲۵۶	شجرہ ملعونہ معاویہ کا شجرہ ہے	۴۹	رسولؐ کی شان جبر حسینؑ نے دکھائی
۲۵۷	معاویہ کی گورنری کی تنخواہ	۵۰	وفات ابوطالب کے بعد
۲۵۸	معاویہ کے عہد کے مسلمان	۵۰	مہینہ میں تین سو
۲۵۹	معاویہ اپنے کو حضرت عمرؓ پر ترجیح دیتا تھا	۵۱	دار الذریعہ
۲۶۰	معاویہ کا فضائل اہلبیتؑ میں لوگوں کو اثرات دینا	۵۲	ہجرت رسولؐ اور علیؑ کا فرش رسولؐ پر سونا
۲۶۱	حضرت علیؑ پر تہنیت	۵۴	امام غزالی کا بیان
۲۶۱	سمرقند جندب کو چار لاکھ روپیہ حضرت علیؑ کی بیعت کے لیے	۵۸	امام امیر المومنین علیؑ السلام
۲۶۲	آٹھ ہزار حجاج علیؑ کا خون	۵۹	نہ جبر اشعار بالا
	باب پنجم	۶۰	علیؑ کی جان نزاری کا تقابل جواہری علیؑ سے
	تہجد و شہادت حق و صداقت کا شہزادہ	۶۳	غبارِ نور
۲۶۶	پیارے رسولؐ کا پیارا نواسہ	۶۶	شب ہجرت کفار کا علیؑ سے تعرض
۲۶۹	بنی امیہ کا عروج اور روحانی اسلام کا زوال	۶۷	ادائے امانات کے بعد سفر
۲۷۰	یہ نیکے متعلق رسولؐ کی پیشین گوئی	۶۷	مسجد قبا کی تعمیر
۲۷۱	حسینؑ اسلام پر فدا ہو کر نانا کی طرح اپنی	۶۹	مدینہ میں آنحضرتؐ کا ورود
	خدا داد و خواہش کے پھر کر دیا میں نے اسے میں	۷۲	مسجد نبویؐ کی تعمیر
۲۷۳	حسینؑ شخصیت اور شہادت کے متعلق زنانہ	۷۳	سوانح
	حال کے اسلامی محققین کی رائیں	۷۴	علیؑ و نبیؐ کے درمیان سوانح
۲۷۳	قاضی محمد سلیمان صاحب	۷۹	غزوہ بدر
۲۷۴	مولانا ابوالکلام آزاد	۸۲	ابوطالب کا اسلام
۲۷۵	اسوہ حضرت امامؑ	۱۰۳	جنگ احد
۲۷۵	حیاتِ جاوید	۱۳۰	میدان جنگ سے بعض صحابہ کا فرار
		۱۴۵	جنگ خندق

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۲	ابن تیمیہ نے حدیث رسول کا مطلب غلط سمجھنا	۲۷۵	قرآنی
۳۷۴	یزید کا قول شراب کے جائز ہونے کے متعلق	۲۷۶	قلت سامان رفقاء
۳۷۵	معاویہ نے یزید کو شراب پینے کی کیا خوب ترکیب بتائی	۲۷۷	مقابلہ ظلم لازمی ہے
۳۷۸	عبداللہ ابن عباس کا قول یزید کے متعلق	۲۷۸	مصائب راہ حق
۳۸۱	جناب سکینہ بنت الحسین یزید کو کافر کے لفظ سے یاد کرتی ہیں	۲۷۹	استقامت
۳۸۲	علامہ سیوطی کا بیان یزید کے متعلق	۲۸۰	ابوالکلام کے مضمون پر ریمارک
۴۰۲	یزید کے متعلق سراقہ کی رائے	۲۸۱	شہادت امام حسین کا سبب کیا ہے؟
۴۰۴	یزید کی ولیعهدی اور بیعت خلافت کے لیے کیا کیا تدبیریں کی گئیں	۲۸۲	بیعت کے انکار پر امام کے قتل کا حکم
۴۱۲	تحت خلافت پر ناجائز قبضہ	۲۸۳	یزید کی طرف سے
۴۱۲	مولانا ابوالکلام آزاد کا قول	۲۸۴	حج میں قتل حسین کے لیے نہیں آدی بھیجنا
۴۱۳	بنی امیہ کے دور کا آغاز کیونکر ہوا	۲۸۵	حسین کی پیش گوئی اپنی شہادت کے متعلق
۴۱۴	اور حقیقی خلافت کیوں ختم ہوئی	۲۸۶	حسین یزید کو مسلمان بھی نہیں جانتے تھے
۴۱۵	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتایا ہے	۲۸۷	شکر سرور کے سامنے امام حسین کا خطبہ
۴۱۶	لفظ مولیٰ کی بحث	۲۸۸	یزید کے متعلق صحابہ و غیرہ کی رائے
۴۱۷	حضرت علی کی خلافت پر حضرت عمر کی تصدیق	۲۸۹	علمائے اسلام کی رائے یزید کے متعلق
۴۱۸	امیر معاویہ کی خواہش اور خلافت کی آرزو	۲۹۰	مولانا صبیحہ اللہ کے قلم سے حسینی شہادت کا بیان
۴۱۹	امیر معاویہ نے علی کے دین پر ہونے سے انکار کیا	۲۹۱	ڈاکٹر محمد اقبال کی رائے
۴۲۰	بانی اسلام اور اصحاب کبار نے امیر معاویہ اور بنی امیہ کی خلافت کو مسلمانوں کی سچی امامت نہیں فرمایا	۲۹۲	معاویہ اور بنی امیہ کی ناجائز خلافت پر حقیقہ نظر
۴۲۱	امام حسین علیہ السلام کا ارشاد	۲۹۳	امیر معاویہ کے زیر اثر اہل شام کا اسلام
۴۲۲	امام شافعی کا قول	۲۹۴	معاویہ کی علی سے بغاوت اور دشمنی آل رسول کو
۴۲۳	ابن تیمیہ کے دلائل خلافت یزید کی صحت کے متعلق	۲۹۵	سلطنت کا اصول قرار دینا اور امام حسن کا صلح کرنا حق تھا
۴۲۴	بنی امیہ نے دین اسلام کو بگاڑا مگر قرآنی حسین نے باوجود اسلامی نام نہاد حکومتوں کی مخالفت، اسلام کو زندہ رکھا	۲۹۶	یزید کی ولیعهدی اور خلافت کی تحقیق
۴۲۵	ایک انگریز کا قول امام حسین کے متعلق	۲۹۷	امیر معاویہ اور یزید کے زمانہ میں حقیقی اسلام کی کیا حالت تھی؟
۴۲۶	حسین کی تحجرت تمام مسلمانوں پر فرض ہے	۲۹۸	یزید کا سلوک ابوالیوب انصاری صحابی کے ساتھ
۴۲۷	فہرست ال کتابوں کی جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد ملی گئی ہے	۲۹۹	یزید کے متعلق شرفیئے مکہ اور بزرگان دین کے خیالات
۴۲۸		۳۰۰	یزید کا اہل مدینہ کو ڈرانا اور مدینہ کو لوٹنا
		۳۰۱	یزید کی نجات نہیں
		۳۰۲	حسین نے اسلام کو فنا ہونے سے بچالیا
		۳۰۳	یزید کی شراب خواری اور اس کے زمانے میں اسلام کی حالت
		۳۰۴	یزید کا فسق و فجور مسلم ہے
		۳۰۵	حسین کا خطبہ جس سے یزید کے فسق و فجور پر روشنی پڑتی ہے

اسلام اور حسین

دنیا کب بنی؟ کیسے بنی اور کیونکر آباد ہوئی اور اس میں کیسے انسان پیدا ہوئے؟ شروع میں کس ڈھنگ سے رہتے تھے؟ ان باتوں کا مفصل جواب تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ اس وقت ہمارے پاس تو تاریخی اور مذہبی معاومات کا سرمایہ فقط اتنا ہے کہ اس کے اوراق ظالم اور مظلوم کے افسانوں سے رنگین ہیں۔ کہیں کہیں اور کبھی کبھی چند اللہ کے نیک اور پاک بندوں کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ جو اپنے قول اور کردار کے طالبوں کو روکتے رہے ہیں۔ مظلوموں کو سنبھالتے رہے ہیں اور آپس میں مل جل کر رہنے کے قانون بناتے اور اس پر عمل کرتے رہے ہیں مگر چند دن بعد دنیا اور دنیا کے بندے پھر ان قاعدوں کو چھوڑ کر یا توڑ مروڑ کر اپنی من مانی دھماکوں سے گزر رہے ہیں۔

آج سے چودہ سو برس پہلے کی دنیا کا نقشہ اگر سامنے رکھا جائے تو عجب دو رنگی دنیا نظر آتی ہے۔ ایک طرف تو دنیا کے مختلف ممالک اپنی تہذیب، تمدن، معاشرت، فلسفہ اور ایجادات سے جگمگ جگمگ کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر دوسری طرف چند امراء کے سوائے ہر ملک میں عام خلق خدا پریشان و سرگرداں پھرتی ہے۔ کہیں پتھر کے دیوتاؤں کے سامنے انسانی خون بہایا جا رہا ہے۔ کہیں اللہ کے بندوں کو شوروں کہہ کر بھڑکری کی مانند درج کیا جا رہا ہے۔ کہیں آتشکدوں کی روشنی میں اندھیر۔ انسانوں کو اپنی عیش پرستی اور ہوس رانی کی قیمت قرار دیا جا رہا ہے۔ کبھی اپنے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لیے آدمیوں کو کپڑوں اور کوڑوں کی طرح مسل کر پھینک دیا جاتا ہے اور کوئی ان تک نہیں کر سکتا۔ کوئی اٹھتا ہے اور ایک خونخوار جماعت تیار کر کے اللہ کی زمین

کو قہر کر کے اس کے بندوں کو غلام بنانا چلا جا رہا ہے۔ کسی کی جنبش ابرو انسانوں پر قتل عام کا فرمان جاری کر کے انسانی خون کا دریا بہا رہی ہے۔ اپنی ہم جنس عورت کو پاؤں کی جوتی بکھڑکھا کر مار مار کر پھینا جا رہا ہے۔ اگر کہیں غیرت نے جوش مارا تو زندہ بیٹیوں کو دفن کر دیتے ہیں اگر کہیں بند کر کے قہر کر رہی تو انسان نہیں بلکہ بھیڑیے ایک دوسرے کو بھونچھوٹتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اہل بیت کے درد و محبت کے بجائے ان کے چہرے بھوٹ اور تباہی، دغا بازی اور گھٹیا چالوں کے آئینہ دار نظر آئیں گے۔

غرض کہ جب ان پاؤں کا تال چلائے گا تو بحر قدرت سے پھر ایک بار گھنگھوڑ گھٹا اٹھی اور صحرائے عرب میں موسیٰ علیہ السلام یعنی اللہ کے پاک بندے اور رسول حضرت محمد صلعم دنیا میں تشریف لائے جنھوں نے دنیا کی پستی، شباب، زندگی کا محبوب حصہ اٹھیں لوگوں میں گزارا اور ان بھوٹوں سے صادقانہ بات پر خیانت کرنے والوں سے امین اور ظلم کے پتکوں سے ہربان کا لقب پایا۔ آخر وہ وقت آپہنچا کہ آپ نے عرب کے سامنے اعلان فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمام دنیا کے لیے رحمت کا پیغام لایا ہوں۔ سنو اور غور سے سنو۔ اس خونخوار زندگی سے باز آ جاؤ جس سے تم خود بھی ہر وقت پریشان رہتے ہو۔ دیکھو ہزاروں اور لاکھوں خدا نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر وقت ان خداؤں میں جھگڑا نہ ہوتا۔ کل کائنات ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی بلکہ اس دنیا اور دنیا کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا پالنے والا اور پھر واپس بلا لینے والا وہی ایک قدرت والا مالک ہے جس نے ہر چیز اور ہر جاندار کو پیدا کیا۔ انسان کو بہتر اور بہترین ترکیب پر بنایا اور وہ اپنے بندوں پر بہت ہی ہربان ہے۔ اس نے اپنے فضل اور کرم سے تمھاری بھلائی کے لیے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں اس کا پیغام تم تک پہنچاؤں۔ وہ بہت سیدھا اور سادہ پیغام ہے اس کو سنو۔ فقط اسی مالک حقیقی کو سجدہ کرو اور سب انسانوں کو اس کی

بہترین مخلوق سمجھو۔ ہر ایک سے محبت کرو۔ جو اور جینے دو۔ کیونکہ تمہیں پھر اسی کے پاس اپس جانا ہے اور اپنے کردار کے متعلق جواب دینا ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا، تمہیں جینے کے چند قاعدے سناتا ہوں جو اللہ نے تمہارے فائدے کے لیے بصورت قانون بنا کر مجھے دیے ہیں میں سب سے پہلے ان پر خود چل کر تم کو دکھا دوں گا کہ وہ کس قدر مفید ہیں اور انسانوں کو کیسے پیار اور محبت سے رہنا بتاتا اور جیتا سکتے ہیں۔ وہ قاعدے یہ تھے کہ سب سے پہلے اللہ کو ایک جانو اور مجھے اس کا رسول مانو۔

میں کوئی بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ میرا قول اور عمل اسی کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اس پر یقین کرو اور دن میں پانچ وقت فقط اسی کو سجدہ کرو اور بل جمل کر مسجد میں برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تاکہ تم ہر وقت اپنے آپ کو خدا کے سامنے حاضر سمجھو اور خلو خدا سے بانہر رہو۔ سال بھر میں ایک مہینہ برابر روزے رکھو۔ سب کچھ ہوتے ساتے دن بھر فقط اپنے اللہ کی خوشنودی کے لیے مجھ کے اور پیار سے رہو اور اپنے غریب بھائیوں کی بھوک پیاس کی تڑپ سے آشنا ہو جاؤ۔ عمر بھر میں کم از کم ایک دفعہ مکہ معظمہ میں جس کو اللہ نے اپنا گھر کہہ دیا ہے جمع ہو کر حج ادا کرو تاکہ اپنے مالک کے حکم کی اطاعت کا جلدہ دیکھو اور اپنے دور دراز سے آنے والے بھائیوں کے حالات سے واقف بھی ہو جاؤ۔ ہمیشہ سچ بولو خواہ کتنا ہی خطرہ کیوں نہ ہو، نہ بان پر سچ جاری رکھو۔ کسی پر ظلم نہ کرو۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ کسی کا مال نہ مارو۔ رشوت نہ کھاؤ۔ سود نہ لو۔ اپنی محنت سے پاک کمائی حاصل کرو۔ خود کھاؤ، بال بچوں کو اس کمائی سے پالو۔ اپنے ماں باپ کی خدمت کرو۔ اپنے ہر طرف کے ہمسایہ کا خیال رکھو اور ان کی مدد کرو۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اس میں شریک کرو۔ یتیم، لاوارث، یتیم، یتیم، ضرور تمہند لوگوں کو اپنی آمدنی میں سے حصہ دو۔ اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی محبت سے پالو، لکھاؤ، پڑھاؤ، کچھ کام سکھاؤ۔ آپس میں اگر کسی بات پر اختلاف ہو تو مجھ سے پوچھ لو اور جو کچھ میں کہوں اس کی اطاعت کرو اور پیری اطاعت

خدا کی اطاعت ہے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم آسان اور دل میں اتر جانے والی تھی۔ ”بھو اور بھینے دو۔“ کے ذریعے قاعدے اس میں پوشیدہ تھے۔ نیک دل لوگ جو حق درجہ حق اسی دین میں آئے شروع ہو گئے مگر بد اور بد باطن لوگوں کو یہ امن کوش طریقہ ایک آن نہ بھایا۔ ان کو صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہ نظام پھیل جائے گا اور قائم ہو جائے گا تو ہم اپنی دزدوں والی زندگی اور عیش و عشرت کی کامرانی نہ کر سکیں گے۔

یہ سوچ کر انھوں نے حضور کی مخالفت شروع کی۔ طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں عدم تعاون کیا۔ کھانا پلینا بند کیا۔ جگہ جگہ جھوٹ فریب کے جال بچائے اور آخر قتل کے لیے تیار ہو گئے مگر یہ اللہ کا دین نہ مٹا سکے۔ آخر رسول اللہ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ مگر ان ظالموں نے یہاں بھی رسول اللہ کو اور مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اب جنگی صورت اختیار کر کے مدینہ پر چڑھ گئے اور بار بار آئے اور ہر دفعہ سکیڑوں جاننا زدوں کو شہید کر کے پیش واپس گئے مگر یہ دین تو پھیلتا ہی گیا اور آخر وہ دن آ گیا کہ حضور کی رکاب کے ساتھ دس ہزار مسلمان حج کے لیے مکہ پہنچ گئے۔ اب کفار مکہ اس خدائی فوج کو دیکھ کر عاجز ہو گئے اور ان سب کافروں اور ظالموں کا سرگروہ ابوسفیان بے بس ہو گیا۔ برسوں کی دشمنی اور دلی دشمنی جو اس کو اسلام اور رسول اللہ نے تھی اس کا مٹ جانا تو ناممکن تھا لہذا وہی صورتیں باقی تھیں کہ اول تو خود اور اپنے شیطانی لشکر کو لے کر آخری جنگ کرے اور تدار کے گھاٹ اپنے کیفر کردار کو پہنچے ورنہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہتھیار ڈال کر غلام بن جائے۔ مگر اس نے ان دونوں راستوں کو چھوڑ کر تیسرا راستہ اختیار کیا۔ یعنی جھٹ اپنے کفر اور ظلم کو پوشیدہ کر کے اپنے ساتھیوں سمیت ظاہر مسلمان ہو گیا اور آمیزہ موقع کا منتظر رہا۔ دریائے رحمت جوش

اگر سلطنت اور بادشاہی شکل کا نظام ہوتا تو بڑی آسانی تھی فوراً ایک رئیس تخت بچھا کر اس پر جس کو رسول اللہ چاہتے ذریعہ بقی لباس پہنا کر اور سر پر زمردین تاج رکھ کر بٹھا دیتے اور ولیعہد بنا دیتے مگر اسلام تو تمام قسم کی شخصی اور جمہوری سلطنتوں کے خلاف ایک انقلاب تھا لہذا یہ نہ ہو سکتا تھا بلکہ قرآن کے حکم کے مطابق کہ تم میں جو متقی زیادہ ہے وہی اکرام و مکرم ہے خواہ اس کے کرتے میں سیکڑوں پیوند ہوں مگر حق و ناحق میں وہی تمیز کر سکتا ہے اور اسی کو اللہ اور اس کا رسول زیادہ پسند فرماتے ہیں لہذا رسول اللہ نے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے رسول کے بعد پہلا موقع ہو گا کہیں مغالطہ نہ ہو جائے، غدیر خم کے مقام پر لاکھوں درد مند مسلمانوں کے سامنے اونٹ کے کجاووں کا ممبر بنا کر اور اس پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے مسلمان، سب سے بڑے فدائی، سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرنے والے علی ابن ابی طالب کا ہاتھ تمام کر بلند کر دیا کہ دیکھ لو سب سے زیادہ متقی اور مکرم ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ جن کا میں مولا اور آقا ہوں اس کا یہ بھی مولا اور آقا ہے۔ یہ قلم کو لیکھ لکھ کر لکھنے والے اور لکھنے والے کا اور منزل مقصود پر پہنچا دئے گا۔ یہی وہ علی ہے جس کو میں نے اپنا جانشین بنا دیا ہے۔ اور علم و حکمت سے اس کا سینہ معمور کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے مسلمان جو کہ اور بہت بری طرح جو کہے۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ رسول اللہ نے حکم کھلا کسی کو جانشین نہیں بنایا۔ علی ضرور مولا اور آقا ہیں مگر ضروری نہیں کہ مرکز کے نگران بھی وہی ہوں۔ اس اختلاف کی جھنک رسول اللہ کے کان تک پہنچی۔ وہ بستر علالت پر پڑے مگر اس اختلاف اور اس کے نتیجے کو سوچ کر بے چین ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ کاغذ قلم لے آؤ۔ میں ایسی باتیں لکھوا دوں تاکہ تم میرے

بعد اختلاف میں پڑ کر راستے سے بھٹک نہ جاؤ۔ مگر ایک صاحب نے روک دیا اور بعد انتقال رسول اللہ کو روکنے والے صاحب اور ان کے کچھ ہم خیال مسلمانوں نے مل کر ایک عمر رسیدہ صاحب کو منتظم چن لیا اور اس کا نام اجتماع رکھا۔ پھر موقع آیا تو جنہوں نے رسول اللہ کو وصیت آخری لکھوانے سے روکا تھا انہوں نے پہلے صاحب سے اپنے نام وصیت لکھوالی اور منتظم بن بیٹھے اور اس کا نام نص رکھا۔ تیسرے نمبر پر دوسرے صاحب نے کچھ معتبر آدمیوں میں جھگڑے کی پوٹ بنا کر اس نازک مرحلہ کو چھوڑ دیا اور اس کا نام شوریٰ رکھا۔ اس شوریٰ نے تو غضب ہی ڈھا دیا۔ اب تو ہر کس و ناکس، اہل و نا اہل کے دماغ میں یہ ہوا سرسرا نے لگی کہ یہ نظام ایک سلطنت ہے اور ہم بھی اس کے حاکم اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ چاروں چولیس درست ہوئی چاہیں غضب پر غضب یہ ہوا کہ وہ ٹریننگ کالج جس میں تزکیہ نفس والے اور علم و حکمت والے انسان بنائے جاتے تھے وہ ٹوٹ گیا جو رسول اللہ کے زمانے میں تیار ہوئے تھے وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے اور زندہ بھی رہتے تو بیکار رہتے کیونکہ ان سے کام ہی نہ لیا گیا بلکہ وہی جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ان کو بیکار کر دیا تھا وہی بیکار رہے۔

تھا اور اسلام کے خلاف کیا کیا بھی ہو گیا۔ یہی حال تھا کہ منتظموں نے

حاکم بنا دیا۔ ظاہرہ ترکیب بہت معقول اور مقبول تھی کہ اس طرح ان اشرار کے

لامتوں مسلمان محفوظ رہیں گے اور یہ دنیا پرست دنیا سمیلنے میں لگ جاتیں گے مگر حقیقت

میں یہ نہ ہر تھا کیونکہ جب یہ صاحب اختیار ہو گئے اور ان میں اسلامی لچک و حمایت

اور صلاحیت موجود نہ تھی انہوں نے اس نظام کو سلطنتی بنا کر خود حکومت کے نرے

لوٹے۔ رسول اللہ نے ان ظالموں کو بے اختیار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھا

دیا تھا تاکہ خلق خدا اس میں رہے۔ ان ظالموں نے اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں

جوڑ کر پھر قوی اور مضبوط کر لیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرے منتظم صاحب کے آخری زمانہ میں
عجب فتنہ اور شر برپا ہو گیا۔ خالص اور دردمند مسلمان اپنی بے بسی اور اسلام
کی بیکسی سے تڑپ اٹھے۔ ادھر ابوسفیان والا گروہ اپنی طاقت اور زور پر اس قدر
مغرور ہو چکا تھا کہ وہ مسلمانوں کی آہ و زاری کی پروا نہ کرتا تھا۔ آخر تمام ممالک
اسلامیہ میں بلوے فتنے فساد اٹھ کھڑے ہوئے۔ تیسرے صاحب قتل ہوئے اور
امت محمدی بے چہرہ و بے کلمے کی مانند ہر سال پھرنے لگی اور وہ امن کا گواہ
اور مرکز نبی مدینہ منورہ ویران سا نظر آنے لگا۔ پُر درد مسلمانوں کی نگاہیں اپنے
آقل کے فرمان کے مطابق علی ابن ابی طالب کی طرف اٹھیں اور لبداہ و زاری
ان کو راضی کیا کہ وہ اس مرکز کو سنبھالیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق
السالوں کو چلائیں۔ مگر افسوس کہ وقت گزر چکا تھا۔ تیرکمان سے نکل چکا تھا۔ رسول
اللہ کے تربیت یافتہ ختم ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ابوسفیان والے مضبوط قدم
جما چکے تھے۔ علی ابن ابی طالب کو قدم پر جنگ کرنی پڑی۔ پھر وہی وقت آنکھوں
میں پھرنے لگا جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں پر اٹھا تھا۔ مگر اللہ کے شیر نے رسول اللہ
کے تیسرے پیغمبر کو قتل کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ صوفیوں کے میدان
میں بھی منزل پرانی بھیڑیوں کو گھیر لیا جو پہلے کفر کے نام اٹھاتے اور اب ان کے
پہن کر اسلام کو تباہ کر دینا چاہتے تھے۔

مگر اسے افسوس مرتے مرتے یہ ابوسفیان کا گروہ جس کے گورو گھنڈال ابوسفیان
کے جگر بند معاویہ اور عمرو عاص تھے سادہ لوح مسلمانوں کو چکمہ دے گئے۔ پھر چند
روز کے بعد ایک سازش کے ذریعہ علی ابن ابی طالب کو عین نماز میں شہید کر دیا۔
اور ان کے صاحبزادے اور رسول اللہ کے جگر گوشہ حسن مجتبیٰ کے خلافت سازشوں
اور رشوتوں کے بازار گرم کر کے اسلام کی مرکزیت کو قبضہ میں لے لیا اور پورے

شہنشاہ بن کر کھٹم کھلا اللہ کے نیک بندوں کو آہستہ آہستہ قتل، پھانسی اور زہر کے ذریعہ ختم کرنا شروع کیا اور بدوں اور ظالموں کو پردان پڑھانا شروع کیا تاکہ اسلام کے سچے فدائی اور اس کی روحانیت کے شدید ختم ہو جائیں اور یہ نظام ہی درہم برہم ہو جائے اور ہم پھر اپنے آبائی طریقوں پر لوٹ جائیں اور سب کو لوٹالے چلیں۔

معاویہ کے عہد میں ہر وقت تفتیش جاری تھی جس شخص میں اسلامی حیثیت کی جھلک نظر آتی، اول تو اس کو رشوت اور روپے کے زور سے خرید لیا جاتا ورنہ اس پر حکومت کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر تختہ دار پر کھینچ دیا جاتا ورنہ آخری خانہ پوش حزبہ زہر کے استعمال سے اسکو سلا دیا جاتا۔ معاویہ جب بہت حد تک کامیاب ہو چکا تو اس نے دیکھا کہ سب کام درست ہو گیا مگر رسول اللہ کے گھر والے ابھی باقی ہیں۔ وہ آسانی سے اسلام اور اس کی روحانیت سے منہ نہ موڑیں گے لہذا سب سے پہلے ہمارے آقا و مولا رسول اللہ کے گھر پر ہاتھ صاف کیا یعنی ان کے فرزند جگر بند حسن مجتبیٰ کو زہر دلو کر شہید کر دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسینؑ پر بھی طرح طرح سے جال ڈالے۔ کبھی دولت کا پھندا لگایا۔ کبھی سختی و نرمی کر کے دھمکاتا اور بھسلاتا رہا۔ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد رسول اللہ کے گھر والے بہت محتاط ہو گئے تھے اس لیے زہر والا حربہ تو نہ چل سکا۔

معاویہ جو کچھ چاہتا تھا اس کے سب سامان تو ضرور فراہم ہو گئے تھے مگر کھٹم کھلا اسلام کا جوا اپنی اور سب کی گردنوں سے اتار کر عید کفر نہ منا سکتا تھا ماحہ ملتا دنیا سے چلا گیا مگر اپنے ادبش، بد قماش اور رنگیلے بیٹے یزید کو سب اتار چڑھا دیا گیا۔ اس فاسق و فاجر شرابی کبابی فرزند کو اپنے بعد ذریعہ وصیت و بیعت بنایا۔ اپنے ہم خیال چند پرانے پاپیوں کو بٹھا کر شور مچی کر کے

بھی اس کو امیر منتخب کرایا۔ پھر عام مسلمانوں سے خوشی خوشی یا بہ ناراضی بیعت کرائی۔ تاکہ
اجماع کی سنت بھی پوری ہو جائے اور پھر ساری فوج، خزانے، ہتھیار اور اختیار اس
کو دے کر اس کا غلبہ بھی کر دیا۔ اور مکمل اندھیر تو یہ تھا کہ ہر مسلمان کو بیعت کے وقت
عہد کرنا پڑتا تھا کہ ہم یزید کے ہر حکم کی اطاعت کریں گے۔

جب یہ چاروں چٹولیں درست بیٹھ گئیں اور خلافت کی چوکی آراستہ ہو گئی
تو ابوسفیان کا سپوت پوتا تختِ خلافت پر جلوہ گر نظر آیا اور پنج مکہ کے دن
جس جوئے کو بالا کراہ اپنے کندھوں پر رکھا تھا اس کے اتار پھینکنے کا وقت آگیا۔
یہ سب تو ہو گیا مگر ابھی ایک کانٹا کھٹک رہا تھا۔ یعنی رسول اللہ کے گھر والے
ابھی اسی دین اور اسی چلن پر چل رہے تھے اور کچھ مسلمان بھی ڈرتے سمجھتے ان کو محبت
بھری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یزید اس کانٹے سے بے خبر نہ تھا۔ شفیق باپ چلتے چلتے
سب داؤ پیچ بتا گیا تھا۔ یزید نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی حاکم مدینہ کو لکھا کہ جگر گوشہ
رسولؐ ابنِ بتولؑ حسینؑ ابنِ علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر فوراً میری بیعت لے لو۔
اگر انکار کریں تو ان کے سر اتار کر بھیج دو تاکہ یا تو دھکی میں آکر حسینؑ ہوا رہ جائیں یا کانٹا
سرے سے ہی نکل جائے اور میدانِ صاف ہو جائے اور میں نہایت تزک و اجتنام
کے ساتھ اعلان کر دوں کہ ہم نے بنی ہاشم کا دین چھوڑ دیا اور اپنے آبائی دین پر واپس
آگئے اور یہ جیو اور جینے دو کا قصہ ہی پاک کر ڈالوں اور جس کی لامٹی اس کی بھینس
پر عمل در آمد شروع ہو جائے اور اسلام کو ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دیا جائے مگر
یزید پلید کا اندازہ غلط نکلا۔ جگر گوشہ رسولؐ، فرزندِ بتولؑ، حیدرِ کراز کا دلارا
بیٹا حسینؑ اسلام کی جان، عقل و حکمت کا نگہبان، صورت و سیرت میں رسول
مقبولؐ کا آئینہ دار یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے پیارے نانا اور باپ
کی تمام عمر کی محنت ایک آن میں کفر سے بدل دی جائے اور فقط سیاحوں کے

سفر ناموں میں لکھا ہوا باقی رہ جائے کہ عرب میں ایک دین جاری ہوا تھا مگر چار سال بعد انھیں دینداروں نے خود ہی اس کو چھوڑ کر اپنا کربائی کفر اختیار کر لیا تھا۔ حسین رحمۃ اللعالمین کا بیٹا ابیر رحمت بن کراٹھا اور جھوم کراٹھا۔ اس فاسق و فاجر کی بیعت و اطاعت کو ٹھکرا دیا۔ اپنے نانا کے خدائی پیغام کو پھر دہرایا اور سب کو سنایا اور اس اسلام نما کفر کے خطرات سے آگاہ کیا اور بتا دیا کہ اللہ کا دین تو اسی اصول پر قائم اور دائم رہ سکتا ہے جو رسول عربی نے جاری کیے تھے اور مرنے کی باگ ڈور تو متقیین کے ہی ہاتھوں میں رہ سکتی ہے۔ تمھارے خود ساختہ اصول اجتماع، نقص، شوریٰ اور غلبہ تو ایک بدترین فاسق و فاجر کے قدم بھی چوم سکتے ہیں مگر وہ خدائی اصول کہ تم میں وہی مکرم ہے جو متقی زیادہ ہے جو حق و باطل میں دیوار بن سکتا ہے، فاجر و فاسق کے بس کیا نہیں ہے۔ حسین نے اپنی مادر گرامی فاطمہ زہرا سیدۃ النساء کی گود میں محنت و ایثار سیکھا تھا۔ باپ کے سایہ میں فقر و فاقہ، شجاعت و قناعت کے درس لیے تھے۔ پیارے نانا رسول الثقایین سے علم و حکمت کا حصہ پایا تھا۔ چھپتے سال تک رسول اللہ کے چہن پر چل کر زندگی گزاری تھی۔ دو بین نگاہ سے خود ساختہ زہر آئین چاروں اصول کو جانچ لیا اور سمجھ لیا کہ اب اگر ذرا بھی دیر لگی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ وہ اللہ کا شیر انگڑائی لے کر اٹھا علم و عرفان کا ترکش سنبھالا اور جن لوگوں نے صحیح زندگیاں رسول اللہ کے چہن پر گزاری تھیں انھیں پکارا اور میران میں نکل آئے۔ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوثر ایک اللہ والوں کی پاک جماعت کو یہ جارہے تھے۔ جگہ جگہ خلیفہ فرماتے اپنے باپ اور بھائی کے ضبط و تحمل کی گرہیں کھولتے پیغام حق سناتے، اپنی صورت و سیرت سے رسول اللہ کے نقش دکھاتے

چلے جا رہے ہیں۔ گویا سوتیل کو جگا رہے تھے۔ اونگتوں کو اٹھاتے چلے جا رہے تھے
 بزدلوں اور سیاست سے دب جانے والوں کو بتا رہے تھے کہ دیکھو، دیکھو اپنی
 غفلت کا نتیجہ دیکھو۔ اسلام اور اس کی روحانیت دم توڑ رہی ہے۔

حسینؑ کے ساتھ بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ پردہ نشین عورتیں اور
 ننھے ننھے بچے بھی۔ مگر سب کے سب صحیح اسلامی زندگیاں بسر کرنے والے
 چلے جا رہے تھے اور فقط اتنی ہمت لیتے جا رہے تھے کہ دنیا اور دنیا والے
 جاگ اٹھیں اور دیکھ لیں کہ یہ قادر انداز جماعت اس اسلام مناکفر کو کیسے شکار
 کرتی ہے۔

حسینؑ ایسے بچے بچے چلے جا رہے تھے جیسے ایک تجربہ کار شکاری
 اپنے شکار کے پیچھے بچا بچا چلتا ہے اور موقع دیکھتا چلا جاتا ہے کہ جب
 اس کا شکار پوری زد میں آجائے تو بھرپور وار سے اس کو ختم کر دے۔ حسینؑ
 نے میدانِ کربلا میں دیکھ لیا کہ اجتماع، نص، شوریٰ اور غلبہ کے چاروں رنگین
 زردیں شکار زد میں آگئے۔ اب وہ وقت ہے کہ ایک ہی تیرے چاروں کو
 بیندھ لوں اور دنیا کو دکھا دوں کہ میرے باپ اور بھائی جو مجھ سے بھی افضل تھے
 اور مجھ سے زیادہ دور بین اور دور رس تھے مگر ان کے سامنے یہ چاروں رنگین
 شکار زد میں نہ آتے تھے اس لیے اپنا ترکش خالی نہ کرتے تھے۔

میدانِ کربلا میں حسینؑ نے وہ کام کیا اور وہ کام کر کے دکھا دیا کہ اپنے اور پرانے
 قیامت تک اس کو بھلا نہیں سکتے۔ کفر کا بُت منہ کے بل آ پڑا اور قیامت تک کی
 ہر آفتیں ختم کر دیں۔ اب کسی کی کیا مجال جو رسول اللہؐ کا بھانپن بن کر اسلام کو
 کفر سے بدلنے کا نام لے سکے۔ خواہ خود اپنی ذات سے کچھ بھی کیوں نہ کرتا پھر
 مگر اصول کو بدلنے کا نام نہیں لے سکتا۔ حسینؑ نے دوبارہ اصولِ اسلام کو

قائم کر دیا اور بتا دیا کہ دین اور سیاست علیحدہ نہیں ہو سکتے۔

ہوئی دین و دنیا میں جس دم جدائی

ہوس کی امیری ہوس کی وزیری

اگرچہ میدانِ کربلا رسول اللہ کے خون اور فاطمہ کے دودھ سے نشین

ضرور ہو گیا مگر اشارِ قربانی اور خسارے کی سب سے بڑی مثال قائم کر کے

بتا دیا کہ جب حق پر حوت آنے لگے یا حق ٹٹنے لگے تو یوں بچا لیا کرتے ہیں۔

حسین نے ایک ایسا روشن اور بلند مینار اس صحرائے کربلا میں کھڑا کر دیا

جو قیامت تک حق پر چلنے والوں اور راہِ حق تلاش کرنے والوں کو راستہ

دکھاتا رہے گا۔ دنیا اور دنیا والے جب تک چاہیں اپنے خود ساختہ اصول

بناتے رہیں اور اس پر چل چل کر ٹھو کریں کھاتے رہیں مگر حبيبِ راہِ حق پر چلنا چاہیں

گے تو یہ مینار ان کو صاف اور سیدھا راستہ بتا دے گا۔ بقول ڈاکٹر آقبال سے

مری نگاہ نہیں سوئے شام اور بغداد

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

نیکی اور بدی کی جنگ ہمیشہ سے جاری رہے اور جاری رہے گی۔ بدی

شکست پر شکست کھاتی ہے مگر باز نہیں آتی۔ جس طرح بڑا آدمی بار کر بھی برائی سے

باز نہیں آیا کرتا اسی طرح کفر کی رگ گردن تو میدانِ کربلا میں توڑ دی گئی۔ اب

کفر اپنا سر تو کبھی بلند نہ کر سکے گا مگر مٹاؤ پاؤں ضرور مٹا دے جاتا ہے اگرچہ اس

کربلا والے بلند قطب نما مینار کو گرا نہیں سکتا مگر نیکی کے خواستگاروں کی

توجہ اس سے ضرور ہٹانا چاہتا ہے اور یہ پرانا شکاری ہر سال نیا جال بنا کر لاتا

ہے۔ کبھی اس واقعہ کو تو ملکہ کہتا ہے کبھی ذکرِ حسینؑ کو بدعت بتاتا ہے کبھی وہ

سامان جو اشاعتِ ذکرِ حسینؑ میں نہ ہوتا ہو اس کو رفتنی سے تعبیر کرتا ہے اور ایسی

تصانیف کا انبار لگا دیتا ہے جس میں گٹھلیاں اور بیر اس طرح مل جاتیں کہ حق و ناحق کی تمیز ہی جاتی رہے۔ غرض کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو راہِ راست سے ہٹانا چاہتا ہے مگر یہ مبینہ طور پر روشن ہی رہے گا اور اگلے پچھلے سب کچے چٹے دکھا کر راہِ ہدایت بتاتا ہی رہے گا۔ اسی میدان کے دانائے راہ جناب خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب قبلہ نے اپنی اور پرانی سب تار یخوں اور کتابوں میں غوطے لگا کر دُرِ شہوار نکالے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایک سدا بہار بار پروردگار ناموسِ اسلام کو سچایا ہے کہ یہ کتاب بھی قلمِ ہدایت ہی کا کام دے گی اور رسولِ عربیؐ کے چاہنے والے خلیفہِ مدوح کا شکر یہ ادا کرتے رہیں گے۔
انشاء اللہ۔

دعا کا محتاج :

طاہر بنیرہ آزاد

۱۹۳۹ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَعَلَىٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ

الحمد للہ کہ میری ناچیز تالیف ناموس اسلام المعروف بہ "شان حسین" کا حصہ اول طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ علمائے عالی منزلت اور بباداران اسلامی و ایمانی نے میری اس ناچیز خدمت حسینی کو پسندیدگی کا شرف بخشا اور اس بیچمدان کی عزت افزائی فرمائی۔

اس حصہ اول میں جس طرح اسلام محمدی اور تعلیم رسولؐ کی افضلیت و برتری کو ظاہر و باہر کیا گیا ہے اسی طرح جان رسولؐ حسین مظلومؑ کی شخصیت اور شان کو بھی نمایاں کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حسینؑ نے اپنے نانا کے دین اور حقیقی اسلام کو قیامت تک کے لیے زندہ بنا دیا اور دنیا کو یہ دکھا دیا کہ حقیقی اور روحانی اسلام کیا ہے اور اس ظاہری نام کے سلطنتی اور قومی اسلام کو اس حقیقی اور روحانی اسلام سے کس قدر تفاوت ہے جو خدائی دین کہلاتا ہے اور یہ کہ وہ سچا اسلام اور اصلی دین جس کی تعلیم رسولؐ نے فرمائی تھی اور جس کو خدائے جلیل نے اپنا دین (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) فرمایا اور جو فی الواقع حکومت و خلافت الہی اور حقیقی سلطنت و ریاست محمدیؐ ہے کیونکہ وہ مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے

۱۹- ترمذی ۲۰- صواعق محرقة ۲۱- ۱۳۶۹- راجع المطالب- خصائص کبریٰ- کنز العمال-

Marfat.com

کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی مآان تمسکتہ بہما لن تصنوا
بعدی ولن یفتقأ حتی یردا علی الموحض - اور جن کے راس
ریش کے متعلق فرمایا تھا القرآن مع العلی والعلی مع القرآن - اس میں
کوئی شک نہیں کہ ان مقدس ہستیوں اور دین مبین کے سچے حامیوں کو قتل و غارت
کرنے والے اور ان سے ترک موالات کا بیڑا اٹھانے والے بنی امیہ اور بنی امیہ میں
مخصوص آل ابوسفیان ہے۔

تاریخیں بتاتی ہیں، واقعات دکھا رہے ہیں اور حدیث و سیر کی کتابیں ظاہر کر رہی ہیں
کہ یہ خاندان بنی امیہ اسلام کا قدیمی دشمن اور رسول الہی اور ان کی آل اطہار کا پکا حاد
اور جان و مال و آبرو کا بدخواہ تھا۔ ان کی جو حالت اسلام سے قبل تھی وہی اسلام
لانے کے بعد بھی باقی رہی۔ یہی وہ لوگ تھے جو حالت کفر میں اسلام کے مٹانے اور
چراغ ہدایت کے بجھانے میں کوشاں رہے۔ یہی تھے جنہوں نے اسلام کا بھیس بدل
کر اسلام کی بیچ کنی کی۔ یہی تھے جنہوں نے حکومت و سلطنت کی ہوس میں اسلام کی
نعمت الیہ کو کفر سے بدلا۔ اور دین الہی کی حقیقی روحانیت و حریت کو طیامیٹ کر کے
فالقلبتم علی اعقابکم کا مصداق اپنے کو ثابت کیا (دیکھو تفسیر درمنثور علامہ
جلال الدین سیوطی پارہ ۳ سورۃ ابراہیم ص ۵۸۸ زیر تفسیر آیت الصبر الی الذین
بدلوا نعمۃ اللہ کفرًا) (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی
نعمت کو کفر سے بدل دیا، بخاری، ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردیہ جلیبیہ علمائے
جلیلین القدر نے حضرت خلیفہ دوم عمر ابن الخطاب سے نقل فرمایا ہے کہ جناب خلافت
کتاب نے اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ قال ہما الآخران
من قریش بنو المغیرہ و بنو امیہ فاما بنو المغیرہ فکفیتہم
یوم بدر و اما بنو امیہ فمتعوا الی حین رقبیۃ قریش سے

دو ذہر گروہ بنی مغیرہ اور بنی امیہ میں جنہوں نے دین الہی کی نعمت کو کفر سے بدل دیا بنی مغیرہ جہنگ بدر میں تمام ہو گئے مگر بنی امیہ ابھی تک باقی ہیں (دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس نے حضرت عمر سے اسی آیت کی تفسیر کو دریافت کیا کہ وہ فاجر و کافر کون ہیں جن کی طرف اس آیت مجیدہ میں رب جلیل نے ارشاد فرمایا ہے حضرت عمر نے فرمایا ہما الاخیران من قریش اخوالی و اعمامک (یہ دونوں فاجر قبیلے قریش کے میرے ماموں زاد بھائی اور تیرے چچا زاد ہیں) یعنی بنی مغیرہ اور بنی امیہ سوال میں سے میرے ماموں زاد بھائیوں کے قبیلے کا تو خاتمہ ہی ہو چکا مگر تیرے چچا زاد بھائیوں کا قبیلہ یعنی بنی امیہ باقی ہے۔

نیز اسی تفسیر درمنثور سیوطی میں ابن جریر۔ ابن منذر، ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ سے بطریق صحیح حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے بھی اسی طرح کی روایات نقل کی گئی ہیں کہ حضرت نے بھی اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں ایسا ہی ارشاد فرمایا جیسا کہ حضرت عمر نے۔ یعنی دین الہی کی نعمت کو چھوڑ کر بنی امیہ اور بنی مغیرہ نے کفر کو پھر اختیار کر لیا۔ اصل عبارت حدیث یہ ہے۔ عن علی ابن طالب فی قولہ تعالیٰ الحرث الی الذین بدلوا قال ہما الاخیران من قریش بنو امیہ و بنو المغیرہ فاما بنو المغیرہ فقطع اللہ دابرہم یوم بدر و اما بنو امیہ فمتعوا الی الحین۔

بروایت ابن مردودہ علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے دین خدا کو کفر کے ساتھ بدل ڈالا وہ فاجر ترین قریش بنو امیہ اور بنی مخزوم قبیلہ ابو جہل سے ہیں (تفسیر درمنثور) نصائح کافیہ ص ۱۲ پر ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خط میں معاویہ کو تحریر فرمایا۔ دخلت فی الاسلام کرہا و خرجت منه طوعاً (تو نے اسلام کو کراہت سے قبول کیا تھا اور پھر بخوشی اسلام سے

نکل گیا، ابن اثیر لکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے معاویہ سے فرمایا۔ طلیق بن طلیق
 حزب من الاحزاب لم یزل حرباً للہ ولسولہا ہو والیہ حتی
 دخلا فی الاسلام کا رہیں (یعنی وہ آزاد کردہ (غلام) اور آزاد کردہ کا
 بیٹا ہے اور ایسے گروہ سے ہیں جو ہمیشہ خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرتے
 رہے اور جب دونوں باپ بیٹے ظاہری طور سے مسلمان ہوئے تو کراہت کرتے
 ہوئے (یعنی مجبوراً)

نیز شطیب نے مسور بن مغرمہ سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب نے عبدالرحمن
 بن عوف سے فرمایا۔ الحدیث فیما تقرء قاتلوا فی اللہ فی آخر
 مرة کما قاتلتم اول مرة قال قمی وک قال اذا کانت
 بنو امیة الامراء وبنو المعزوم الوزراء (کیا جس چیز کو ہم پڑھتے ہیں
 (قرآن مجید) اس میں یہ نہیں ہے کہ جہاد کرو یا مقاتلہ کرو۔ خدا کی راہ میں آخر مرتبہ
 بھی جیسا کہ دین الہی کے لیے پہلے تم نے جہاد کیا تھا۔ عبدالرحمن بن عوف نے
 پوچھا کہ یہ کب ہوگا تو حضرت عمر نے فرمایا جب بنی امیہ امیر ہو جائیں گے اور بنی مخزوم
 وزیر (دیکھو نصائح کافیہ ص ۱۷۱)

صاحب نصائح کافیہ نے ص ۱۷۱ پر تفسیر نیشاپوری سے لے کر صحیح روایت
 کی ہے کہ حضور در عالم نے فرمایا۔ "عرب کے شریر ترین قبیلے بنی امیہ بنی حنیفہ
 اور بنی ثقیف ہیں" اور نعیم نے اپنی کتاب فتن میں یوں نقل کیا ہے کہ بحالہ سے
 مروی ہے کہ میں نے عمران بن حصین (صحابی) سے کہا۔ حدثنی من الغرض
 الناس الی رسول اللہ قال اتکتہم حتی الموت قلت نعم قال
 بنو امیہ وثقیف وبنو حنیفہ وبقاؤ کہ رسول اللہ سے سب سے
 زیادہ بغض رکھنے والے کون ہیں؟ عمران نے کہا کیا تو مرتے دم تک اسے

پوشیدہ رکھے گا۔ میں نے کہا ہاں ایسا ہی ہوگا۔ آپ کا نام ظاہر نہ کیا جائے گا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ وہ لوگ بنی امیہ و بنی ثقیف و بنی حنیفہ ہیں (دیکھا آپ نے یہ ہے امیر معاویہ اور بنی امیہ کا پر و پگنڈا اور خوف کہ اصحاب رسولؐ اور راویان حدیث نبویؐ بنی امیہ کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے۔ فضیلت کے سلسلے کی احادیث کو بیان نہیں کر سکتے۔ قتل و غارت کا ڈر اور جان و مال کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

حافظ ابو نعیم حضرت امیر المومنین علیؑ اور ابن مسعودؓ رسول خداؐ کے مشہور جامع قرآن صحابی (سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ لَعَلَّ دِیْنِ اُمَّةٍ دَافِعَةٌ هَٰذَا الدِّیْنِ اِهْذِهِ الْاُمَّةُ بَنُو اَمِیَّةٍ (ہر دین کے لیے ایک آفت ہے اور میرے دین یا امت کے لیے بنو امیہ کا وجود آفت ہے) نصائح کافیہ ص ۱۰۶

نعیم بن حماد اور حاکم نے مستدرک میں ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ اِنَّ اَهْلَ بَیْتِی سَیْقَتُلُوْنَ بَعْدِی عَنْ اُمَّتِی قَتْلًا وَتَشْرِیْدًا وَاِنْ اَشَدَّ قَوْمًا لَنَا لُبُخْصًا بَنُو الْاَمِیَّةِ وَبَنُو الْمَغِیْرَةِ وَبَنُو الْمَخْزُومِ (میرے بعد میری امت کے لوگ میرے اہل بیت کو قتل کریں گے، گھروں سے نکالیں گے اور کوئی قوم ہمارے ساتھ بغض و عناد اور دشمنی کرنے والی بنی امیہ، بنی مغیرہ اور بنی مخزوم سے زیادہ نہیں ہے) نصائح کافیہ ص ۱۰۶

نیز حاکم نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ اِنَّ الْبَغْضَ الْاَحْیَاءِ وَالنَّاسِ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَنُو اَمِیَّةٍ (رسول اللہؐ کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے بنی امیہ ہیں) نصائح کافیہ ص ۱۰۶۔ صاحب صواعق محرقة نے بھی اس حدیث کو

اپنی کتاب کے ص ۱۲۲ پر درج کیا ہے۔ نیز کنز العمال ملامتفی۔ تفسیر نیشاپوری تظہیر الجنان
ابن حجر مکی ص ۱۲۳۔

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جس کی شان میں رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا
ہے کہ مَا أَظَلَّتِ الْخَضِرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغُبَرَاءُ ذِي لَهْجَةٍ أَصْدَقَ
مَنْ ابْنِي ذُرَّةِ آسْمَانٍ نے کسی ایسے شخص پر سایہ کیا ہے اور نہ زمین نے کسی
ایسے شخص کو اٹھایا ہے جو ابوذر سے زیادہ سچا اور صادق کلام کرنے والا ہو
اس بزرگوار نے حضرت عثمان خلیفہ سومؓ کے دربار میں حضور سرورِ عالمؐ کی جس
حدیث کو بیان فرمایا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ ابن واضح اپنی تاریخ میں
اور علامہ مسعود مرقد ج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جب خلافت ثالثہ کے زمانہ میں
حضرت ابوذر کو معاویہ کی شکایت کرنے پر شام سے واپس بلایا گیا اور معاویہ
نے ان کو ایک ایسے اونٹ پر بٹھا کر روانہ کیا جس کا پالان سخت کھرا اور تکلیف دہ
تھا جس کی وجہ سے حضرت ابوذر کی دونوں رانیں زخمی ہو گئی تھیں تو اس حالت
میں مدینہ پہنچ کر حضرت ابوذر نے حضرت عثمان کے دریافت کرنے پر ان کے
دوہرہ رسول اللہؐ کی اس حدیث کو بیان فرمایا کہ جس وقت بنی امیہ کے مردوں کی
تعداد تیس تک پوری ہو جائے گی اس وقت وہ خدا کے شہروں کو مال غنیمت اور
خدا کے بندوں کو لونڈی غلام سمجھیں گے اور خدا کے دین کو محض مکاری اور
ظاہرداری سے اختیار کریں گے (تاریخ احمدی ص ۱۲۵)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی امیہ کے نفاق و عداوت ابلے دینی اور حقیقی اسلام
سے بے ہرگی کے متعلق وہ تمام احادیث رسولؐ جمع کی جاتیں جو علمائے جلیل القدر
نے اپنی اپنی کتب و سیر و حدیث میں درج فرمائی ہیں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب تیار ہو
جائے۔ ان تمام احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ بنی امیہ کو اسلام سے دور

کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہ لوگ ہوا و ہوس کے بندے، اہوا و منصب کے خواستگار، خود غرضی
 نفس پرستی کے شکار، عیش و نشاط کے دلدادہ، حریت و مساوات اسلامی کے پکے دشمن
 اہل بیت رسولؐ کے خون کے پیاسے، کتاب و سنت سے بے خبر، حدود و کینے سے پرہیزگار۔ انھوں
 نے خاندان رسالت کے تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ حسین علیہ السلام کی عظیم الشان
 شہادت اور دین اسلام میں ایک ہولناک تہلکہ کے باعث یہی عاقبت برباد بنی امیہ تھی۔
 ہم اپنی اس کتاب میں بے شمار دلائل و شواہد سے یہ بات ثابت کریں گے کہ اسلام
 میں آج جو کچھ اختلافات نظر آ رہے ہیں وہ سب اسی بد بخت گروہ بنی امیہ کے پیدا کیے ہوئے
 ہیں۔ ہم واقعات صحیحہ کے ضمن میں اس قبیلے کے بد اوصاف اور آل محمدؐ کے لورانی
 صفات پر بھی انشاء اللہ کافی روشنی ڈالیں گے جس کے بعد ہمارے ناظرین پر بخوبی
 ثابت ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے۔

پہلے زمانے کے لوگوں پر منحصر نہیں اس زمانے کے محققین مورخین نے بھی بنی امیہ کے
 فتنہ و فساد برپا کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب تحریرت الاسلام
 میں تحریر فرماتے ہیں: ”خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ کا دور فتن و بدعات شروع
 ہوتا ہے جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں“ ص ۲۶

ایک دو نہیں سیکڑوں انصاف پسند مورخین و محققین اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ اسلام
 کے ظاہری پردے کی آٹھ میں بنی امیہ نے دین الہی کو وہ عظیم الشان صدمہ پہنچایا ہے اور
 مسلمانوں میں وہ فتنہ و فساد برپا کیا ہے جس کے بیان کرنے کے لیے بہت سادقت اور
 بڑا دفتر درکار ہے۔ بہر حال جہاں تک ہم سے ہو سکے گا۔ ان واقعات کو روشنی میں لائیں
 گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

راقم عبدہ الاثم

سید محمد ہاشم (مرثوم)

تمہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمدؐ و نصی علیؑ رسولہا الکریمہ والہا الطیبین الطاہرین

خلقت انسانی پر غور کرنے والے حضرات اور علم تشریح کے جاننے والے اصحاب بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ انسان جو موجودات عالم میں اشرف المخلوقات اور مخاطبہ موجودات ہے اپنے خالق حقیقی اور عارف ازلی کی صنعت کاملہ کا ایک ایسا عجیب و غریب مجسمہ اور بے مثل و بے نظیر مجموعہ ہے کہ مخلوقات عالم کے گونا گوں جلوے اور مصنوعات الہی کے رنگارنگ منظر اس میں نظر آتے ہیں۔ سبحانہ ما اعظم شانہ۔ دنیا کے سب سے بڑے فلاسفر نے جو باب العلم کے لاثانی خطاب کا حقیقی مستحق ہے۔ وہ جو د انسانی کے فلسفہ پر کس خوبی سے اپنے چند فصیح و بلیغ اور بے مثل و نظیر الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ بڑے بڑے روشن دماغ حکیموں اور عدیم المثال فلاسفوں کی موجودہ حقیقتات علمی کو تیرہ سو برس پہلے کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے کہ

دواءك فيك وما تشعر	وداؤك منك ولا تبصر
وانت الكتاب المبين الذي	با حروفه ليظهر الدخمر
اتزعم انك حبر صغير	وديك الطوى العالم الاكبر
	(دیوان جناب امیر)

(توجہ) "اے انسانِ خاکی تو نہیں جانتا کہ تیرے مرض کی دوا بھی اسی طرح تیرے اندر موجود ہے جس طرح تجھے علم نہیں کہ تیری بیماری بھی تجھی سے پیدا ہوتی ہے۔ اے انسان تو اپنے خالق کی ایک ایسی روش کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف سے کائنات کے مرتبہ راز اور توحید کے پوشیدہ اسرار جلوہ نما ہوتے ہیں۔ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک تنہا منعھا چھوٹا سا کپڑا ہے (لفظہ انسانی میں چھوٹے چھوٹے کپڑے ہوتے ہیں جو خود دین ہی سے نظر آسکتے ہیں۔ وہی اس زمانہ کے محققین کی رائے ہیں وجود انسانی کی اصل ہیں) حالانکہ تیرے خالق و مالک نے بڑے بڑے عالم تیرے اندر جمع فرما دیے ہیں۔"

بلاشبہ ایک عارفِ کامل اور ایک محققِ فلاسفر اپنی چشم بصیرت میں اور ایک حکیم حقیقت آشنا اپنی عین حقیقت بین میں وجود انسانی کے اندر اپنے خالقِ ازل اور صالحِ حقیقی کے انوارِ قدسیہ کا جلوہ دیکھتا ہے اور یقینِ کامل کے جام پی کر جذباتِ معرفت سے مست ہو جاتا ہے۔ اور اسی عالم بے خودی میں پکارا مٹتا ہے۔ تو کشف الغطاء لہا از ددت یقیناً (اگر یہ تمام مادی پردے میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں تب بھی میرے موجودہ یقین میں کوئی زیادتی نہ ہوگی) پھر وہی حکیم روحانی اور معلمِ لاثانی حصولِ معرفتِ الہی کا یہ صحیح اور ذریعہ اصول تعلیم فرماتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) پس یہ انسانِ ضعیف البنیان جس طرح روحانی اور ملکوتی صفات کا دانا ہے اسی طرح حیوانی اور شہوانی خاصیتوں سے بھی مرکب ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

آدمی نہ اوطرف معجزو نیست | از فرشتہ مرشدہ و نہ حیواں

گر کند میل این شود بذازاں | گر کند میل آں شود بہ ازاں

جس طرح جنبہ ملکوتی اور جوہر روحانی جو حقیقت میں انسان کامل بنانے کا اصلی جوہر اور اشرف المخلوقات بننے کا حقیقی راز ہے۔ ہر انسان کی سرشت میں ڈالا گیا ہے اسی طرح حیوانی جنبہ اور شہوانی قوتیں بھی جو جسم کی بقا کے لیے لازمی ہیں خلقت انسانی میں خمیر کی گئی ہیں۔ اسی طرح اخلاق فاضلہ کے ساتھ ساتھ اخلاق رذیلہ کو بھی فطرت انسان میں برابر کا سہیم و شریک بنایا گیا ہے۔ پس اگر انسان اس جنبہ حیوانی اور قوائے شہوانی کو صرف تنظیم عالم اور بقائے جسمانی ہی کے لیے تحت جوہر عقل کام میں لاتا رہے تب تو انسان کامل کہا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ جب اپنی ہر حرکت و سکون ہر قول و فعل میں اپنے خالق عادل کے منشاء اور حکم عدل و انصاف کے مطابق کاربند ہوگا تب ہی اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہے ورنہ نہیں۔

عدالت وجہ بقائے عالم ہے :

کون اس بات کو نہیں جانتا کہ تمام نظام عالم دامن عدالت سے وابستہ ہے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہی عصمت و عفت کا سرسببہ راز ہے۔ یہی روحانی ترقی کا زینہ ہے۔ یہی بقائے حیات انسانی کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کی بحالی اسی پر منحصر ہے عالم کی تنظیم اسی سے وابستہ ہے۔ تمدن میں اسی سے رونق ہے۔ معاشرت میں اسی کی بہار ہے۔ دنیا کی ترقی اور آخرت کی نجات کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وجود انسانی کی عمارت دم بھر کے لیے باقی نہیں رہ سکتی بلکہ انسان عدم سے وجود میں آہی نہیں سکتا۔ اسی کی طرف کلام الہی میں یوں اشارہ کیا گیا ہے۔ ایتھا الانسان ما عثرک برئک الکریم الذی خلقک فسواک فعداک و

فی اقی صوره مشاعہ مرکبک (سورۃ الفطار) سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت ہے۔ کیسا پیارا کلام ہے۔ اگر ایک طرف عظمت و جلال کی تجلیاں چمکتی ہیں اور قدرت و اختیار کامل کے جلوے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف محبت و رحمت کے پھول سمکتے ہیں اور علم و حکمت کے چٹھے بلبتے ہیں۔ اپنی ناپیز مخلوق کو کس محبت اور پیار سے خطاب فرمایا جاتا ہے۔ (ترجمہ) "کیوں اسے ہماری مخلوق انسان کی کس چیز نے تجھے مغرور کر دیا ہے اور کس بات پر تو نے اپنے پروردگار کے مقابلہ میں دھوکہ کھایا ہے۔ تیرا پالنے والا اکرم مطلق وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے اعضاء و جوارح سے مکمل بنایا۔ پھر تیری تعدیل فرما کر تمام اخلاط و عناصر جسمانی اور اجزائے بدنی کی ترکیب میں صورتِ عدل قائم فرما کر جس صورت میں چاہا اور جو شکل مناسب سمجھی اسی پر تجھے ترکیب دے دیا۔"

پس خالق کون و مکان کے اس کلام معجز نظام سے بخوبی ظاہر ہے کہ انسانی خلقت کی بنیاد عدالت پر قائم فرمائی گئی ہے بلکہ اگر چشم بصیرت اور نگاہ تدبیر سے دیکھا جائے تو کائنات کے ذرے ذرے میں اس عادل حقیقی کے فیض عدالت کے جلوے یقیناً نظر آئیں گے اور جس طرح ہر ایک ہستی اپنے خالق و مالک کے وجود کی شہادت دے رہی ہے اسی طرح ہر چیز اپنی صورتِ عدلی اور ہیئتِ خلقی میں اپنی زبان بے زبانی سے اسی عادل مطلق کی حکمتِ کاملہ کے گن گاتے سناتی دے گی۔

بیشک عدالت ہی دین اسلام کا اصول ہے اور عدالت ہی خلافتِ الہیہ کا راز ہے۔ عدالت ہی دین محمدی کی جان ہے۔ ان اللہ یا مہر بالعدل والاحسان (بیشک اللہ عدل و احسان کا حکم کرتا ہے) اسی پر شاہد ہے اور حدیثِ امیرت ان اعدل بیتکم (مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے

درمیان عدل کروں، اسی پر دال ہے۔ آیت اِنَّكَ لَعَلٰی خَلِقْ عَظِيْمٌ (اے رسولؐ تو بیشک خلق عظیم پر ہے) اسی کی تفسیر ہے۔ قرآن مجید اور فرقان جمید اسی کی تشریح ہے۔ یہی خلق محمدی ہے اور یہی کتاب عدالت ہے اور صحیفہ ہدایت۔

عدالت کے معنی:

علماء نے عدالت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ وضع الشیء فی محلہا (کسی شے کا اس کے محل اور موقع پر رکھنا) بے شک اس سے زیادہ جامع و نافع الفاظ میں عدالت کی تعریف ہو بھی نہیں سکتی۔ بیشک کوئی کام، کوئی فعل کوئی شخص اور کوئی شے جس مقام، جس محل اور جس وقت کے لیے اہل اور موزوں ہے اسی وقت اور اسی مقام پر رکھا جائے تو عدالت ہے۔ یہی اس عادل مطلق کا منشا ہے۔ یہی دین محمدی ہے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اسی کے لیے بعثت انبیاء ہے اور یہی اِنِّیْ لَبَعِثْتُ لَآ اَتَمِّمُ مِکْرَامَ اَخْلَاقٍ (میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کر دوں) کے معنی ہیں۔ امر بالمعروف اسی کی عدالت ہے۔ نہی عن المنکر اسی کی حفاظت ہے۔ پس خدا کے اس قانون کو توڑنا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ہی ظلم ہے۔ وضع الشیء فی غیر محلہا (کسی شے کا اس کے محل کے خلاف رکھنا) کا یہی مطلب ہے۔ بیشک ان الشُّرَکَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (شرک سب سے بڑا ظلم ہے) کسی مخلوق کو اس خدا کے وحدہ لا شریک کا شریک قرار دینا اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنا اور اس کی ہدایت سے منہ موڑنا سب سے بڑا ظلم ہے اور عظیم ترین شرک ہے۔ دنیا کے تمام مظالم کی بنیاد اسی ظلم سے شروع ہوتی ہے۔ پس جس طرح مخلوق کا دعویٰ خالقیت اللہ

عبد کا دعویٰ معبودیت شرک باللہ اور ظلم عظیم میں داخل ہے۔ اسی طرح قانون الہی کو چھوڑ کر اور حکم الہی کے خلاف جنبہ حیوانی اور قوائے شہوانی کی پیروی کرنا اور ملکوتی اور روحانی صفات کو مغلوب کر کے اپنی نفس پرستی کے لیے دنیا کی ناجائز دولت حاصل کرنا اور بغیر استحقاق کسی نااہل مامور کو امیر بننے کا جھوٹا دعویٰ کرنا کسی محکوم کو حاکم بننے کا غلط شوق پیدا ہونا غلام کو آقا کلمہ لانے کی خواہش یہ سب باتیں مہر اسر ظلم، قانون فطرت کا گناہ عظیم اور دنیا کا بدترین اور سنگین جرم ہے۔ جو نااہل و ناقابل ہستیاں نفس پرستی کے غلبہ سے اپنی بے جا خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ قانون الہی کو توڑنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے نوکر ہیں وہی یقیناً ظالم، خدا کے گنہگار، دنیا کے مجرم اور لعنت کے مستحق ہیں۔
لعنة الله على الظالمين۔

حسد و ظلم کی پروردگہانی :

محققین علم تاریخ، زمانہ سلف کے حالات جاننے والے اور تاریخ و میر کی ورق گردانی کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ابتدائے عالم سے خدا کی برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ جو بغض و کینہ اور اذیت علم و دیانت کے ساتھ مخالفت، مصلحان قوم و ملک سے عداوت، رسولان الہی پر ظلم و جور، قتل و غارت، طرح طرح کی مہیبتیں، گوناگوں اذیتیں اور دنیا میں جنگ و جدال، فساد و عناد، ظلم و تشدد کے واقعات جو کچھ بھی ہوتے رہے اور جتنی ظالمانہ خونریزیاں عمل میں آئی ہیں ان سب کی بنیاد بے جا جاہ طلبی و نفس پروری اور بغض و حسد ہی پر تھی۔

آدم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خلافت پر ابلیس لعین اور شیطان رحیم نے حسد کیا اور حکیم خدا کی خلافت و رزق کر کے ہمیشہ کے لیے لعنت کا طوق گلے میں پہنا۔ یہی حسد تھا جس نے قابیل کے ہاتھوں سے بے گناہ ہابیل کا خون کرایا۔ یہ بات کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر زمانے میں ہوا و ہوس کے بندے شیطانِ نجس نے اپنی عیش پرستی اور شہوت رانی کی دھن میں پڑ کر وارشانِ ملک الہی، بزرگانِ دین اور ہادیانِ برحق سے حسد کرتے لڑتے جھگڑتے اور حکیم خدا و رسولؐ کے خلاف فتنہ و فساد برپا کرتے رہے ہیں۔ اور یہی وہ بدترین دنیوی حکمران ہیں جن کے متعلق قرآن میں 'اشمتا' 'یدعون الی التار' (وہ ایسے پیش زد ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں) کہا گیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا کے امن و امان کو تہ و بالا کر کے ضلالت کی راہوں میں اپنے بنی نوع کو چلااتے اور ہادیانِ برحق کے قتل و غارت پر بیڑے اٹھاتے رہے۔ نوح علیہ السلام نے نو سو برس تک پتھر کھائے (مجنون کا مکروہ خطاب سنا) ابراہیمؑ خلیل اللہ کو دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ سخت سے سخت مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا۔ یعقوب علیہ السلام کو ان کے عزیز فرزند سے جدا کر کے اتار لایا گیا کہ وہ اندھے ہو گئے۔ یوسف علیہ السلام کو کنویں جھکائے گئے (غلام بنا کر فروخت کیا گیا) زکریا علیہ السلام کو آڑے سے چیرا گیا۔ یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹا گیا، موسیٰ علیہ السلام کو گھر سے نکالا گیا۔ یوشع علیہ السلام سے بی بی سفورا نے جنگ کی۔ خلافت موسوی پر ان سے نزاع کیا گیا۔

عینی علیہ السلام کو سولی چڑھایا گیا۔ یہ سب انہی نا اہل و ظالم لوگوں کی نفس پرستی اور حسبِ بجاہ و منزلت کے کرشمے اور عدالت سے لغزش کھانے اور حسد کے جلوے تھے۔

اتنی ٹہنڈ کے بعد اب ہم عہدِ رسالت کا ذکر کرتے ہوئے بنی امیہ کی سیاہ کاریوں کو منظرِ عام پر لانا چاہتے ہیں اور اسی سلسلے میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں اہل بیتِ رسولؐ کے کمالاتِ روحانی اور فضا کی نفسانی کس پایہ پر تھے۔



باب اول

عہد رسالت اور نبی امیہ

دین و دنیا کے مالک زمین و آسمان کے خالق رب العالمین خدائے وحدہ لا شریک نے اپنی سلطنت روحانی و خلافت آسمانی اور اپنے ملک عظیم کی بادشاہت اور اپنی کتاب حکمت کی وراثت، دنیا کی رہبری و ہدایت اور امامت خلق کا عہدہ جلیلہ اپنے خلیل جلیل حضرت ابراہیمؑ کو عطا فرمایا۔ دیکھو ارشاد الہی اتی جاءک للناس اماماً قال ومن ذریعتی قال لا ینال عہدی الظالمین (خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا، میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انھوں نے عرض کی، اور میری اولاد میں سے بھی امام بنائے گا؟ فرمایا، میرے عہد امامت کو ظالم نہ پاسکیں گے۔ یعنی تمھاری اولاد میں سے امام بناؤں گا تو مگر عادلوں کی پس جب لا ینال عہدی الظالمین کی شرط کے مطابق ابراہیمؑ کی اس طیب و ظاہر ذریت کو جو ظلم و شرک، کفر و رجن اور معصیت و خطا سے منزہ ہیں وراثت ابراہیمی کے اہل کچھ کر بمصدق اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے) اپنی نیابت و خلافت و رسالت و امامت کا عہدہ بخش کر مرفرات و ممتاز فرمایا تو دنیا کے پیش پرست، نا اہل اور جاہ طلب لوگوں کے دلوں میں ہوا و ہوس انسانی کے شعلہ بھڑکے اور بغض و حسد کی آگ سے جل اٹھے۔ امر یحسدون الناس علی

ما اثمهم الله من فضله فقد اتينا آل ابراهيم الكتاب و
الحكمة واتيناهم ملكا عظيما (سورة نساء)

(ترجمہ) آیا لوگ اس بات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان
کو عطا فرمائی ہے۔ بیشک ہم نے آل ابراہیم کو اپنی کتاب و حکمت عطا کی تھی
اور ہم ہی نے ان کو ملک عظیم بخشا۔

تولیت کعبہ : بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وقت سے خانہ الہی
کی سرداری اور تولیت مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ کی حکومت

بادشاہت ذریت طاہرہ ابراہیمی و آل ہاشم و بنی عبدالمطلب میں برابر منتقل ہوتی
چلی آئی ہے جیسا کہ زمانہ جانتا ہے اور تاریخیں بتا رہی ہیں۔ پس آل ہاشم کی
یہی خداداد بزرگی مکہ کی حکومت اور خلافت الہیہ کی فضیلت خاندان بنی امیہ
کی نظروں میں ہمیشہ کھٹکتی رہی اور ان کے بغض و حسد کی آگ کو ہمیشہ بھڑکاتی رہی
بنی ہاشم ہی پر موقوف نہیں بنی امیہ تو اپنی سرداری کے سوا عرب کے کسی بھی قبیلہ
کی سرداری و برتری نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اعلان رسالت : جب عرب کا کفر و شرک انتہائی درجہ پہنچ گیا اور ظلم و
ظہور کی گھٹاؤں اور فسق و فجور کے بادلوں نے تمام دنیا کو
تیرہ و تار بنا دیا تو غیرت الہی بوش میں آئی رحمت کا بادل غار ہراسے اٹھا، لطفاً
پر جھوما، طیبہ پر برسا۔ آفتاب رسالت نے غار ان کی چوٹیوں سے طلوع فرمایا ہدایت
کی کرنیں دنیا کو روشن کرنے لگیں۔ کفر کے بادل چھٹنے لگے اور نور کے جلوے پڑنے لگے
بس بادشاہ دین و دنیا اول و ماخلق اللہ نوری کی شان رکھنے والا، محبوب الہی سرکار
ختمی مرتبت حضور رحمتہ للعالمین، ہاشم کے سپوت، عبدالمطلب کے فرزند، محمد اللہ

سہ ہماری کتاب ناموس اسلام حصہ اول کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

کے دُرّ یقیم، دل و جانم فدائے نامش باد۔ جس کی آمد آمد کی خبریں خدا کے برگزیدہ بندے
ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر از آدمؑ یا عیسیٰ مریمؑ دنیا کو دیتے اور عالم کو پیشین گوئیاں
سناتے چلے آ رہے تھے۔

پیش از ہمہ شالانِ غیور آمدہ ای ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ ای
یا ختم رُسلِ قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ذراہ دور آمدہ ای
یعنی سردارِ دو جہاں سرورِ انبیاء محمد مصطفیٰؐ کو بارگاہِ الہی سرکارِ احدیت سے بذریعہ
وحی تو حیدِ الہی دینِ محمدی ان السدین عند اللہ الاسلام کی اشاعت اظہار
نبوت اور اعلان رسالت کا حکم ہوا۔ غایتِ سراے اعلیٰ، مگر تشریف لائے۔ تبلیغ
دین و ہدایتِ اسلام کا کام شروع فرمایا۔ سب سے اول زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ
اُمّ المؤمنین اور ان کے بعد ہی گو د کے پالے شاگردِ رشید ابنِ عم ابن ابی طالبؑ نے
فوراً ہی تصدیق رسالت اور اپنے ایمان کا اقرار اسلام کا اظہار فرمادیا۔ ملاحظہ ہو
الرجح المطالب مولانا عبداللہ امرتسری ص ۲۹۲۔ عن ابن عباس قال کان علی
اقل من اسلم بعد خدیجہ۔ ہذا حدیث صحیح الاسناد قال
ابو عمر لا یطعن فی روایتہ الاحد اخرجہ عبد البر فی استیعاب
یعنی ابن عباس نے کہا ہے کہ جناب خدیجہ کے بعد علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے۔
اس حدیث کی سب سندیں صحیح ہیں۔ کسی کو اس کی روایتوں میں طعن و اعتراض کی گنجائش
نہیں۔ علامہ عبد البرؒ کی نے استیعاب میں اس کو درج کیا ہے۔ نیز شیخ الاسلام حافظ ابن
حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری تقریب التہذیب ص ۸۴ میں لکھتے ہیں۔ بس اسی کو ترجیح ہے
کہ سب سے اول علیؑ اسلام لائے اور ملاحظہ ہو روضۃ الاجاب جلد اول۔ چوں کہ آنحضرتؐ
را بدلائل واضح روشن شد کہ پیغمبرِ ربّی است ادل شخصے را از اشخاص کہ دعوت بخدا
پرستی و توحید نمود خدیجہ بود و بے توقع بہ و سے ایمان آورد۔ و جمیع علماء را براہ

اتفاق است کہ در آخر ہماں روز علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بواسطہ آنکہ در حجر
 تربیت آں سرور بود بوسے ایمان آورد۔ نیز اعجاز التنزیل ص ۳۹ و ۴۰۔ چنانچہ ان
 آیات شریفہ (یا ایہا المدثر قم فاتذرا) کے نازل ہوتے ہی آپ فرمان
 الہی کی بجا آوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے اس امیر عظیم کا اظہار اپنے
 اہلیت سے فرمایا۔ آپ کی حلیہ جلیلہ تحدیحۃ الکبریٰ نے جو نہایت عاقلہ بی بی محبتیں
 اور پندرہ برس کے رات دن کے تجربہ سے انکی صفات دیانت و امانت اور راستی و
 راست بازی اور حق دوستی و حق پسندی اور غایت مرتبہ کی عقل و فہم سے بخوبی واقف
 محبتیں بلا تامل آپ کی تصدیق کی اور ان کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی علی مرتضیٰؑ نے
 جنھوں نے آنکھیں کھول کر پہلے پہلے آپ ہی کے جمال باکمال کو دیکھا تھا اور آپ کی
 آغوش عاطفت میں آپ کی زبان حق ترجمان کا عباب پی پی کر پریش فرمائی تھی اور اسی وجہ سے لکھنوی

سہ ار ج المطالب مولوی عبداللہ امرتسری ص ۲۸۰ الخیرۃ الامام الفقیہ الحسینی السکاکی فی کتابہ راہۃ ذی الصلابہ
 فی محبتہ الصحابہ۔

سہ ار ج المطالب ص ۲۸۰۔ الخطب خواندنی شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم دہلوی مترجم قرآن مجید
 حضرت علیؑ کے متعلق اپنی تصنیف احیاء الامم میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان (علیؑ) کے حق میں پیغمبر صاحب
 نے دیکھ دیا کہ لکھی دانت منی بمنزلہ باردن میں موسیٰ فرمایا۔ یعنی تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون
 کو موسیٰ سے تھی اور یہ بھی نہ فرماتے تو ان کا اور پیغمبر صاحب کا گوشت پوست اور خون ایک تھا وہ
 پیغمبر صاحب کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کو پیغمبر صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ ایک
 روایت میں ہے کہ علیؑ طفل نوزائیدہ دودھ کے لیے روتے تھے وہ کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے
 تھے۔ پیغمبر صاحب اپنی زبان ان کو چوساتے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت
 یہ تھی کہ پیغمبر صاحب نے اپنی محنت جگر فاطمہ زہراؑ کو ان سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبر صاحب
 کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبر صاحب نے انامدیۃ العلم و علیؑ بابہا سے انکی بیعت کی
 (باقی برصغور آئندہ)

دومک دمی کا بے مثل خطاب پایا تھا۔ بقول سرمد مورخین انگلستان ایڈورڈ گبن :
 ”ایک نوجوان پیر کی سی ہمت و جرأت کے ساتھ آپ کے خیالات کی صداقت کا اعتراف
 کیا۔“ اور آپ کے بعد بقول گبن و ابوالفداء اور مستند مورخین کے جو درایت بھی درست
 معلوم ہوتا ہے آپ کے آزاد کردہ غلام زید ابن حارثہ عبودیت الہی کے معترف ہوئے۔
 اس وقت اسلام و اظہار ایمان کی اس دلچسپ بحث کو ہم انشاء اللہ آئندہ بذیل
 حالات حضرت علیؑ بہت وضاحت و تفصیل سے بیان کریں گے)

اور قبیلہ قریش کے اور چند مقتدر ذی وجاہت اشخاص حضرت ابوبکر، حضرت
 عثمان، عبدالرحمن بن عوف، جعفر ابن ابی طالب اور زبیر بن عوام و عمار یا سر وغیرہ
 نے دائرۃ اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل فرمایا۔

المختصر جب سردار کونین، ہادی برحق، رسول عربیؐ نے تبلیغ اسلام
 اور توحید الہی کی ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا اور لوگ راہ ہدایت پا
 کر دائرۃ اسلامی میں داخل ہونے لگے، تو مسیّد کا دنگا بچنے
 لگا اور بتوں کی پوجا سٹپنے لگی تو ہوا و ہوس کے بندے بتوں
 کے پجاری کفار قریش مشرکین مکہ اس ہادی برحق رسول کریمؐ کی مخالفت
 اور ہر طرح کی ایذا رسانی کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور خون کے پیا سے بن گئے۔ ان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تسلیق و توثیق کی تھی۔ وہ شجاعت اور سخاوت اور خطابت اور ذورندی
 میں بے مثل تھے۔ ان کی اصابت رائے پر پیغمبر صاحبؐ کو کلی اعتماد تھا کہ نو عمری میں ان کو
 یمامہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ جس رات کو کفار مکہ پیغمبر صاحبؐ کو مار ڈالنے کے ارادہ سے
 رات بھر پیغمبر صاحبؐ کا گھر گھیرے پڑے رہے۔ پیغمبر صاحبؐ ۲۱ ان کو اپنی جگہ لٹا کر
 چپکے سے باہر نکل آئے۔ حج ایں کار از تو میرد مرداں چنین کنند۔

(اجہات لامہ۔ آیات حکیمات جلد اول ص ۲۸۳)

قبیلہ قریش کا سردار ابو جہل اور خاندان بنی امیہ کا میر قبیلہ ابوسفیان اور ان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ مادر امیر معاویہ آخر وقت تک عداوت اور دشمنی اور ایذا رسانی رسول عربیؐ میں سب سے آگے آگے نظر آتے ہیں۔ متنب ہجرت قبل رسولؐ کی ماریش دارالندوہ کی میٹنگ، قبائل عرب کو اشتعال، مدینہ رسولؐ پر بار بار حملہ، بدر کی لڑائی، احد کا معرکہ، حضرت حمزہؓ عم رسولؐ کی شہادت، خندق کی جنگ وغیرہ وغیرہ غرض کہ فتح مکہ سے پہلے پہلے اسلام کی مخالفت اور رسولؐ عربیؐ سے عداوت و ایذا رسانی کا سہرا بنی امیہ کے چشم و چراغ امیر معاویہ کے پد بزرگوار یزید کے جبر نامدار امیر ابوسفیان ہی کے سر پر نظر آتا ہے۔

بنی ہاشم و بنی امیہ: مولانا شبلی سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۵۸ پر بنی ہاشم اور بنی امیہ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں: "قریش کے دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دگر تھے۔ بنی ہاشم و بنی امیہ عبدالمطلب نے اپنے زور و اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر پیدا نہیں ہوا۔ ابوطالب سلطنت مند نہ تھے۔ عباس دولت مند تھے لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدچلن تھا۔ اس بنیاد پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔

اسے ابوطالبؓ کو دولت مند نہ تھے مگر ابوطالبؓ کی وجاہت و سرداری کو اور ولایت خانہ کعبہ کو تمام قریش مانتے تھے۔ اور اپنا سردار و رئیس جانتے تھے۔ نہ عباس کی یہ منزلت تھی نہ قبیلہ کے کسی اور رئیس کی۔ جیسا کہ تاریخوں سے بخوبی ثابت ہے۔

بدر کے سوانحی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی تے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس شکر رہا۔
 عقیہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرتؐ کا دشمن تھا اور جس نے نماز
 پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈال دی تھی اموی
 ہی تھا۔ بنی امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنی ہاشم سے برابری کا دعویٰ تھا وہ بنی مخزوم
 تھے۔ ولید بن مغیرہ اس خاندان کا رئیس تھا یہ خالد کا باپ اور ابو جہل کا چچا تھا،
 اس لیے اس قبیلے نے آنحضرتؐ کی سخت مخالفت کی۔ مولانا شبلی کا مذکورہ بالا بیان
 رسول خدام کی اس حدیث کی تشریح کر رہا ہے جو نصاحؓ کا فیہ منہ اور تطیر الجنان
 ابن حجر علی ص ۱۲۱ پر درج ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ ان اشد قوم لنا بغضاً
 بنو امیہ و بنو المغیرہ و بنو مخزوم ہم سے سب سے زیادہ بغض و
 عداوت رکھنے والی قوم بنی امیہ، بنو مغیرہ اور بنو مخزوم ہیں۔

ابوسفیان کے متعلق مولانا شبلی کا بیان : پھر فتح مکہ کے بیان
 میں مولانا شبلی یوں تحریر فرماتے ہیں :-

”ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے سب کے سامنے تھے اور ایک
 ایک چیز اس کے قتل کی دعوے دار تھی۔ اسلام کی عداوت مدینہ پر
 بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرانے کی

سہ بدر کی لڑائی میں اگرچہ ابوسفیان امیر شکر نہ تھا مگر اس جنگ کا ترغیب دینے
 والا، مخالفت رسولؐ پر لوگوں کو بھڑکانے والا اور اپنے خسر ہندہ کے باپ عتبہ
 ابو جہل کا ملٹری سیکرٹری اور زبردست بازو ضرور تھا۔ شام سے واپس ہو کر اور
 مال تجارت کو مکہ میں پہنچا کر شریک جنگ بھی ہو گیا تھا۔

(دیکھو مدارج النبوة جلد ۲ ص ۱۰۸)

سازش ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو بنی) تھی۔ اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہیں۔“ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۶)

حضرت ابوطالب اور جناب خدیجہ کی وفات کے بعد قریش کی ایذا رسانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ بقول مولانا شبلیؒ ابوطالب اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپؐ گھر تشریف لائے۔ آپؐ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپؐ کا سر دھوئی تھیں اور جوش محبت میں روتی جاتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جان پدر رو و نہی اخدا تیرے باپ کو بچائے گا۔“ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۲)

مشرکین کی ایذا رسانی: کون سی تکلیف تھی جو مشرکین مکہ نے آنحضرتؐ کو نہ پہنچائی۔ راہ میں کانٹے بچاتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے تھے۔ سجدہ میں آپؐ کی گردن پر اوجھری لاکر ڈال دیتے تھے۔ عتبہ شقی ابوسفیان کا رشتہ دار اموی خاندان کا بد معاش گلوئے اقدس میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتا تھا کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔ (دیکھو سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۶۳)

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ لڑکے قریش بھی موجود تھے۔ ابوہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جانا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ حبیب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن میں ڈال دیتا۔ عتبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ وہ اوجھ اٹھا کر لایا اور آپؐ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی

نے جا کر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی۔ اگرچہ آپ اس وقت پانچ چھ سال کی تھیں لیکن
جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو اٹھا کر عقبہ کو سخت کست کہا اور
بد دعائیں دیں (سیرۃ النبی ص ۱۸۶) صحیح بخاری شرح عسقلانی جلد ۵ ص ۱۹۸۔
مسلم شرح بغوی جلد ۲ ص ۱۰۸ - ۱۰۹

جو ہمیشہ سے بنی امیہ کے خاص شیدائی اور سچے
میرزا خیرت دہلوی : فدائی بلکہ آلِ ابوسفیان کی محبت اور عشق کا مجسمہ
ہیں اور آلِ رسولؐ کو ہمیشہ بنی امیہ کی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں وہ بھی اپنی کتاب
”سیرتِ محمدیہ“ کے ص ۲۱۹ میں تسلیم کرتے ہیں کہ بنی امیہ سے زیادہ اسلام اور ہادی
اسلام کا مخالف و دشمن قریش میں کوئی اور نہ تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-
”جب بنی امیہ نے یہ دیکھا کہ ابوطالب کا انتقال ہو گیا جن کا اثر کچھ
نہ کچھ قومِ قریش پر تھا اور اس سے وہ ایک محدود جگہ پر رُکے ہوئے
تھے مگر اب انھوں نے میدانِ خالی پایا اور وہ اسلام کے مکہ سے
استیصال کے درپے ہوئے اور نئی طرح سے پھر ان کے حسد اور
دشمنی اور غصہ کی آگ بھڑکی اور وہ اپنی اس نئی مخالفت پر آمادہ
ہوئے اور ہاشمیوں کے ستانے کی نئی تدبیریں ہونے لگیں۔“

رسولؐ کا صبر و استقلال : اللہ اللہ دیکھو خدا کا عاشق صادق نور
الہی کا مجسمہ تبلیغ کا شیدائی، اسلام کا
فدائی، رسولِ عربیؐ دینِ الہی کی اشاعت اور توحیدِ خداوندی کی تبلیغ و ہدایت
میں سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کرتا ہے۔ انتہائی اذیتیں اور تکلیفیں اٹھاتا
ہے۔ ابوہل اور ابوسفیان وغیرہ مشرکین مکہ کے شدید سے شدید ظلموں کو
جھیلتا ہے مگر عشقِ الہی میں محو اور تبلیغِ اسلام میں مستغرق نظر آتا ہے۔

اور دشمنوں کے پھر برسانے کو گلہاری جانتا ہے اور راہِ خدا میں کانٹے بھرے راستوں کو پھولوں کی سیج سمجھتا ہے۔ طائف کی مصیبتیں جھیلتا ہے۔ مکہ کی اذیتیں اٹھاتا ہے۔ نہ مال و دولت کی چاہت ہے نہ جان کی پروا ہے۔ بندگان کی ہدایت کے شوق میں اپنے وطن عزیز کو چھوڑتا ہے۔ گھر بار سے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ سب کچھ گوارا کرتا ہے مگر اپنے محبوبِ خدا نے لاشریک اور اس کے دین کی تبلیغ و ہدایت سے منہ نہیں موڑتا۔ ما اذی نبیٰ مثل ما اذیت ذکونی نبی میری طرح اذیت نہیں دیا گیا) فرماتا ہے مگر قوم کی سختیوں اور شدتوں سے دل نہیں چھوڑتا۔ بیشک آدم تا خاتم کوئی عبد کوئی قوم کوئی ملت کوئی مذہب کوئی دین کسی اپنے ہادی اور رہبر اور نبی و رسول کو مقابلہ کے لیے پیش نہیں کر سکتا۔ جو رسولِ عربیؐ جیسا صداقت و حقانیت اور عشقِ الہی کا کامل مجسمہ ہوا اور جس نے اس رسولِ عربیؐ کی طرح تبلیغ و ہدایت میں گونا گوں مصیبتیں جھیلی ہوں۔ طرح طرح کی ذلتیں اٹھائی ہوں اور پھر ثابت قدم رہ کر زبانِ شکایت نہ کھولی ہو۔ بے شک جو صبر و ثبات اور توکل علی اللہ آنحضرتؐ سے ظہور میں آیا۔ وہ ایسا بے مثل و بے نظیر ہے کہ سرِ مہمور جلیے متعصب اور مخالفِ اسلام شخص کو بھی بجز مان لینے کے کوئی چارہ نہ ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

”پیغمبرِ اسلامؐ اس طرح سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے اور فتحِ مبین کے منتظر تھے اور ظاہر ایسے بابر و مددگار تھے اور ان کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے منہ میں تھا۔ تاہم ان کو اس قادرِ مطلق پر عبور نہ تھا جس کا رسولؐ وہ اپنے تئیں سمجھتے تھے اور ان کے پائے ثبات میں ایک سرِ مولغزش نہ ہوئی تھی۔ غرض اس عالمِ تنہائی میں وہ ایسے عالی مرتبہ اور جلیل الشان معلوم ہوتے ہیں

کتاب مقدس سادہ میں ان کا عذیل و نظیر کوئی دکھائی نہیں دیتا سو اسے
بنی اسرائیل کے نبیؑ کے جسے خداوند عالم سے یہ شکایت تھی کہ میں اکیلا
رہ گیا ہوں۔ (دیکھو لائف آف محمد ص ۴۸)

بلاشک اس نبی عربیؑ کی شان اس بنی اسرائیلی سے بھی بدرجہا بالاتر ہے۔ دیکھو
اس نبیؑ نے قوم کی سختیوں سے تنگ آکر اپنے رب سے اکیلے رہنے کی شکایت کی
مگر قربان اس نبی عربیؑ کے کہ یہ خدا کا عاشق، ہدایت کا دلدادہ شکایت کا ایک
لفظ تک اپنی زبان پر نہیں لاتا اور اپنے پروردگار کے حضور میں یہی عرض کرتا ہے
ربنا اهد قومی اھم لا یصلحون (خداوند! میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ یہ
جانتے نہیں)

رسولؐ کی شان صبر حسینؑ نے دکھائی: بے شک نور محمدیؑ کی جھلک
وہی تصویر دکھا سکتی ہے

جس پر اسی نور کا رنگ چڑھا ہوا ہو اور اس محمدی صبر و ثبات اور توکل علی اللہ کا نمونہ
وہی وجود دکھا سکتا ہے جو اسی کی آغوش رحمت کا تربیت یافتہ ہو اور جس نے اسی
کی زبان صداقت ترجمان کو چوس کر پرورش پائی ہو۔ بلاشک یہ اسی جگر گوشہ رب
کا کام ہے جو حسینؑ مستی و انامن الحسینؑ کی شان رکھنے والا ہو۔ لاریب
یہی وہ پاک ہستی ہے کہ جس نے کر بلا کی قربان گاہ میں عشق الہی کی کڑی منزلوں کو جھیل
کر نانا کی صداقت و عقانیت کے جلا سے دکھائے۔ بس یہی وہ ذات اقدس ہے
جس نے دین اسلام کی حفاظت و حمایت میں نانا کی طرح سخت سے سخت مصیبتیں
اٹھا کر خندہ پیشانی سے تیر و تگوار کے زخم کھا کر ناند کے سبہ مثل صبر و رضا اور بے لکیر

سہ اس نبیؑ بنی اسرائیل سے مراد حضرت الیاس ہیں جو بعل نامی بت کے پوجنے والوں کی ہدایت و
ارشاد کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اعجاز التنزیل ص ۸۲۔

تبلیغ و ہدایت کے نمونے دکھائے۔ میرے مکرم و محترم فاضل دوست قاضی محمد سلیمان صاحب نے اپنی کتاب *رحمۃ للعالمین*، جلد ۲۳۳ میں بذیل واقعات *سک ۷۷* حسین علیہ السلام کے بے مثل صداقت و حقانیت کے کارنامہ کا فوٹو نہایت جامع الفاظ میں لکھینچا ہے۔ جزا ہم اللہ خیر الجزا۔ تحریر فرماتے ہیں :-

”سک ۷۷ کے ماہ شعبان میں امام حسینؑ پیدا ہوئے جو عشرہ محرم *سک ۷۸* میں میدانِ کربلا میں نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان و مال و حرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ امام حسینؑ نے اس جنگ میں صبر و استقلال، رضا و کول، احقاقِ حق، اتباعِ صداقت کے ایسے نمونے دکھائے جن کی بغیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ نبیؐ کے فیضانِ تربیت کا اثر اور نتیجہ ہے رضی اللہ عنہ وعن سائر اتباعہ اجمعین۔“

وفات ابوطالب کے بعد: حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد بے روک ٹوک اور بے خوف و خطر ان

مشرکین قریش نے رسولِ عربیؐ کی انتہائی مخالفت شروع کی اور ناقابلِ بیان اذیتیں پہنچانے لگے جیسا کہ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں اور اپنے غم خواہ سرپرست اور پیارے چچا کو محبت سے یاد کرتے ہیں۔ ماناات منیٰ قریش شیئا اگرہ حتی مات ابوطالب (جب تک ابوطالبؑ زندہ رہے قریش مجھ کو ایذا نہ پہنچا سکے) طبری ج ۲ ص ۲۲۹ و استرالمطالب ص ۲۸ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۲۔

مدینہ میں تسلیغ: جب آفتاب رسالت کی کرنیں رفتہ رفتہ مدینہ پر پڑنے لگیں اور مدینہ کے شریف و مقتدر قبیلوں اوس و خزرج نے

تبلیغ محمدی کو قبول کیا اور مدینہ میں مسلمانوں کی جماعت بڑھنے لگی تو حکیم الہی کے مطابق رسول کریمؐ نے اپنے اصحاب و رفقا کی مختصر سی جماعت کو جو مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ گئے تھے مدینہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان دو دو تین تین کر کے یثرب کو چلے گئے۔ مکہ میں بادشاہ کونین کی خدمت میں صرف ان کے جان نثار بھائی حضرت علی مرتضیٰؑ اور آپ کے یار غلام حضرت ابوبکر باقی رہ گئے۔

دارالندوہ : جب قریش نے دیکھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی جماعت روز بروز ترقی پکڑتی جاتی ہے اور دین محمدی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے تو دارالندوہ (کمیٹی گھر) میں مشورہ کے لیے مجلس عامہ منعقد کی گئی اور سرداران قریش عتبہ، ابوسفیان، ابوالبحتری، ابوہل اور امیہ بن خلف وغیرہ جمع ہوئے۔ ایک بڑھا نجدی شیطان بھی اس مجمع شیطاں میں آکر شامل ہوا اور آنحضرتؐ (دل و جانم فدائے نامش باد) کے قتل یا قید کرنے کی تجویزیں پیش ہونے لگیں۔ آخر ابوہل کی پیش کردہ تجویز کے مطابق اس نجدی شیطان کی تائید پر یہ قرار پایا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب کیا جائے اور پھر یہ مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں کے ساتھ رسول عربیؐ پر ٹوٹ پڑے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس صورت میں بنی ہاشم قبائل کا مقابلہ بھی نہ کر سکیں گے اور بنو ہاشم کا بار بھی کسی پر نہ پڑ سکے گا۔ پس اس قرارداد کے مطابق ان شیطاں نے اسی روز غروب آفتاب کے بعد جھٹ پٹے میں آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے منہم ارادہ سے تلواریں لے کر خانہ رسالت کا محاصرہ کر لیا۔ خدائے جلیل نے اپنے حبیبؐ کو کافروں کی اس سازش سے مطلع فرما کر حکم دیا کہ بس اب آپ اپنے فدائی اور جان نثار بھائی علی مرتضیٰؑ کو اپنی چادر اٹھا کر اپنے بستر پر لٹا دو اور خود مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس فرمان الہی کی بموجب رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے

پس آج تم میری سبز چادر اوڑھ کر بے خوف و خطر میرے لیٹر پر لیٹو تاکہ دشمنوں کو یہ بھی گمان نہ رہے کہ میں اپنے لیٹر پر پڑا ہوں اور پھر صبح کو ان کافروں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو واپس دے کر ہم سے آملو۔ کامل ابن اثیر، جلد ۲ ص ۵۰۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۴۵-۴۶ و ۲۴۴ حال ہجرت رسولؐ ایضاً، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۵۔

ہجرت رسولؐ اور علیؑ کا فرش رسولؐ پر سونا: علی مرتضیٰؑ کو یہ ہدایتیں فرا کر مسند رسالت پر

لٹا کر اور اپنی سبز چادر اوڑھ کر توکل علی اللہ اطمینان کامل اور سکینہ و وقار کے ساتھ بخوف و خطر معبود حقیقی کی یاد میں سورۃ یسین کی آیہ مبارکہ وجعلنا من بین یدہم سداً ومن خلفہم سداً فاغشینا ہم فہم لا یبصرون (ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیوار بنادی اور ان کو اس طرح ڈھانپ دیا کہ وہ دیکھتے ہی نہیں) تلاوت فرماتے ہوئے ان کافروں کے پیچ میں سے اس طرح نکل گئے کہ کسی نے بھی نہ دیکھا گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیے ہوئے غار ثور میں جا پہنچے۔ جو مکہ سے تین

لے علامہ ابن جریر طبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور عالمؐ شب ہجرت گھر سے تنہا غار ثور تک تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ خود بلا ملائے راستے میں ملے ہیں ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ ص ۴۴۔ شب ہجرت کے واقعہ میں لکھتے ہیں ان ابی بکر اتی علیاً فسالہ عن نبی فاخبرہ انہ لحق بالغار من ثور وقال ان کان لك فیہ حاجتہ فخرج ابوبکر مسرعاً فلیق نبی اللہ فی الطريق فسمع رسول اللہ جرس ابی بکر فی ظلمۃ اللیل فحسبہ من المشرکین فاسرع رسول اللہ المشی فالقطع قبال لعلہ یفلق ابیہما مہم یجرف کثر دمہا واسرع السعی فحاث ابوبکر ان لیشق علی رسول اللہ فرفع صوتہ و تکلم فعرّفہ رسول اللہ فقام حتی اتاہ فالطلقا ورجل رسول اللہ تستن و ما حتی انتہی الی الغار فم الصبح فداخلاہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

میل کے فاصلے پر تھا۔ اور بقول مولوی شبلیؒ یہ مبارک غار اب تک موجود ہے اور بزرگوار
 خدائی ہے۔ "سیرۃ النبی ص ۱۹

مگر غالباً نجدی ظالموں کے ہاتھ سے اب تو اس غار کا نشان بھی باقی نہ رہا ہوگا
 اور اگر باقی ہوگا تو زائرین کو زیارت کی اجازت نہ ہوگی۔ دارالندوہ کی میٹنگ کے
 رکن اعظم اُس بد سے نجدی شیطان کی اس نجدی امت نے جہاں اور اسلامی مقبرہ ک
 یادگاروں کو مٹایا اور اپنے اسلاف کے بدلے باقی اسلام اور بزرگان دین کی یادگاروں
 اور مرقدوں سے نکالے ہیں وہاں یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اس تاریخی یادگار کو بھی
 ظالموں نے مٹا دیا ہوگا۔

غرض ادھر تو رسول الہی تشریف لے گئے۔ ادھر یہ شیطانی گروہ کفار مکہ کا سرکار
 دوعالم کو قتل کرنے کے ارادہ سے تلواریں سونٹے خانہ رسالت کو گھیرے کھڑے ہیں
 اور سمجھتے ہیں کہ آنحضرتؐ گھر کے اندر سو رہے ہیں مگر وہیں بجائے رسولؐ نفس رسولؐ
 ایمان کامل کا مجسمہ اور محبت و وفا کا پتلا جان نثار بھائی خدا کا ولی علی بن ابی طالبؑ

(یعنی حاشیہ صفحہ گزشتہ) بحقیق ابوبکرؓ علیؓ کے پاس آئے۔ نبیؐ کی دریافت کیا۔ علیؓ نے فرمایا آنحضرتؐ
 تو غارِ ثور کو تشریف لے گئے اور علیؓ نے فرمایا کہ اگر تم کو حاجت ضروری ہے تو ان سے جا ملو۔
 پس ابوبکرؓ تیز روی سے روانہ ہوئے اور رسول اللہؐ سے راستے میں مل گئے۔ رسول اللہؐ نے اندھیری
 رات میں ابوبکرؓ کے پاؤں کی آہٹ سن کر خیال فرمایا کہ مشرکین میں سے کوئی پیچھے آتا ہے تو رسول اللہؐ
 نے بھی اپنی رفتار کو تیز فرمایا۔ جلدی جلدی پہنچنے سے آپؐ کی لعل مبارک کا قسمہ لوٹ گیا۔ پاسے
 مبارک کا انگوٹھا پتھر لگ کر زخمی ہو گیا۔ خون بہت جاری ہوا۔ آنحضرتؐ نے رفتار میں اور جلدی
 فرمائی۔ ابوبکرؓ خوف ہوا کہ رسول اللہؐ پر شاق ہوگا اپنی آواز بلند کی اور کلام کیا۔ پس رسول اللہؐ نے
 پہچانا اور چھڑ گئے۔ ابوبکرؓ پہلے پھر دونوں آگے کو چل پڑے اور رسول اللہؐ کے پائے اقدس سے
 خون جاری تھا۔ صبح کے قریب غار تک پہنچے اور داخل غار ہوئے۔

محبوب الہی کا فدیہ بنا ہوا ہے۔ رسول الہی کی چادر اور طے بستر رسولؐ پر لپیٹا عشق محمدی کے جلوے اور محبت الہی کے کرشمے دکھارہا ہے۔ ایثار و وفا کے پھل مہکارہا ہے۔ شجاعتِ علویہ کے جوہر چمکارہا ہے۔ بلا خوف و خطر بے دھڑک بے کھٹکے سوراہا ہے۔ خدائے جلیل عرشِ علا پر مہابت فرما رہا ہے اور ملائکہ کو حکم دے رہا ہے کہ جاؤ اور اس سونے والے کو ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ (ایسے بھی لوگ ہیں جو مرضی الہی کی خواہش میں اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں) کی لوری سناؤ۔ جبریل و میکائیل پائنٹی سرہانے کھڑے پنج پنج لک یا بن ابی طالب ان اللہ یشاہی بک علی الملائکہ (مبارک ہو مبارک اے ابی طالب کے بیٹے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس جاں نثاری سے ملائکہ پر اظہارِ مہابت کرتا ہے) کی صدا میں دے رہے ہیں۔ دیکھو احیاء العلوم غزالی - ارجح المطالب ص ۷۷ - حلیہ حافظ ابو نعیم ثعلبی - در منثور سیوطی ص ۷۷ - تفسیر کبیر رازی جلد ۲ ص ۲۸۳ - اسد الغابہ علامہ ابن اثیر جزری - تاریخ احمدی ص ۲۵ - تاریخ خمیس دیار بکری جلد ۱ ص ۳۶۶ - مدارج النبوة جلد ۲ ص ۷۷ - وسیلۃ النجاة ص ۷۷ - معارج النبوة رکن چہارم ص ۳ - تذکرہ خواص الامہ ص ۷۱ - ینابیع المودۃ ص ۹۲ - فصول المهمہ ابن صباغ مالکی ص ۳۳ - تذکرہ سبط بن جوزی ص ۷۱ - نور الابصار شلتنجی ص ۱۲۸ - ۱۲۹ -

شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں "پس بود رضی اللہ عنہ بختن کسیکے فروخت و فدا کر دے نفس خود را در راہ محبت رسول خدا آیت کریمہ ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ واللہ یردہم بمرحۃ بالعباد دریں باب نازل شد"

امام غزالی کا بیان : لیلتہ بات علی بن ابی طالب علی فریق رسول اللہ اوحی اللہ تعالیٰ الی جبرئیل و میکائیل انی اخیت

بینکما وجعلتُ عمر احدکما اطول من عمر الآخر فایکما یوشر صاحبه
 بالحیاء فاختار کلاهما الحیوة واحتباها فادخی الله تعالی الیہما افلا کنتما
 مثل علی بن ابی طالب حین اخیت بینہ و بین محمد بنات
 علی فراشہ لیتدیہ بنفسہ ویوشرہ بالحیوة اھبطا الی الارض
 فاحفظاہ عددہ وکان جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلہ
 ینادی ویقول یخرج من مثلک یا بن ابی طالب یا ہی اللہ ربک
 الملائکۃ فانزل اللہ عن وجہ ومن الناس من یشری نفسه بمتاع
 مرضات اللہ واللہ رکت بالعباد (اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ والحفاظ ابو نعیم
 فی الحلیۃ الرجح المطالب منک) یعنی شبہ ہجرت جب علیؑ لہجرت رسولؐ پر سوسے میں تو خدا
 نے جبرئیلؑ و میکائیلؑ کو وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو بھائی بھائی بنایا ہے مگر ایک
 کی عمر زیادہ ہے اور دوسرے کی کم ہے۔ پس کون تم میں سے ایسا ہے کہ اپنی عمر کا حصہ
 دوسرے کو دے دے اور دوسرے کی حیات کو اپنے پر بطور ایثار تہہ جج دے۔ پس
 دونوں نے اپنی اپنی زندگی ہی کو دوست رکھا۔ تب خدا نے فرمایا تم دونوں علیؑ جلیے
 کیوں نہیں ہوتے۔ دیکھو ہم نے علیؑ اور محمدؐ کو بھی بھائی بھائی بنایا۔ پس دیکھو علیؑ
 رسولؐ پر اپنی جان قربان کرتا ہے۔ ان کے لہجرت پر سوتا ہے۔ ان کی حیات کو اپنی
 زندگی پر اختیار کرتا ہے۔ ان کی جان کو اپنی جان سے زیادہ پیارا جانتا ہے پس
 تم زمین پر جاؤ اور علیؑ کی حفاظت اس کے دشمنوں سے کرو۔ جبرئیلؑ آکر علیؑ کے
 سر پر ہاتھ رکھے ہوئے اور میکائیلؑ پائنتی، اور کہتے تھے مبارک ہو اسے ابو طالبؑ
 کے بیٹے کوں ہے تمہارا مثل کہ خدائے جلیل تم پر ملائکہ کے مقابل مہمانت فرماتا ہے
 اور اس کے بعد یہ آیہ مبارکہ نازل فرمایا

ہجرت رسولؐ کے حالات اور علی مرتضیٰؑ کی اس بے مثال جان نثاری کے واقعہ

پیدا و علیؑ کے بے نظیر ایمان و ایقانِ کامل کی تصدیق میں مسلم و غیر مسلم دوست و دشمن مؤرخین و مصنفین نے قلم فرسائیاں فرمائی ہیں اور فی الحقیقت علیؑ کی سچی مدح و ثنا کے راگ گائے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو مولوی شبلی سیرۃ النبی ص ۱۹۴ پر تحریر فرماتے ہیں:-

”رسول اللہؐ سے قریش کو حد درجہ عداوت تھی۔ تاہم آپ کی دیانت

پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسبابِ امانت رکھنا ہوتا تھا آپ

ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں

جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر

جناب امیر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ کو

روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب

امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیر کو

معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول

اللہؐ کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاریخِ خیر کے لیے قتل گاہ

فرشِ گل تھا۔“

مسٹر گین عیسائی مؤرخ اپنی مشہور تاریخ ”ذوال سلطنت روم“ میں اس واقعہ ہجرت

کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:-

”اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے مگر وہ دھوکے میں آ کر

علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسولؐ کے بستر پر اسی کی سبز چادر اوڑھے

ہوئے سو رہا تھا۔“ پھر کہتا ہے:-

ملہ نبی کا جانشین وہ شخص ہونا چاہیے جو نبی سے اتنا مشابہ ہو کہ لوگوں کو پہچاننے میں دھوکہ

ہو جاتا ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے من کان خلف النبی فهو أشبه بالنبی (نبی کا

جانشین و خلیفہ وہی ہوتا ہے جو نبی سے بہت زیادہ مشابہ ہو) علیؑ سے زیادہ کنِ مشابہ رسولؐ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

”صرف خاندان قریش ہی کے لوگوں نے اس جوان ہیرو کے اس اعلیٰ درجہ کے کام کو جس سے ثابت ہو گیا کہ اس کے دل میں اپنے چچا زاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابلِ قدر خیال نہیں کیا بلکہ خود اس کے چند استعارہ جو اب تک مشہور ہیں اس قوی یقین کی جو اس کو اپنے چچا زاد بھائی کے باب میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہیں۔“

پھر رسول اللہ اور ابو بکر کے تین روز تک غار میں چھپے رہنے کا ذکر کر کے لکھتا ہے :-

”قریش کے لوگوں نے محمدؐ کی تلاش میں مکہ کی تمام نواح بھجان ڈالی اور اس غار پر پہنچے جس میں وہ اور اس کا ساتھی چھپے ہوئے تھے مگر یہ خیال کیا جلتا ہے کہ مکہ کی کئی کئی جگہ اور کبوتر کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کو دھوکا دینے کے لیے پیدا کر دیا تھا ان کو یہ یقین دلایا کہ اس جگہ کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی دہاں آیا ہے۔ ابو بکر نے خوف سے کانپ کر کہا ہم تو صرف دو ہی ہیں مگر محمدؐ نے کہا نہیں ہمارے ساتھ ایک تمبیرا بھی ہے اور وہ خداوند تعالیٰ ہے۔“

اسی واقعہ کی طرف خدا نے اپنے کلام پاک میں اس طرح ارشاد فرمایا۔ فقد نصرہ اللہ اذا خرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذہما فی الغار اذ یقول

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ تمام رات کفار قریش کو ان پر رسولِ خدا کا گمان ہوتا رہا۔ علیؑ کی ذات بھی عجیب ذات تھی۔ نصیریوں کو خدا کا دھوکہ ہوا۔ کفار قریش کو رسالت کا۔ اللہ نے ان کو دلی بنایا، رسولِ خدا نے مولیٰ بنایا، اولیٰ بنایا۔ مجسم ایمان بنایا۔ علیؑ کا نفس وہ نفس تھا کہ شبِ ہجرت خدا نے اپنا بنایا اور مباہلہ میں رسولؐ نے اپنا۔

لصاحبہ لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سكينته عليه (خدا نے اپنے رسولؐ کی مدد کی جب کافروں نے اس کو نکال دیا جب وہ غار میں تھے تو دو میں کے دوسرے تھے پس وہ اپنے ساتھی سے کہتے تھے، غم نہ کر بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے اور خدا نے اپنے سکینہ کو اس پر یعنی پیغمبرؐ پر نازل کیا)

جناب امیرؑ کے اشعار جن کا اشارہ گبن نے اپنے بیان میں کیا ہے تاریخ التواریخ کے علاوہ تاریخ خمیس جلد ۲۶۷ مدارج النبوة ص ۴۷، مدارج النبوة رکن ۴ ص ۳۔ نور البصار مؤمن شیعہ ص ۲۹-۱۲۸۔ فصول المہمہ ص ۳۷۔ تذکرہ خواص الامہ۔ روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ صاحب تاریخ خمیس مشبہ ہجرت علیؑ کے فریق رسولؐ پر سوتے کے واقعہ کو لکھ کر تحریر کرتے ہیں۔ والشاء علی فی بیوتہ فی بیت نبیؐ ہذہ الابیات۔ (علیؑ نے رسولؐ خدائے گھر میں بستر رسولؐ پر سوتے ہوئے ان اشعار کو الشاء فرمایا ہے) ہم بھی امیر المؤمنین علیہ السلام کے ان اشعار صداقت شعار کو مع اس منظوم ترجمہ کے جو میرے عم بزرگوار مرحوم و مغفور جناب وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر نے اردو میں نظم فرما کر اپنی کتاب اعجاز التنزیل میں درج فرمائے ہیں۔ بہجت طبع ناظرین کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں :-

اشعار امیر المؤمنین علیہ السلام

وقیت بنفسی من وطی الحصلی ومن طاف بالبيت العتیق وبالبحر
”میں نے اپنی جان کے عوض اس عالی مرتبہ شخص کو بچایا جو پاؤں سے
کنکریوں کے روندنے والے اور خدا کے پرانے گھر اور حجر اسود کے
طواف کرنے والوں میں سب سے افضل ہے۔“

رسول اللہ خاتم الانبیاء و المرسلین
 "خدا کے رسول کو اندیشہ ہوا کہ دشمن اس کو ستائیں گے پس خدا نے
 جو بڑی قدرت والا ہے اپنے پیغمبر کو ان کے شر سے بچا لیا۔"
 فیات رسول اللہ فی القارۃ حبشاً موقناً وفی حفظ اللہ وفی ستر
 "پس رسول اللہ نے قارہ میں امن سے وہ رات گزار دی۔ دشمنوں سے
 بچے رہے اور خدا کی حفاظت اور اس کے حجاب قدرت میں امن و امان
 حاصل کی۔"

وقام ثلاثاً ثم زمت قلاہیں قلاہیں تضرین المحصى بالضر
 "تین دن وہاں ٹھہرے، پھر راتوں کو ہماری دی گئیں جو ایسے تیز رفتار
 سبک رو تھے کہ ہر طرف پتھروں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے۔"
 وبث اراعیہم وما یثبوتن فقد وقیت نفسی علی القتل لا مہر
 "اور میں نے دشمنوں کے محلے کے انتظار میں رات کا پیٹ کر دیا ہے
 زخمی و گرفتار نہ کر سکے کیونکہ بے شبہ قتل و قید سے نہ ڈرنا میری
 جہلی عادت ہے۔"

امحدث بہ نصر اللہ تبسلاً فاضمرتہ حتی اوسد فی القبر
 "یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض دین خدا کی امداد کی نیت سے کیا ہے
 اور آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے جب تک کہ قبر میں تکیہ لگا کر لیٹوں۔"

ترجمہ اشعار بالا

(منقول از کتاب ابحار التنزیل ص ۹۳)

بنا کر ڈھال میں نے اپنی جاں کو بچایا بادشاہ انس و جاں کو

شرف حاصل ہے جس کی آستان کو
 ہوا جب خوفِ جاں اس جاں جاں کو
 نہ دشمن پاس کے اس کے نشان کو
 پکارا اس نے اپنے سارباں کو
 کھلتے کنکر اور ریگِ روانی کو
 فدا ان پر سے کر کے اپنی جاں کو
 بچالوں پر رسولِ انس و جاں کو
 سمجھتا تھا نہ کچھ قیدِ گراں کو
 کہیں صدمہ نہ پہنچے ان کی جاں کو
 نہ تھا مقصود کچھ مجھ ناتواں کو

وہ خیرالحاج خود کعبہ پہ الحق
 خدا نے فضل سے اپنے بچایا
 گزارا رات کو حفظِ حنایا
 نکل کر غار سے پھر تین دن بعد
 ہوئے تاقے سوئے بثر ب روانہ
 میں سویا شب کو بستر پر نبیؐ کے
 یہ تھا دل میں کہ جاں جائے تو جلے
 نہ تھا غم مجھ کو اپنے قتل ہی کا
 ولیکن فکر تھا مجھ کو تو یہ تھا
 بجز تائیدِ حق اس جد و کد سے

اور آگے کو بھی قصد اپنا ہی ہے

کہ کر دوں صُرف اُسی میں اپنی جاں کو

بے شک اس ایمان و قار کے کامل مجاہد نے جو ایثارِ نفس صبر و رضا، صدق و دلا
 ثبات قدم اور ایمان و ایقانِ کامل کے جلوے دنیا کو دکھائے نہ وہ کسی وصی سے
 ظاہر ہوئے نہ کسی ولی سے۔ بقول مولانا روم رحمہ اللہ "افتخارِ تہر نبی و ہر ولی" علی
 ہی تھے۔

میرے عمِ معظم جناب وزیر الدولہ بہادر علی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب اعجاز التزیلی
 میں اس مطلب کو بھی نہایت خوب بیان فرمایا ہے جس کو ہم مناسب مقام سمجھ کر ذیل
 میں درج کرتے ہیں۔

علیؑ کی جاں نشاری کا تقابل عواری علیؑ سے : جناب مرتضوی
 سے جو ایمان و

ایقان اور صبر و سکینہ اور تسلیم و توکل اور جرأت و ہمت اور شجاعت و
 شہامت کا اظہار اس موقع پر ہوا وہ ایسا حیرت انگیز اور نرالی طور
 کا ہے کہ اس کی نظیر امت اسلامیہ میں تو کیا امتِ مسیحیہ اور دیگر امتوں میں
 بھی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ مقدس فطرس نے جو مسیح علیہ السلام کے حوالہ
 میں سب سے افضل گئے جاتے ہیں ان کے گرفتار کیے جانے کی رات
 کو بڑے دعوے کے ساتھ یہ کہا تھا کہ اگر تیرے سب ٹھوکر کھائیں تو میں
 کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا اور یہ کہ تیرے ساتھ اگر مجھے مرنا بھی پڑے تو
 بھی تیرا انکار نہ کروں گا اور ایسا ہی اور مریدوں نے کہا تھا جیسا
 کہ انجیل متی کے پچیسویں باب میں ہے مگر کم بخت جان ایسی پیاری اور
 عزیز شے ہے کہ خوف کی آہٹ پاتے ہی سب کے سب جناب
 مردوح کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ وہ مقدس فطرس جس
 کی بابت کہا جاتا ہے کہ مردوح کو جلاتا اور پانی پر چلتا تھا جب امتحان
 کا وقت آیا تو عیاذاً باللہ جناب موصوف پر لعنت کرنے اور قسم
 کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔

جیسا کہ انجیل مذکور کے اس باب کی چوتھویں آیت میں ہے اور بات بالکل ٹھیک
 نکلی جو اس مظلوم رسول نے اسی رات کو ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمائی تھی کہ ”دعا
 مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو۔“ فی الواقع امتحان ایسی ہی مشکل چیز ہے کہ بجز ان نفوس
 قدسیہ کے جن کے دل سکینہ الہی (جس کا دوسرا نام روح القدس ہے) تھا ہے رکھے۔
 بڑے سے بڑے لوگوں کا قدم بھی ڈگمگا دیتا ہے مگر ہمارے عیسائی دوست
 شاید یہ کہیں کہ اس وقت تک فطرس روح القدس کے فیضان سے مستفیض نہ ہوا
 تھا لیکن مقدس پطرس کو کیا کہیں گے جس کو بقول ان کے حضرت مسیحؑ نے خود ظہور فرما کر

فیضان روح القدس پہنچا یا تھا اور جو باوجود اس کے جان کے خوف سے ٹوٹ کر میٹھے
 کر شہر و مشق کی تفصیل پر سے کود گیا تھا جیسا کہ رسالہ اعمال کے نویں باب کی
 تئیسویں، چوبیسویں، پچیسویں آیتوں اور خود مقدس موصوف کے کائناتیوں کے دوسرے
 خط کے گیارہویں باب کی بتیسویں اور تئیسویں آیت میں ہے اور بیچارے تو درکنار حضرت
 محمد بن عبداللہ کے حواری سے جو کام نہ آیا وہ تو بڑے سے بڑے نبیوں کا سا کام تھا
 یعنی ایسے نبی کا جو اپنی خوشی سے ہاتھ پاؤں بندھوا کر خدا کی راہ میں گلا گھونٹنے پر راضی
 ہو گیا تھا لیکن سچ پوچھو تو اس کا بھی یہ فعل اس فخر آبا و اجداد پوٹے کے فعل کا ہم پایہ
 نہ تھا کیونکہ اگرچہ وہ پیغمبر تھا مگر اس وقت نا تجربہ کار لڑکا تھا اور ذبح ہو جانے کی
 ہمت سے بھی واقف نہ تھا اور ذبح کرنے والا خود اس کا باپ تھا جس سے طبعاً رحم
 کی توقع ہو سکتی تھی بخلاف ابوطالب کے بیٹے کے کہ اس وقت تئیس برس کا لڑکا تھا
 اور ہر ایک امر کے نیک و بد کو بخوبی سمجھ سکتا تھا اور دشمنوں نے کسی رعایت اولاد ہم کی بھی
 اس کو توقع نہ تھی اور جنگ و جہاد کی بھی اجازت نہ تھی جو لڑ بھڑ کر شاید بچ نکلتا
 پس ایسی حالت میں اس کا اپنے پیغمبر کے ارشاد اور اپنے خدا پر بھروسہ کرنا اور بغیر
 کسی قسم کے تردد کے دشمنوں کے زور سے میں باطمینان تمام نبی کی چادر اوڑھ کر سو رہنا
 اور پھر تین دن اور رات علانیہ دشمنوں میں آمد و رفت رکھنا اور پھر نہایت سخت و
 شدید گرمی کے موسم میں کئی سو میل تک یکہ و تنہا دشمنوں کے ملک میں پا پیادہ سفر کرنا
 ایک قطعی دلیل اس بات کی ہے کہ کلام الہی کے داعی نے مومنین کے دلوں کو (جن
 کی امارت و سرداری کا خطاب واجب طور سے اس خدا کے ولی کو حاصل ہوا) روح
 القدس کے فیضان سے معمور کر دیا تھا اور اس روحانیت کی وجہ سے جو قرآن کی معجزانہ
 تاثیروں نے ان کے دلوں میں پھونک دی تھی۔ حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں اس دنیا کی
 زندگی ان کی نظروں میں نہایت حقیر و ناہمیز دکھائی دیتی تھی اور بیشک یہ العام الہی

انفراد تک اس کے ساتھ رہا اور یقیناً آخرت میں بھی اس نورانی صورت میں ان کے آگے آگے اور داہنے ہاتھ پر ہوگا جس کی قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے **وَلَيَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَسْعَىٰ** لیثری لکھ۔ **الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْعُفُورُ الْعَظِيمُ** یعنی اے ہمارے رسول! اس دن کو دھیان میں لاؤ جبکہ تم دیکھو گے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو کہ ان کا نور (ایمان) جلد جلد ان کے آگے اور داہنی طرف چلتا ہوگا (اور فرشتے ان سے کہیں گے) خرورہ ہو تم کو آج کے دن تمہارے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ تم ان میں ہمیشہ رہو گے (دیکھو) یہی تو سب سے بڑا مراد کا ملنا ہے۔ " **اجازہ التنزیل ص ۹۵-۹۶**۔

غارِ ثور: مختصر یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ تین روز تک غارِ ثور میں قیام پذیر رہے حضرت ابوبکر کی بیٹی اسما رکھنا پہنچاتی تھی۔ تین روز کے بعد جب

اے اگرچہ اکثر مؤرخین و مفسرین نے حضرت رسالتا کی حضرت ابوبکر کو مدینہ ہی سے ساتھ لینا درج کیا ہے مگر علامہ سیوطی کی مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر بعد کو تشریف لے گئے اور راستے میں سعادتِ قدموسی حاصل کی۔ چنانچہ تفسیر و روشور جلد ۳ سورۃ توبہ منکلا میں اس واقعہ کو ابن عباس کی زبانی یوں درج کیا ہے۔ **قال لما خرج رسول الله من الليل يحمي بغار ثور قال تبعه ابوبكر فلما سمع رسول الله حبة خلفه خاف ان يكون الطلب فلما بائى ذلك ابوبكر عند تنحيم فلما سمع ذلك رسول الله عرفه فقام له حتى تبعه فأتيا الغار فاصبحت القریش في تبعه فبعثوا الى رجل من بنی مذبج فلبع الاشر حتى انتهى الى الغار وعلى بابہ شجرة فيا قال فاصلها فالتفت ثم قال ما جاز صاحبكم الذي تطلبون هذا المكان قال (باقی بر صفحہ آئندہ)**

قریش کا شور و شر کم ہو گیا اور رسول کریم کی تلاش و جستجو دھیمی پڑ گئی تو آنحضرت غار

دلیہ (یا شیعہ صغیر گزشتہ) فعند ذلک حزن ابوبکر قال لہ رسول اللہ لا تحزن ان اللہ

معنا قال فمکث هو والابوبکر فی الغار ثلاثہ ايام مختلف الیہم بالطعام

عامر بن فہرہ وعلیؑ بتجہیزہم فاشتری ثلاثۃ یا عید من اہل

البحرین واستاجرہم دلیلاً فلما کان لبعض اللیل من اللیلۃ الثالثۃ

اتاہم علیؑ بالابل والدلیل فربک رسول اللہ سراحلتاً و مرکب ابوبکر

اخری فتوجہوا نحو المدینۃ۔ یعنی جب رسول اللہ رات کو گھر سے

نکلے اور غارِ ثور پر پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب رسول اللہ

نے حضرت ابوبکر کے پیچھے آنے کی آہٹ معلوم کی تو خوف کیا کہ دشمن پیچھے آ رہے

ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اس خوفِ رسول کو محسوس فرمایا تو کھنکھارے۔ پس جب

رسول اللہ نے ان کی آواز سنی تو پہچان لیا اور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ حضرت

ابوبکر اور آنحضرت دونوں غار کو تشریف لے گئے۔ قریش تلاش میں نکلے اور قبیلہ بنی مدعج

سے ایک سراغ رسال (کھوجی) کو ساتھ لیا (یعنی ایک ایسے شخص کو جو نشانِ قدم پہچاننے

میں ہمارے رکھتا تھا) پس وہ نشانِ قدم پر چلا اور فار تک پہنچ گیا جس کے دروازہ پر ایک

درخت اگا ہوا تھا۔ اس درخت کی جڑ میں کھوجی نے پیشاب کیا اور کہا کہ جس کی تلاش میں

تم ہو وہ اس مکان سے آگے نہیں گیا۔ اس آواز کو سن کر حضرت ابوبکر بے حد غمگین و محزون ہوئے

تو رسول اللہ نے فرمایا غم نہ کھاؤ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آنحضرت اور ابوبکر تین روز

تک غار میں مقیم رہے اور ان ایام میں عامر بن فہرہ کھانا لے کر آتا تھا اور علیؑ سامانِ سفر کا انتظام

فرماتے تھے پس حضرت علیؑ نے بحرین کے اونٹوں میں سے تین اونٹ خرید فرمائے اور ان کے لیے

ایک دلیل یعنی رہبرِ ہجرت پر مقرر کیا جبکہ تیسری رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو علیؑ اونٹ لے کر آئے

پس آنحضرت اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور ابوبکر اپنے پر اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔

بہت عظیم الشان درخت بن گیا تھا اور بڑے بڑے پھل لگے ہوئے تھے جو مزے میں شہد سے زیادہ میٹھے اور خشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار۔ بھوکا کھا کر سیر ہو جاتا تھا پیاس کی پیاس بجھ جاتی تھی۔ پانی پینے کی ضرورت نہ رہتی۔ بیمار کھاتا تندرست ہو جاتا۔ اس درخت کے پتے جس اونٹنی اور بکری کو کھلائے جاتے ان کا دودھ بہت زیادہ ہو جاتا تھا۔ ہم نے اس درخت کا مبارکہ نام رکھا تھا۔ بیمار لوگ گرد و نواح سے اس سے شفا پانے کے لیے آئے تھے۔ یہ حالت ایک عرصہ تک برابر جاری رہی یکا یک ہم نے ایک دن صبح کو اٹھ کر جو دیکھا تو اس درخت مبارکہ کے تمام پھل گر گئے اور پتے بہت چھوٹے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ہم رونے لگے اور ہم کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد تیس سال تک یہی حالت رہی پھر تیس سال کے بعد پھر اس کے پھل ایک روز گر گئے اور اس کی تروتازگی بالکل مفقود ہو گئی۔ درخت خشک ہو گیا۔ پھل آنے بند ہو گئے پس اس کے پتوں سے ہی ہم لوگ فائدہ اٹھاتے رہے مگر ایک زمانہ کے بعد ہم نے ایک دن یکا یک دیکھا کہ اس درخت کی ٹہنیوں اور خشک پتوں سے تازہ خون بہہ رہا ہے۔ سب پتے گر گئے اور درخت بالکل خشک ہو گیا۔ ہم روتے اور جرز فرج کرتے تھے۔ اس وقت ہم کو خبر لگی کہ حسین ابن علیؑ کر بلا میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (نیز نور الابصار شلنجی ص ۲۵ و ۲۶)

شب ہجرت کفار کا علیؑ سے تعرض: اس طرف مکہ میں جب صبح کو قریش بجائے رسولؐ، انصاریؐ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ متحیر ہو کر پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں فرمایا، کہ تم نے میرے سپرد کیا تھا جو پوچھتے ہو: تم ہی لوگوں نے آنحضرتؐ کو نکالا۔ پس وہ تشریف لے گئے۔ یہ سن کر ان بندہ بختوں نے علیؑ کو پکڑ کر مارا اور حرم کعبہ

میں کچھ عرصہ قید رکھ کر چھوڑ دیا (تاریخ طبری جلد ۳۲۵ - تاریخ کامل جلد ۲ ص ۴۹ -
رحمۃ للعالمین وغیرہ) مگر ائمہ اہل بیت کی روایات سے صرف اسی قدر پایا جاتا ہے
کہ قریش مکہ علیؑ سے دریافت کر کے چلے گئے۔

ادائے امانات کے بعد سفر: علیؑ تین رات دن نہایت دلیرانہ طور پر
دشمنوں کے درمیان مکہ میں ٹھہرے رہے
اور حکم رسولؐ کے مطابق امانتیں جو رسول اللہؐ کے پاس تھیں ان کو واپس دیں
اور پھر اس سخت و شدید گرم موسم میں جو بقول کائنات ذی پر سوال موتخ کے جون کا
ہمینہ تھا، ان پتھر لیے اور سنگلاخ راستوں کو طے فرما کر سفر کی صعوبتیں اٹھاتے طرح
طرح کی تکلیفیں جھیلتے ہوئے پاؤں سے جن میں چھابے پڑے ہوئے تھے
رسولؐ خدام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضرتؐ کو یہ معلوم ہوا کہ علیؑ پاؤں کی
تکلیف سے چل نہیں سکتے ہیں تو خود علیؑ کے پاس تشریف لے آئے۔ علیؑ کی یہ حالت
دیکھ کر دل بھر آیا۔ گلے سے لپٹا لیا اور رو کر لعابِ دہن لگایا۔ خدائے جلیل نے
اپنے حبیبؐ کے لعابِ دہن کی برکت سے تمام تکلیفوں کو دور فرما دیا اور علیؑ
رسولؐ خدام کے ساتھ ہی قبائیں رہے (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۰ - تاریخ خمیس
جلد ۱ ص ۳۸ - مدارج ص ۸۰ - ابن خلدون ص ۱۵۰ وغیرہ - ارج المطالب ص ۴۰ و ص ۴۱ -
اندرجہ احمد والنسائی - ابن اثیر جزئی، اسد الغابہ)

مسجدِ قبا کی تعمیر: رسول کریمؐ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے جو کام کیا وہ
مسجدِ قبا کی تعمیر تھا۔ یہی وہ اسلام کی مبارک مسجد ہے
جس کو رسولؐ عربی نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تعمیر فرمایا ہے۔ آنحضرتؐ خود بنفسِ نفیس
مردوں اور عورتوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کرتے اور سب کے ساتھ مل کر
مسجد کی تعمیر فرماتے ہیں۔ بڑے بڑے بھاری پتھر اٹھا کر لاتے ہیں۔ جسم مبارک خم ہو

جاتا ہے۔ جانثار مسلمان بڑھ کر عرض کرتے ہیں۔ ہمارے ماں باپ فدا ہوں، حضور
 چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔ حضرت ان کی درخواست پر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس
 وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے ہیں۔ یہی وہ مسجد قبا ہے جس کی شان میں خدا نے جلیل نے
 قرآن میں فرمایا ہے لَسَجْدًا اُمَیْسَ عَلٰی التَّقْوٰی مَن اَقْلَ یَوْمِ اِسْحٰقِ اَن
 لَتَقُوْمَ فِیْہِ (وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ و پیمبر گاری پر رکھی گئی
 ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو) اس مسجد قبا کی تعمیر کے متعلق
 شاہ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”اہل قبا التماس نمودند کہ مسجد سے برائے الیثاں بنا فرمائیے۔ اشارت
 بصحابہ کرام کرد و فرمود یکے از شاہدین ناقہ من سواد شود دیگر داند۔ ابو بکر
 صدیق برخواست و بر پشت ناقہ نشست۔ بعد از دوسے عمر فاروق سوار
 شد نیز برخواست بعد ازاں علی مرتضیٰ برخواست ہیں کہ پاسے در رکاب
 آورد ناقہ بر حبت فرمود زمام اورا را کن کہ دوسے امور است کہ برگردد
 برجلے کہ مقصود است۔ پس آنجا کہ ناقہ گردید مسجد قبا بنا فرمود۔“
 د یعنی قبا کے لوگوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے لیے
 مسجد تعمیر فرمادی جائے۔ حضور نے صحابہ کرام کی جانب اشارہ کر کے
 فرمایا تم میں سے ایک شخص میرے ناقہ پر سوار ہو کر گردش دے۔ حضرت
 ابو بکر صدیق اٹھے، ناقہ پر سوار ہو کر چلانا چاہا مگر ناقہ نہ اٹھا۔ ان کے
 بعد حضرت عمر نے سوار ہو کر کوشش فرمائی کہ ناقہ کو چلائی مگر وہ بھی
 ناکامیاب رہے۔ ان کے بعد علی مرتضیٰ اٹھے۔ بول ہی پاسے مبارک
 رکاب میں رکھا فوراً ناقہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رسول خدا ص نے فرمایا باگ چھوڑ
 دو۔ ناقہ مامور ہے۔ خود جہاں کا حکم ہے وہیں گردش کرے گا تا آخر ہیں

جگہ پر وہ ناقہ ٹھہرا اسی مقام پر مسجد قبا تعمیر کی گئی۔“

صاحب تاریخ خمیس نے بھی اس روایت کو جابر بن عمرہ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے
دیکھو تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۸۱ اور تاریخ احمدی ص ۳۔

مورخین اور اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت رسول خدا نے قبا میں چار روز قیام
فرمایا تھا مگر صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ چودہ روز قیام رہا اور یہی
قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا انتظار فرمانا اور پھر حضرت علیؑ
کا پہنچنا اور نیز تعمیر مسجد قبا کی تکمیل یہ سب کام چار روز کے قلیل عرصہ میں بعید از قیاس
نظر آتے ہیں۔

قباء میں مدینہ کے دن و مرد اپنے پیار سے نبی محبوب الہی کی زیارت کو جوق جوق
تکبیروں کی آوازیں بلند کرتے خوشی کے نعرے لگاتے آتے تھے اور ستاروں کی طرح
اس قمر رسالت کو گھیر لیتے تھے۔ آفتاب نبوت مجمع اصحاب میں جلوہ افروز ہوتا تھا
جب نماز آفتاب زیادہ ہو جاتی تھی تو دھوپ سے حفاظت کے لیے حضرت
ابوبکر چادر تان کر سایہ کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اب آفتاب رسالت کی کرنیں منزل قبا
مدینہ میں آنحضرتؐ کا درود: سے اٹھ کر مدینہ میں پڑتی ہیں۔ رحمت

الہی کا بادل قبائے اٹھتا ہے اور مدینہ پر برستا ہے۔ رحمۃ للعالمین کا نزول
اجلال مدینہ میں ہوتا ہے۔ عقیدت مند اصحاب کا مجمع جلو میں ساتھ ساتھ ہے۔
نور الہی کی چھوٹ پڑ رہی ہے۔ مشتاقانِ دیدار کی صفیں درویشی جی ہوئی ہیں۔ رحمت
الہی کا نزول ہے اور محبوبِ خدا کی آمد آمد ہے۔ عورت، مرد، لڑکے، لڑکیاں
مسرت سے بارغ بارغ ہیں۔ خوشی سے نہالی ہیں۔ شکر الہی اور مدحت رسالت
پناہی کے گیت گاتے۔ اور تکبیروں کے نعرے لگاتے ہیں۔ الفناء کے قبیلے

استقبال کو بڑھتے ہیں اور جوش عقیدت میں سرشار ہیں۔ جان و مال گمراہ نثار
کرنے کو تیار ہیں۔ گویا زبانِ حال سے پکارتے ہیں کہ

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

رسول اللہؐ اپنے ان جان نثار عقیدت شعاروں کے جوشِ محبت کو دیکھ
کہ خوش ہوتے ہیں۔ اظہارِ شکر کرتے ہیں۔ دعائے تیر دیتے ہیں۔ ہر ایک
شخص کی یہی خواہش ہی تمنا یہی آرزو ہے کہ اس رحمتِ الہی اور اس لانا مال
نعمتِ خداوندی کے نزول کا ثروت بھی کو حاصل ہو مگر سے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تانا بخشد خدا نے بخشندہ

حضرت ارشاد فرماتے ہیں، میرے نانا کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے
مامور ہے۔ جہاں حکمِ خدا سے میرا نانا بیٹھے گا وہیں میں ٹھہر جاؤں گا۔ چنانچہ
یہ دولت حضرت ابوالیوب انصاری کے حصہ میں آئی ہے اور محبوبِ الہی کی

لے حضرت ابوالیوب انصاری بڑے مشہور و نامور صحابی ہیں۔ رسولِ الہی کے سچے
جان نثار ہیں اور دینِ اسلام کے صادق فدائی ہیں۔ امیرِ معاویہ کے مقابل میں نفسِ رسولؐ
جنابِ مرتضوی کے یار و مددگار تھے۔ علامہ عبد البر کی اپنی کتابِ استیعاب میں لکھتے ہیں
کان ابوالیوب الانصاری مع علی بن ابی طالب فی حروبہ کلہا۔
(ابوالیوب انصاری تمام لڑائیوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ شامل تھے) استیعاب
جلد ۱۵۱۔ اور حضرت علیؑ کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ جنگِ صفین اور واقعہ
حکین کے بعد معاویہ نے عراق و حجاز میں شور و فساد برپا کرتے اور دوستانِ ان علیؑ کو
قتل و غارت کرنے کے لیے جب اپنی فوجیں بھیجیں تو مدینہ کو لوٹنے اور اہل مدینہ سے
(باقی صفحہ آئندہ)

میزبانی کا شرف ان کو ہی ملتا ہے۔ اکثر اہل سیر و ادب باب تاریخ کا یہی بیان ہے جو درج کیا گیا۔ مگر مولانا شبلی حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر میں رسول اللہ کے قیام فرمانے کی وجہ صحیح مسلم اور بخاری کی تاریخ صغیر کی روایت سے یہ تحریر فرماتے ہیں اور اپنی اس رائے کو ترجیح بھی دیتے ہیں کہ ابو ایوب بنی بخار کے قبیلہ سے تھے اور یہ قبیلہ حضرت عبدالمطلب کا داموں ہوتا تھا۔ یعنی ہاشم کی زوجہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ گرامی سلمیٰ اسی قبیلہ سے تھیں۔ اس قرابت کی بنیاد پر رسول اللہ نے ابو ایوب کو یہ شرف بخشا تھا۔ بے شک یہ رشتہ اور یہ قرابت کا سلسلہ درست ہے لیکن اس خلق عظیم اور رحمت عالم معلم اخلاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) خلافت معاویہ پر بیعت لینے کے لیے لسیرین ارطاة ظالم کو بھی ایک بڑے شکر کے ساتھ بھیجا تھا۔ ابو ایوب اس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ یہ بزرگ بنی امیہ کے اس ٹڈی دل ستم شعار لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے تو مدینہ چھوڑ کر حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالحق دہلوی حذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں: "قرطبی از روایت ابن عبد البر نے آرد کہ معاویہ بعد از قضیہ حکمیں لسیرین ارطاة را بالشکر بمدینہ فرستاد تا بعد بیعت از بنی بکرہ معظمہ پر خلافت او بگيرد۔ ابو ایوب انصاری در اں وقت از جانب امیر المومنین علیؑ مدینہ بود و بے از بہت خوف فرار بر قرار دادہ۔ بجناب ولایت آب مرتضوی ملحق باشند" دیکھو حذب القلوب واستیعاب عبدالبر حذافت مروج الذهب سعودی ص ۲۷۰ اس لسیرین ارطاة کے مظالم کا حال ہم انشاء اللہ آئندہ امیر معاویہ کے ارکان دولت کے ذیل میں کریں گے۔ یہی ابو ایوب انصاری زہ بزرگ ہیں جن کی قبر کو نیزہ بلی نے معاویہ کی حیات میں گھوڑے دوڑا کر پامال کیا تھا جس کو ہم منسل ناموس اسلام حصہ اول میں درج کر چکے ہیں اور اس کتاب میں بھی معاویہ کے حالات میں بیان کریں گے۔

خداوندی کے اخلاق حالیہ پر نظر کرتے ہوئے اس قرابت و رشتہ کی وجہ کو ترجیح دینا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ وہ خلق مجسم جو رحمۃ للعالمین کا تاج سر پر رکھے تھا اپنے انتہائی عقیدت مند شاہقوں کو اس قرابت کی وجہ سے محروم فرما دیتا اور ان کی دل شکنی کو گوارا کر لیتا۔ پس ہمارے خیال میں اصلی وجہ جو زیادہ قابل قبول ہے وہی ہے جو اکثر اہل تاریخ و سیر نے درج کی ہے یعنی اس عاشق الہی نے جو بلا شک اپنے قول و فعل میں حکم خدا کا تابع فرمان ہے۔ ان مختلف درخواستوں اور التجاؤں پر یہی فیصلہ فرمایا کہ جہاں حکم خدا سے اس کا ناقہ خود بیٹھ جائے گا وہیں قیام ہوگا۔ پس اس صورت میں نہ کسی کی دل شکنی ہو سکتی ہے اور نہ کسی کو شکایت کا موقع مل سکتا ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

غرض کہ اب مدینہ رسول وین الہی کا ہیٹھ کو ارٹھ
احمد شہنشاہ رسالت کا مستقل پایہ تخت قرار پاتا

ہے۔ مدینہ پہنچنے کے چند روز بعد ہی مسجد مقدس نبوی اور بیت الشرف رسالت کی تعمیر بھی وہاں ہی قرار پاتی ہے جہاں حکم خدا سے آنحضرت کا ناقہ ابوالیوب انصاری کے گھر کے آگے بیٹھا تھا۔ یہ مسجد کیا تھی صرف ایک چھوٹا بنا کہ اس پر قید آدم کچی اینٹوں کی ایک دیوار بنائی گئی تھی جس کے سایہ میں نماز پڑھ لی جاتی تھی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد دھوپ سے بچنے کے لیے لوگوں کی خواہش پر کھجور کی لکڑیاں ستونوں کی بجائے گاڑ کر کھجور کے پی پتوں اور گھاس پھوس سے ڈھانک کر ایک چھپرہ بنا لیا گیا تھا۔ اس چھوٹے سے اس طرف ایک مسقف صفحہ ان نادار مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا جو مکان بنانے کی مقدرت نہ رکھتے تھے یہی وہ لوگ ہیں جو اہل صفحہ کہلاتے ہیں اور ان کی پرورش کا زیادہ دار و مدار آنحضرت ہی کی ذات اقدس پر تھا۔ آنحضرت ہی ان نادار و مفلس مسلمانوں کے کھانے اور

کپڑے کی خبر لیتے تھے اور اکثر اوقات ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ تعمیر مسجد کے بعد بیت الشرف رسالت 'البلیت اطہار' از وراج مطہرات اور اصحاب و مہاجرین کے مکانات بھی ایسے ہی پیمانے کے چھوٹے چھوٹے کچی دیواریں بنا کر اور کچھور کی ٹٹیاں کھڑی کر کے تعمیر کیے گئے تھے۔ مدارج النبوة جلد ۲ ص ۸۸-۸۹۔

اسی زمانہ میں اس شہنشاہ دین و دنیا، سیاست اسلامی کے تاجدار اور

مواخات: مسلمانی تمدن کے فرمانروا ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جوڑنے والے

چھوٹے ہوئے قبیلوں کو ملانے والے، اتفاق و دشمنی کی آگ بجھانے والے رحمتہ للعالمین

نے اتفاق و اتحاد کے جامِ پلا کر مساوات اسلامی کے ذریعے اصول قائم فرمائے۔ مسلمانوں

کی جماعت میں کُل مسئلہ اخوت کی تازہ روح پھونک کر اخوت کے سلسلے کو جاری فرما کر

برادرانہ ہم دردی اور ایک دوسرے کی امداد و اعانت کرنے کی تعلیم فرمائی اور اس طرح اُن

وطن آوارہ اور خانماں برباد مہاجرین کو انصار کے ساتھ انوث اسلامی کے رشتے میں

باندھ کر ان کی بے سرو سامانی اور خانہ بربادی کی تکلیفوں کو دُور کرنے کا انتظام فرمایا

یعنی ایک ایک مہاجر کو انصاری کا بھائی بنا کر اس کا شریک، رنج و راحت قرار دیا

حضرت ابوبکر کو خوارجہ بن زید انصاری، اہل حضرت عمر کو عتبایان بن مالک انصاری کا

بھائی بنایا گیا اور اُس بن ثابت انصاری کو حضرت عثمان کا اور ابوعبیدہ جراح کو سعد

بن معاذ کا بھائی قرار دیا گیا۔ زبیر بن العوام کو سلامہ بن قش انصاری سے اور مصعب

بن عمیر کو ابوالعب انصاری سے رشتہ اخوت میں باندھا۔ عمار یا سرادر خذیفہ یمان ابوفز

خفاری اور منذر بن عمر سلمان فارسی اور ابوذر باہم بھائی بنائے گئے (سیرت النبی

ص ۲۱۱ سیرت ہشام ص ۱۴۹ ابوالفداء ص ۱۳۲ مدارج النبوة جلد ۲ ص ۹۱ معارج النبوة

ص ۲۲ سیرت محمدی) تانہ پنج خیمیں جلد اول ص ۲۹۵ ابن خلدون جلد ۲ رسالہ بارہ امام

۲۳۵ مصنف احمد کرم صاحب رکن چہارم عباسی)

فَاتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخًا (رسول اللہ نے علیؑ کو اپنا بھائی بنایا)
 سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۹۹ پر ہے۔ قال ابن اسحاق وأخى رسول الله بين أصحابه
 من المهاجرين والأنصار فقال فيما بلغنا لعود بالله أن نقول عليه ما لم يقل فأخى
 في الله أخوين ثم أخذ بيد علي بن أبي طالب فقال هذا أخى فكان رسول الله سيدا
 المسلمين امام المتقين ورسول الذى ليس له خطير ولا نظير من
 العباد وعلي بن ابى طالب اخوينا (ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ
 نے اپنے اصحاب مہاجر و انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا۔ ابن اسحاق
 کہتا ہے کہ اس کے متعلق جو خیر ہم تک پہنچی ہے اگر ہم اس میں ارشاد رسولؐ کو
 غلط بیان کریں تو ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ نے خدا کی تشار اور رضا
 کے لیے دو دو کو بھائی بنایا پھر علیؑ ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا پس میرا بھائی
 یہ علیؑ ہے۔ پس رسول اللہؐ جو بے شک رسولوں کے سردار، متقیوں اور پرہیزگاروں
 کے امام اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں بے شک بندوں میں کوئی ان کا مثل و نظیر
 نہیں پس وہ اور علیؑ ابن ابی طالب دونوں بھائی بھائی ہیں۔ علامہ اسحاق کا یہ قول بتا
 رہا ہے کہ بلا شک کیا بلحاظ روحانیت و نورانیت اور کیا بلحاظ علم و فضل کیا بلحاظ عفت و
 عصمت کیا بلحاظ مراتب و یدگانگت کسی پہلو سے بھی تفرڈالو اور کسی صورت سے
 بھی دیکھو حضرت رسول خدا کے ساتھ شریک ہونے والا اور ان کا بھائی بننے کی
 اہلیت اور قابلیت رکھنے والا علی بن ابی طالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا
 یہ شرف و اعزاز نہ کسی مہاجر کو حاصل ہوا نہ ناصر کو بے شک یہ درجہ علیؑ
 ہی کا ہے۔ علیؑ ہی اس کا مستحق ہے علیؑ ہی اس کا اہل ہے۔ خدائے جلیل
 اس سے پہلے بھی علیؑ کو اپنے رسولؐ کو بھائی بنا چکا ہے۔ فرشتوں میں مباہات
 فرما کر جبریل و میکائیل کی گواہی دلا چکا ہے (ملاحظہ ہو شب بھرت علیؑ کا ایتر رسولؐ

پر سونا)۔

پھر ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حمزہ ابن عبد المطلب جو رسول اللہ کے چچا ہیں۔ شیر الہی اور شیر رسولؐ ہیں ان کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا گیا اور حمزہ نے انہیں زید بن حارثہ کی جنگ اُحد میں لڑائی کے وقت وصیت فرمائی تھی اور جعفر ابن ابی طالب (علیؑ کے بھائی) کو جو جنت میں دو پروں کے ساتھ پرواز فرماتے ہیں۔ معاذ بن جبل (بنی سلمہ) کا بھائی قرار دیا گیا (دیکھو سیرت ہشام)۔

مولوی شبلی صاحب نے مدینہ میں مواغات کے واقعہ کو گو بڑی تفصیل کے ساتھ نام بنام درج فرمایا ہے مگر علیؑ کے بھائی بنانے کے واقعہ کو چھوڑ گئے ہیں اور ایسا ہی ابن خلدون نے بھی علیؑ کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ ہم نے اس واقعہ کو سیرت ہشام اور تاریخ و حدیث کی معتبر کتابوں سے درج کر دیا ہے۔ کنز العمال ملا متقی اور استیعاب عبد البر کی تاریخ خمیس مدارج النبوة ص ۲۷۰۔ اسعاف الراغبین ص ۳۲۷ مدارج النبوة اور سیرت محمدی وغیرہ کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواغات کا عمل ہجرت سے پہلے مکہ میں بھی جاری کیا گیا تھا بعض مہاجرین اصحاب کو اس سے پہلے مکہ میں بھی باہم ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا تھا اور اس وقت حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کا بھائی بنایا گیا تھا اور حضرت عثمانؓ کو عبد الرحمن بن عوفؓ کا اور طلحہؓ کو زبیرؓ کا۔ اس وقت بھی علیؑ سے یہی فرمایا تھا انت اخي في الدنيا والاخرۃ ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۹۸۔

ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں ابن عبد البر سے روایت کی ہے۔ کانت المواخاة مرتین الاولى قبل الهجرة بمكة بين المهاجرين خاصة ووالحاکم ابن عبد اللہ نیشاپوری حدیثاً یذلل علی ما قال ابن حجر وهو حدیث ابی عمر قال اخي النبي عليه الصلوة والسلام بين ابی بکر وعمر وبين طلحة والزبیر وبين عثمان و

عبدالرحمن بن عوف وفي روايته بين حمزة بن عبد المطلب وزيد بن الحارثه فقال يا رسول الله اخيت بين اصحابك فمن اخي قال انا اخوك وفي روايته كانت اخي في الدنيا والاخرة وهو لا يكلّم من المهاجرين والمثابرة ما تقدم من المواخاة بين المهاجرين والانصار۔

۳۹۵ صحیح بخاری کی شرح میں ابن حجر عبدالبر کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ مواخات کا واقعہ دو دفعہ عمل میں آیا۔ پہلی دفعہ ہجرت سے قبل مکہ میں خاص خاص مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا تھا۔ حاکم بن عبداللہ نیشاپوری نے جو حدیث روایت کی ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو ابن حجر بیان کرتے ہیں اور وہ حدیث ابو ثمر ہے وہ بیان کرتا ہے کہ رسول خدا نے ابوبکر و عمر کو اور طلحہ اور زبیر کو اور عثمان و عبدالرحمن کو باہم بھائی بنایا اور ایک روایت میں ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب اور زید بن حارثہ کو بھائی بنایا پس علیؑ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا میرا بھائی کون ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا اے علیؑ میں تیرا بھائی ہوں اور تو میرا دنیا و آخرت میں پس یہ کل مہاجر تھے۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ مواخات وہ ہے جو مہاجر و انصار میں واقع ہوا نیز مدارج النبوة جلد ۲ ص ۹۱۔

۱۔ ہجرت رسولؐ سے لے کر اب تک جو واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی تائید تمام کتب سیر و تاریخ و حدیث اور تفسیر سے ہوتی ہے۔ کوئی ایک بات

۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۱ ص ۴۹-۵۰-۵۱ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۲ تا ۵۳۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱

بھی اپنی طرف سے درج نہیں کی گئی۔

شہنشاہ اسلام کے یثرب میں نزول اجلال فرماتے ہی گلشن اسلام
جہاد کی ابتدا : میں بہار آگئی۔ رحمت کا بادل جھوم جھوم کر برسا۔ آفتاب رسالت
پوری قوت سے چمکا۔ نورانی شعاعیں تیز ہوئیں۔ ریاض محمدی کے پودے لہکے، بارغ
اسلام کے پھول مہکے۔ توحید کے غنچے پھٹکے، تبلیغ محمدی کی روح افزا مہک دنیا میں
پھیلنے لگی۔ اسلام ترقی کرنے لگا اور مسلمانوں کی قوت بڑھنے لگی۔ بنی ہاشم کا فروغ رسول
اللہ کے جاہ و جلال کی روز افزوں ترقی مکہ کے بیت پرستوں، الجہل، البسفیان،
اور دیگر بنی امیہ کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔ دنیا نظروں میں تیر و
تار تھی، سیتے پر سانپ بڑھتے تھے اور حسد کی آگ شعلے بھڑکا رہی تھی۔ اسلام
کو مٹانے اور شمع رسالت کو بجھانے کے لیے حد درجہ بے چین تھے۔ مثل مشہور ہے
”جہاں گل وہاں خار“۔ اس ریاضی اسلامی میں پھولوں کے ساتھ کچھ کانٹے بھی پائے
جاتے تھے۔ مدینے میں حضرت رسول خداؐ کے قدیمی دشمن اسلام کے پرانے مخالف
یہودی موجود تھے اور ان کے علاوہ منافقین کا گروہ بھی مارِ آستین بنا ہوا آنحضرتؐ
کے ساتھ ساتھ عقائد کفار مکہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے اخراج اور آنحضرتؐ کے قتل

(یقینہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ص ۲۲، جذب القلوب ص ۱۱۶، استیعاب جلد ۲ ص ۲۶، تاریخ
احمدی ص ۲۵، ۲۸، ۳۳، مشکوٰۃ ص ۲۵۶، صحیح ترمذی ص ۲۱۳، سیرت محمدی مولوی
کرامت علی دہلوی۔ فصول المہمہ ص ۳۲، ۳۴، ۳۸، مطالب السؤل ص ۶۲، ۶۳
مناہج المودۃ ص ۵۰، ۹۲، ارجح المطالب ص ۱۰۰، ۲۲۳۔ صواعق محرقة ص ۷۰
تذکرہ خواص الامہ ص ۱۳، ۲۱، اسعاف الراغبین ص ۱۵۴، نور الابصار علامہ مومن شیلخی
ص ۲۲، ۲۳، ہجرتہ المحافل، مروج الذهب مسعودی جلد ۱ ص ۲۷۹، درمثور جلال الدین سیوطی
جلد ۳ ص ۲۷۰ وغیرہ جمع الجوامع سیوطی وغیرہ

کی شدہ دے رہے تھے۔

اس وقت تک اسلامی احکام صرف روحانی ترقی، تزکیہ نفس، توحید و رسالت کی معرفت تک محدود تھا مگر اب قریش کے شور و شر اور فتنہ انگیزوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی حفاظت جان و مال اور مذاقت شرعہ کے لیے جہاد کی اجازت دی گئی۔

ہجرت کے بعد غزوہ بدر کبریٰ سے پہلے حفاظت خود اختیاری اور تفتیش حالات قریش کی بنا پر اگرچہ کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں جیسے ذات العشیہ، ابواط غزوہ، ابوا وغیرہ جن میں علم فوج محمدی کبھی امیر حمزہ کے کاندھے پر لہراتا تھا کبھی علی بن ابی طالب کے شانوں پر کبھی یہ شہرت سعد بن ابی وقاص کو دیا جاتا تھا اور کبھی مقداد بن اسود کو مگر قریش کے ساتھ مگرہ جنگ بدر ہی کے میدان میں ہوئی ابو سفیان کا قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا اور جنگ بدر کا آواز ہو جاتا ہے غزوہ بدر : مشرکین مکہ اور قبائل قریش بڑے جوش و خروش کے ساتھ پوری تیاری سے ایک ہزار فوج عقبہ اور ابو جہل جیسے نامی سرداروں کی ماتحتی میں۔ یہ کرمچہبر اسلام کے مقابلہ کو آ جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مدارج النبوة جلد اول ص ۱۰۲ و ص ۱۱۲، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۵۵، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۶۲، ص ۲۸۱ ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۳۵۔ مدارج النبوة ص ۳۶ و ص ۵۴، تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۵۶ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۴، ۵۵، سیرت النبی ص ۲۳، و ص ۲۵۴، کنز العمال و سیرت محمدی وغیرہ۔

امیر معاویہ بھی اس معرکہ میں اپنے بھائیوں حنظلہ وغیرہ کے ساتھ باپ کے پہلو میں مسلمانوں کے مقابل دھڑ دھوپ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قیل و ہاشم ابن الحکمہ ہل شہد معاویہ یوم بدر قال نعم من جانب الکفار

دشنام ابن الحکم سے پوچھا گیا کہ معاویہ جنگ بدر میں شامل تھے؟ دشنام نے کہا، ہاں کافروں کی طرف سے آئے تھے (محاضرات جلد ۲، امام راغب اصفہانی ص ۲۸۳، متطرف ص ۲۴۲) ادھر سے مشرکین مکہ ایک ہزار سوار اور پیا دوں کے ساتھ جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ زرہ بکتر سجائے بڑے کرؤ فرسے گانے والی عورتوں کو ساتھ لیے گائے بجاتے مسلمانوں پر حملہ کرتے آئے تھے۔ (مدارج النبوة ص ۱۰۱) اس طرف بادشاہ اسلام صرف تین سو تیرہ ہزار و انصار کی جمیعت کو لے کر جن میں دو تین گھوڑے اور ستر اونٹ ہیں مدینہ سے نکلتے ہیں حضرت ابوبکر و عمر و عبدالرحمن بن عوف کی سواری میں صرف ایک اونٹ ہے اور اسی طرح دو دو تین تین مجاہد ہاجرین و انصار کے حصہ میں سواری کے لیے ایک ایک اونٹ ملا ہے۔ شہنشاہ کو نین حضور مرورِ عالم کے ساتھ علی بن ابی طالب اور زید بن حارثہ شریک سواری ہیں۔ آنحضرتؐ علیؑ یا زید کو سوار کرنے کے لیے اونٹ سے اترتے ہیں اور علیؑ اور زیدؑ پر عرض کرتے ہیں کہ نہیں یا رسول اللہؐ آپ نہ اترتیے۔ ہم حضورؐ کی رکاب میں پا پیادہ چلیں گے مگر حضورؐ فرماتے ہیں، نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ میں تم سے زیادہ راہ خدا میں خدمت کرنے اور اجر و ثواب کرنے سے بے نیاز ہوں سبحان اللہ! دل و جان فدا کرے ذاتِ نبیؐ، یہ ہے سیرتِ محمدیؐ اور یہ ہے تعلیمِ رسولؐ اور مساواتِ اسلامی (مدارج النبوة ص ۱۰۱، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۶۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۸، معارج النبوة ص ۳ و ۳۸)۔

مسلمان اپنی قلت اور کافروں کی کثرت دیکھ کر دل چھوڑے جاتے ہیں۔ ہر دور بہ مخالف و ترسالی نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرت النبی ص ۶۵۳۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں :-

» آنحضرتؐ مدینہ سے اس سرد سامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ

تین سو سے زیادہ مہاجر و انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبر اور حضرت
حمزہ سید الشہداء بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے
بادبود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح موجود ہے) دُر کے
مارے بہت سے اصحاب کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ
کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔ واخاف لیتا من
المومنین لکامھون بجا دلونک فی الحق بعد ما
تبیتن کانتا لیساقون الی الموت (مسلمانوں کی ایک
جماعت ناکارہ تھی وہ مجھ سے حق ظاہر ہونے پر بھی ہجرت کرتے تھے۔
گویا کہ موت کی طرف منکائے جا رہے ہیں۔“

القصة فوج اسلام بڑھتی ہے عقاب نامی نشان محمدی کا یہ چم نفس رسولؐ
کے شانوں پر لہراتا ہے اور انصار کا علم سعد بن حبادہ کے کاندھے پر اتنا شاندار پھیرا
اڑا رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۶۷۲ - تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۲ - سیرت ہشام جلد ۲ ص ۱۲۱
کنز العمال وغیرہ) دونوں طرف سے فوجیں بڑھتی ہیں۔ اسلام و کفر کا مقابلہ ہوتا ہے
صف کفار سے عقبہ، شیبہ اور ولید قریش کے نامی سردار ابوسفیان کے قریبی
رشتہ دار نشتہ کفر میں بندست ہاتھی کی طرح جھومتے ہمدردی کے گھنڈ میں ڈینگیں
مارتے مقابلے کو نکلے ہیں۔ اور ہاشمی بہادروں کو مقابلہ کرنے کے لیے بلائے ہیں۔ اس
طرف سے سرفروشان توحید شمع رسالت کے پروانے دین الہی کے مجاہد مظلومی بہادر
حمزہ و علی و عبیدہ بن الحارث کو دربار رسالت سے مقابلہ کے لیے نکلنے کا حکم
ہوتا ہے۔ عبیدہ عقبہ سے لڑنے کو نکلے ہیں۔ حمزہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوتا ہے
اور علیؑ کا ولید سے۔ ہاشمی لکواریں اٹھتی ہیں اور بجلی کی طرح گزرتی ہیں۔ شیبہ اور ولید
خاک پر تڑپتے نظر آتے ہیں۔ عبیدہ اور عقبہ میں تلوار چلتی ہے۔ اور عبیدہ زخمی ہو

کر گرتے ہیں۔ علیؑ فوراً بڑھ کر عتبہ کو قتل کر دیتے ہیں اور عبیدہ کو اٹھا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لے آتے ہیں۔ عبیدہ زخموں سے چور ہیں۔ خدمتِ رسولؐ میں عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہؐ! کیا میں شہادت سے محروم رہا؟ فرمایا، نہیں، تم نے درجہ شہادت کا حاصل کر لیا۔ عبیدہ نے عرض کی، کاش آج ابوطالبؑ زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان کے شعر کا مستحق میں ہوں۔

ونسلمنا حتی نصرع حولہ
ونسلمنا عن ابناؤنا والحقلاٹل

لے ابوطالبؑ کے ان اشعار سے ان کے اسلام پر روشنی پڑتی ہے۔ جو لوگ ان کے ایمان کے حقائق نہیں سمجھ ان کی تسلی کی خاطر اس کے متعلق چند باتیں بطور ضمنیہ درج کرتے ہیں :-

ابوطالبؑ کا اسلام: حضرت ابوطالبؑ کی خدمات اسلامی رسولؐ خدام پر جان نثاریاں ان کے اقوال اور ان کے اشعار محبتِ محمدیؐ میں انہماک تاراج و سیر کی کتابوں میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ اہل زمانہ علیؑ کی مخالفت اور بنی امیہ کے پروپیگنڈے کے اثر سے رسولؐ خدام کے ایسے سچے ناصرین اور فدائی چچا ابوطالبؑ کے ایمان و اسلام میں چہ میگوتیاں کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ بعض تو نہایت بے باکی سے ان کے کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوطالبؑ کی توہین و تنقیص حضرت رسولؐ خدام کی اذیت کا باعث ہے۔ مکہ معظمہ کے مشہور و معروف مفتی سید احمد ذہبیؒ و حاکم شافعیؒ نے اسی موضوع یعنی اسلام و ایمان ابوطالبؑ پر ایک نہایت ہی جامع کتاب ”اسنی المطالب فی نجات ابی طالب“ کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر علمائے اہلسنت کے اقوال پر زور بیانات احادیث و روایات سے کامل دلیلوں (باقی بر صفحہ آئندہ)

کَذَّبْتُمْ وَبِيتِ اللَّهِ نَبِيٌّ مُحَمَّدًا
وَلَمَّا لَطَاعِن دُونَهُ وَنَبَا صِل

(ترجمہ) ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑاکے
مرجائیں اور ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بی بیوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ قسم ہے
خدا کے گھر کی تم بھوٹے ہو۔ ہم اس وقت تک محمدؐ کو نہیں بھولیں گے جب
تک ہم اس کے سامنے نیزے اور تلواریں نہ کھالیں۔“

(یعنی حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور لا جواب طریقوں کے ساتھ علامہ برزنجی کی تالیف جلیل کی بنیاد پر
حضرت ابوطالبؑ کے اسلام و ایمان کو ثابت کر کے دکھایا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ اردو
زبان میں بھی ہو چکا ہے اور مطبع اوسنی دہلی سے مل سکتا ہے۔ علامہ موصوف نے علماء کے
افعال و بیانات سے ثابت کیا ہے کہ ابوطالبؑ کا قربتانا اور ان کی توہین و تنقیص
کرنا رسول اللہؐ کو اذیت پہنچانا ہے۔ قرآن مجید کی آیات مبارکہ ان الذین
یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرہ طاعنہم عذاباً
مہیناً اور الذین یؤذون رسول اللہ لعنہم عذاب الیم (۱۰)
لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے عذاب الیم ہے،
درج فرما کر لکھتے ہیں کہ امام احمد بن الحنبل موصی الحنفی جو ابن وحشی کے نام سے
مشہور ہیں علامہ محمد بن سلامہ القضاہی کی کتاب شہاب الاخبار کی شرح میں لکھتے ہیں
کہ حضرت ابوطالبؑ کا بغض کفر ہے اور ائمہ مالکیہ کی بھی اس پر نص ہے اور علامہ علی الاچوری
اپنے فتاویٰ میں اور تلمانی اپنے حاشیہ پر جو شفا پر لکھا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کے ذکر
میں لکھتے ہیں کہ ان کا ذکر سوائے حمایت نبیؐ کے اور کسی طرح مناسب نہیں۔ کیونکہ
انہوں نے آنحضرتؐ کی حمایت و نصرت اپنے قول و فعل سے کی ہے۔ پس ان کا
ذکر بے ادبی سے کرنا رسول مقبولؐ کو ایذا دینا ہے۔ اور نبیؐ کو ایذا دینے والا کافر ہے۔
(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ اشعار اور واقعات بدرمرقومہ ذیل کتابوں میں موجود ہیں۔ سیرۃ النبی شبلی ص ۲۳۶
 تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۹۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۹۔ سیرت ہشام جلد ۲ ص ۱۷۱۔ مسند
 احمد حنبلی ص ۱۶۳۔ ازالۃ الخفاء ص ۲۵۴۔ ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۳۵۔ تاریخ خمیس جلد ۱
 ص ۳۲۶۔ وافی کتاب المغازی ص ۲۳ و ۵۱۔ کنز العمال غزوہ بدر۔ معارج النبوة
 رکن چہارم ص ۵۳۔ مدارج النبوة ص ۱۱۱، سیرۃ محمدی۔ ہجۃ المحافل عماد الدین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور یہی قول ابو طاہر کا بھی ہے کہ من البغض اباطالب فهو کافر
 اسنی المطالب ص ۱۰۹۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رسول اللہ کی خدمت میں ابو طاہر
 کے متعلق عرض کرتے ہیں۔ ما ترجوا لابی طالب قال علی الخیر ارجو من
 ربی (یعنی حضور ابو طالب کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا ہر ایک نیکی و خوبی
 جس کی میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں) اسنی المطالب ص ۱۵۹۔

مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ العہدی میں اس موضوع خاص کفر و اسلام حضرت
 ابو طالب کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں۔ ایک روایت بخاری سے ہے اور دوسری
 ابن اسحاق سے جو سیرت ابن ہشام ص ۱۴۱ جلد اول میں ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ابو طالب
 کی موافقت اور تائید میں ہے۔ اور بخاری کی روایت مخالفت ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں
 ”ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت ان کے پاس تشریف لے گئے اور ابو جہل
 اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ
 کہہ لیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابو جہل اور عبداللہ بن
 امیہ نے کہا۔ کہ ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالاسم
 ابو طالب نے کہا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ پھر آنحضرت کی طرف دیکھ
 کر کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا
 میں آپ کے لیے دعا کے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے۔
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

مولانا شبلی اور بعض مورخین نے صرف ایک شعر لکھا ہے یعنی پہلا، مگر
واقعی اور کنز العمال نے دونوں شعر نقل کیے ہیں۔

(بقیہ ماثیہ) یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ
مرنے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت
کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب
وہی کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد مولانا شبلی ان دونوں روایتوں کی تنقید بھی اس
طرح فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت زیادہ مستند اور معتبر نہیں رہتی۔ لکھتے ہیں۔
”محمدؐ ثابہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابلِ حجت نہیں کہ اخیر راوی
مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کے وقت آخر موجود نہ تھے۔ اسی
بناء پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن اسحاق
کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبد اللہ بن معیر اور عبد اللہ بن عباس میں یہ دونوں
ثقل ہیں لیکن بیچ کا راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بناء پر دونوں روایتوں کے درجہ
استناد میں چنداں فرق نہیں ہے۔“

پس ناظرین ٹھنڈے دل سے غور کر کے ابن اسحاق کی روایت اور دیگر علماء و
مؤرخین کے اقوال و روایات کو جو ابھی پیش کی جاتی ہیں حضرت ابوطالب کی خدمت
اور ان کے اقوال و افعال کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام بخاری
کا یہ قول ابوطالب کے خلاف کہاں تک درست اور کس بسیاد پر ہے۔ علامہ ابوالنضر
محمد اسماعیل اپنی تاریخ ابوالفداء کی جلد ۱۱ پر اسی کے قریب قریب ایک روایت درج
کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ذکر وفات ابوطالب توفي في شوال سنة عشر من النبوة ولما
اشد مرضه قال له رسول الله يا عم قلما استعمل بها الشفاعة
(باقی بر صفحہ آئندہ)

غرض ان تینوں کے قتل ہو جانے کے بعد لڑائی تیزی سے چھڑتی ہے۔ معرکہ کارزار گرم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی تواریں چمکتی ہیں۔ نیزے اٹھتے ہیں۔ تیر بڑے ہیں۔ ایک طرف امیر حمزہ شیرانہ حملے کرتے ہیں۔ دوسری جانب تیغ حیدری شعلے برساتی ہے۔ تکبیروں کے نعروں سے رن گو بنتا ہے۔ بادشاہ اسلام توحید کا فدائی محبوب الہی خود بہ نفس نفیس مصروف کارزار ہوتا ہے۔ سب سے آگے بڑھتے ہیں تواریں مالتے ہیں۔ شجاعت ہاشمیہ کے جوہر دکھلاتے ہیں۔ صفیں ٹوٹتی ہیں۔ پرے ہٹتے ہیں۔ خود علی علیہ السلام بیان فرماتے ہیں۔ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَحَضَرَ النَّاسَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ أَشَدَّ النَّاسِ بَأْسًا يَوْمَئِذٍ وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَقْرَبَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنْهُ . (یعنی بدر کے دن ہم کو رسول اللہ

(بقیہ ماشیہ) یوم القیامہ یعنی الشہادۃ فقال لہ ابو طالب یا ابن اخی لولا مخافتہ السب وان تظن قریش انما قلعہا مخافتہ فلما تقارب من ابی طالب الموت جعل یحیرک شفیعۃ فاصغی الیہ العباس یا ذنہ وقال واللہ یا بن اخی لقد قال الکلمۃ الّتی امرتہ ان لیقولہا قال رسول اللہ الحمد للہ الذی ہدٰک یا عم یکذا روی عن ابن عباس (حضرت ابوطالب نے نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں وفات پائی۔ اور جب آپ کا مرض شدید ہوا تو حضرت رسول خدا نے فرمایا، چچا وہ کہہ دیجیے جس سے مجھے روز قیامت آپ کی شفاعت کرنا حلال ہو جائے۔ اس سے مقصود کلمہ شہادت ہے ابوطالب نے عرض کی اسے فرزند برادر اگر لوگوں کے برا کہنے اور گمانی دینے کا خوف نہ ہوتا اور یہ کہ قریش گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت سے ڈر کر کہہ دیا ہے تو میں کہہ دیتا۔ پھر جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو ابوطالب اپنے دونوں ہونٹ ہلانے لگے۔ حضرت عباس نے اپنے کان سننے کے لیے لگائے کہ کیلکاتے ہیں (باقی صفحہ آئندہ)

کی جان کا اندیشہ تھا کیونکہ آنحضرتؐ سب سے زیادہ سخت جنگ فرما رہے تھے اور اس
 دن ہم میں سے ایک بھی رسولِ خداؐ کی طرح مشرکوں سے بھڑا ہوا نہیں لڑ رہا تھا۔
 (طبقات ابن سعد منقول از تاریخ بنی ہاشم ص ۳۸ و تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۷ و کنز العمال
 و سند امام احمد حنبل ص ۱۱۱) صحیح بخاری میں ایک حدیث کے سلسلے میں منقول ہے
 کہ اس روز جنگ کی حالت میں حضرت رسولِ خداؐ فرما رہے تھے: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
 لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلَ
 ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلَ۔ یعنی بخدا میری یہ آرزو ہے کہ بارِ خدا میں میں قتل ہوں، پھر زندہ ہوں،

(بقیہ حاشیہ) پھر رسولِ خداؐ سے عرض کی، قسم ہے خدا کی اسے فرزندِ برادر ابو طالب نے
 وہی کلمہ کہہ دیا ہے جس کا حکم آپؐ نے انھیں دیا تھا۔ یہ سن کر رسول اللہؐ نے فرمایا: اے
 چچا خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپؐ کی ہدایت کی، مدارج النبوۃ ص ۳۳ معارج النبوۃ ص ۷۷
 میں بھی یہی روایت درج ہے۔ نیز معارج النبوۃ ص ۷۷ میں یہ بھی ہے کہ چچوں ابو طالب
 بیمار شد قریش بعیادت آئے آمدوا اقل الیساں را بنواخت ولعبدان الی نصیحت ایشان
 پرداخت وایشان را بہ تعلیم کعبہ و صلہ رحم و اعانت عاملی و اعطائے سائل دالت
 نمود و بصدق حدیث و ادائے امانت را مبالغہ فرمود: نگاہ گفت شمارا وصیت دے کم
 بمتابعیت و معاونت محمد کہ ادا میں قریش و عدلی عرب است و ادا با مرکز است
 کہ دل قبول آں کردہ و را باں بصدق آں گو اہنی دادہ بخدا سو گند کہ من چہاں سے بہیم
 کہ انفراد آفاق و سادات و عظام و اکابر اطراف و اکناف دعوت اورا جابت نمودہ
 اند و تصدیق قول اند بجا آوردہ اند۔“ فرمائیے اب کوئی بات اقرار اسلام میں باقی
 رہی ہے۔ تاریخ خمیس جلد ۳۳۹ میں بھی ابو طالب کی یہی تقریر موجود ہے
 اور مدارج النبوۃ ص ۷۷ ملاحظہ ہو۔ علامہ سیار احمد دسمان مفتی مکہ کی کتاب
 انبی المطالب ص ۱۱۱ میں بھی حضرت ابو طالب کی یہ وصیت تمام و کمال درج ہے۔
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسی طرح رسول خداؐ کا پیارا نور حسینؑ متی واخا من الحسین کا مصداق
 عشق خدا کا مولا، راہ الہی میں سر دینے والا، دین کا قدائی، اسلام کا شہدائی حسینؑ
 مظلوم بھی روزِ عاشورہ زخموں سے پور ہوگا پیاسا، خون میں ڈوبا، محبت الہی میں محو کر دیا
 کے میدان میں اس طرح بکا رہا ہے۔ رُبَّ وَدَدْتُ اَنْ اُقْتَلَ رَا حِی سَبْعِیْنَ
 مَرَّةً فِی طَاعَتِكَ وَحُبِّتِكَ سَيِّئًا اِذَا كَانَ فِی قَتْلِ نَصْرَةِ دِیْنِكَ وَ
 اَحْیَاءِ اَمْرِكَ وَحِفْظِ نَامُوسِ شَرْعِكَ لَعْنِیْ اَنْیَّی پَارے رب بس میری
 یہی خواہش و آرزو ہے کہ تیری اطاعت و محبت میں میں ستر مرتبہ قتل و زندہ کیا
 جاؤں، خاص کر اس وقت جب میرے قتل و شہید ہونے سے تیرے دین کی
 نصرت ہو، تیرا امر زندہ ہو اور تیری شریعت اور اسلام کی عزت و حرمت کی حفاظت
 ہو۔ بلا شک حسینؑ الیسا ہی خدا کا عاشق صادق اور اسلام کا ناصر و حامی ہے سچ
 دل و جانم فدائے نامش باد (حوالہ کے لیے دیکھو ناموس اسلام حصہ اول)

(بقیہ حاشیہ) واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم حتی اوسد فی تراب دفینا

دفعتم ہے خدا کی تمہارے بدخواہ کبھی تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک میں زندہ
 ہوں اور مٹی کے ڈھیر میں دفن نہ ہوں (

صاحب معارج النبوۃ نے بھی ان اشعار کو درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوطالب
 نے یہی اشعار اپنی وفات کے وقت رسول اللہؐ کے جواب میں پڑھے ہیں۔
 نور البصار مومن شملہ ۱۸، تاریخ روضۃ المناظر علامہ ابوالولید محمد بن شحنا بر حاشیہ
 تاریخ کامل جلد ۱، ص ۱۳۱ میں بھی ابوطالب کے یہی اشعار مندرجہ بالا درج ہیں۔
 تاریخ خمیس جلد ۲، ص ۲۲ اور مواہب لدنیہ میں بھی یہی اشعار درج ہیں بلکہ مواہب لدنیہ
 اور ہجۃ المحافل امام عماد الدین میں ان اشعار کے سوا دوسرا اور بھی پائے جاتے ہیں۔

اَللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا نَبِیًّا کَمُوسٰی خَطَّیْ اِذَا الْمَکْتُ

(باقی صفحہ آئندہ پر)

القصة رحمت الہی نازل ہوئی۔ نصرتِ خدا نے مدد فرمائی۔ شجاعتِ محمدی نے
 جلوے دکھائے۔ ذوالفقارِ حمیدی نے بجلیاں گرائیں۔ حمزہ کے نعروں سے دن
 بھل اٹھا۔ مسلمانوں کے نعروں سے دشت کو بجھنے لگا۔ عتہ مارا گیا۔ ابو جہل بھی
 معاذین عمر کے ہاتھ سے فی النار ہوا۔ ابوسفیان کے عزیز و اقارب بڑے بڑے
 شریر النفس، قریش کے بہادر علی و حمزہ کی تلواروں سے موت کے گھاٹ اترے۔
 فوجِ کفار کا نشان بردار طلحہ، علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کثیر العمال کافروں کے
 قدم اکھڑ گئے۔ صفیں درہم و برہم ہو گئیں۔ قریش لپٹا ہو گئے۔ ابوسفیان دم دبا
 کر بھاگا۔ کفر کے جھنڈے اکھڑے۔ اسلام کے پھریرے کھلے۔ میدانِ مسلمانوں کے
 ہاتھ رہا۔ اسلام کی فوج ظفر موج فتح کے پھریرے اڑاتی نعرۂ تکبیر لگاتی۔ اسیرانِ بدر کو

(بقیہ حاشیہ) کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہم نے محمدؐ کو بھی ویسا ہی نبی پایا ہے جیسا کہ موسیٰ کو

ان کا ذکر کتب سابقہ میں موجود ہے)

وان علیہ فی العباد محبتنا (آخر متن حصہ اللہ بالحب)

اسکی محبت سب بندوں پر واجب ہے جس کو خدا محبت سے مخصوص فرمائے

اس سے بہتر کوئی نہیں)

صاحب جامع الاصول شافعی المذہب لکھتے ہیں کہ (جمع اہل البیت علی الیکندر
 یعنی ابوطالب کے مسلمان ہونے پر رسولؐ کے گھرانے والوں کا اجماع ہے) (اہل
 البیت البصریہ فی البیت) (گھر والے ہی اپنی حالت کو خوب جانتے ہیں) منقول
 از مقصد الطالب فی احوال اجداد النبی و عہد ابی طالب ص ۵۴۔ اکثر علمائے جلیل القدر
 محقق و فقیہ عصر اہل سنت و الجماعت بڑے زور شور سے حضرت ابوطالب کے
 ایمان و اسلام کو قبول کر کے ان کے اسلام کے اثبات کے متعلق کتابیں اور رسالے
 تصنیف فراتے ہیں۔ علامہ ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں امیر المؤمنین علیؑ
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

ساتھ لیے مدینے کو واپس ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھو ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۳۵۔ ابن ہشام
 جلد ۲ ص ۵۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۹ و ۶۵۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۶۹ و ۲۸۰۔ کنز العمال
 تاریخ احمدی ص ۳۶۔ سیرت النبی ص ۲۳۶ لغایت ۲۳۹۔ مدارج النبوة از ص ۱ تا ص ۱۱۱
 مدارج النبوة ص ۲ تا ۶۸۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۵۳ سے ص ۲۵۵ تک۔ نور الابصار
 ۱۲۹۔ واقدی ص ۵۲

البعیۃ عاشیہ ۲ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوطالب کی تعریف اور مدح میں بڑا فصیح و بلیغ
 قصیدہ لکھتے ہیں جس کے دو شعر یہ ہیں

ولو لا ابوطالب وابتہما لہما مثل الدین شخصاً وقاماً
 فداک بمکتہ اوی وحاحی وھذا بہ یثرب خاض الجحاما

اگر ابوطالب اور آپ کے فرزند علی نہ ہوتے تو دین اسلام قائم نہ شخص نہ ہوتا
 ابوطالب نے مکہ میں دین الہی اور رسول خدام کو پناہ دی اور ان کے بیٹے علی
 نے نصرت و حمایت اسلام کے لیے مدینہ منورہ میں اپنے کو خطروں اور موت کے
 بچوں میں ڈالا

حضرت رسول خدام کی ولادت کے وقت سے ابوطالب کی وفات کے زمانہ تک کے
 حالات و واقعات کو تاریخ و سیر کی کتابوں میں پڑھا جائے تو بلا شک پتہ چل جائے گا
 کہ رسول خدام کا یہ سچا سرپرست (ابوطالب) اپنی اولاد سے بڑھ کر حضرت کو محبوب جانتا
 تھا۔ جب تک یہ پیارا بھتیجا کھانا نہیں کھا لیتا ابوطالب بھی تناول نہیں فرماتے۔
 اپنے پہلو میں سلاتے ہیں، اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ساتوں کو حفاظت کرتے ہیں۔ خواجگاہ
 رسول کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یعنی جس جگہ آنحضرت اول شب میں سوتے ہیں، اُدھی شب
 یا آخرات کو حضرت ابوطالب آپ کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ لٹا دیتے ہیں اور
 ان کی جگہ اپنے کسی بیٹے کو سلا دیتے ہیں تاکہ مشرکین مکہ اگر موقع پا کر آنحضرت کے
 (باقی برصغیر آئندہ)

اس جنگِ بدر میں قریش مکہ کے مقتولین میں سے نصف سے زیادہ مقتول علیؑ کی تلوار کے ہیں۔ علامہ قزوینی شرح تجرید ص ۳۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔ غزوہ بدر وہی اقل حرب امتحن بها المؤمنون لقتلهم حنظلة بن ابوسفیان ثم علقمہ بن عدی ثم نوفل بن خویلد ولم یزل یقاتل حتی نصف المشرکین والباقی من المسلمین وثلاثة الاف من الملائكة المسومین قتل نصف الاخر ومع ذلك كانت الراية فی ید علیؑ یعنی بدر کی لڑائی وہ پہلی جنگ ہے جس میں مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا بوجہ ان کی قلت اور کافروں کی کثرت کے۔ پس علیؑ نے ولید بن عقبہ کو قتل کیا۔ پھر ربیعہ کو عمر عاص بن سعد اور سعد بن عاص کو پھر ابوسفیان کے بیٹے حنظلة اور علقمہ بن عدی کو۔ پھر نوفل کو اور برابر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ نصف علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے

(بقیہ حاشیہ) ستارے کو آجائیں تو جو کچھ گزرتا ہو ان کی اولاد پر گزر جائے لیکن آنحضرتؐ پر آنچ نہ آنے پائے۔ دیکھو علی بن برہان محدث شافعی انسان العیون میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَكَانَ ابُو طَالِبٍ فِي حُلَّةٍ لَيْلَةٍ يَأْمُرُ رَسُولُ اللَّهِ أَنْ يَأْتِيَ فَرَاشَهُ وَيَصْطَبِعَ بِهِ فَإِذَا خَامَ النَّاسُ فَنَاقَمَهُ دَامِرًا وَحَدَّ بَنِيهِ أَوْ غَيْرَهُمْ مِنْ أَخْوَانِهِ وَابْنِ عَمِّهِ أَنْ يَصْطَبِعَ مَكَانَهُ (ہر شب کو رسول اللہؐ کو اپنے فرش پر سلاتے تھے۔ جب سب آدمی سو جاتے تھے تو آپؐ کو وہاں سے اٹھاتے تھے اور کسی بیٹے یا بھائی یا چچا زاد بھائی کو ان کی جگہ سلا دیتے تھے) غرض کیا گھر کیا باہر جہاں جاتے حضرتؐ کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہر وقت یہی خیال رہتا کہ محمدؐ کو کوئی صدمہ نہ پہنچے (مدارج النبوة ص ۳۱۔ سیرت النبی علیہ السلام روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۱۲۲)۔ کبھی خدا کے حبیب کو ساتھ لے کر سفر شام کرتے ہیں۔ راستے میں بحیرہ راسب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ نبوت محمدیؐ کی بشارت دیتا ہے۔ اور حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ دشمنوں کا خوف ہوتا ہے وہیں سے کہہ کر واپس ہو (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور باقی نصف کو دوسرے مسلمانوں اور تین ہزار ملائکہ نے (جو امداد کے لیے خدائے جلیل نے بھیجے تھے) قتل کیا اور اس جنگ کے ساتھ ساتھ نشانِ محمدی علیؐ کے ہاتھ میں برابر لہراتا رہا۔ اسد الغابہ، ابن اثیر۔ اصابہ اور صواعق میں عرب کے مشہور شاعر

(بقیہ حاشیہ) جلتے ہیں (مدارج النبوة ص ۳۳ طبری جلد ۲ ص ۱۹۵) تجارتِ شام سے واپسی کے بعد حضرت خدیجہ کی خواہش پر آنحضرتؐ کی شادی جناب خدیجہ سے قرار پا جاتی ہے۔ عقد کی تاریخ معین ہوتی ہے۔ رسولِ الہی کی برأت بنی ہاشم کے سردارِ دل کے ساتھ دہن کے گھر پہنچتی ہے۔ یہ خدا کا پیارا نبیوں کا سردار، رسولوں کا سالار، رسالتِ الہیہ کا شانِ خلعت پہننے تو حید کا تاج سر پر رکھے تبلیغِ ہدایت کا سہرا باندھے دولہا بنا تختِ فیروزی پر اپنے پیارے چچا ابوطالب اور حمزہ کے پہلو میں آفتاب کی طرح جلوہ گر ہے۔ چہرہ اقدس کی نورانی چھوٹ سے خدیجہ کا گھر لبتعہ نور بنا ہوا ہے۔ ابوطالب م کمرے سموتے ہیں اور بکمال فصاحت و بلاغت نکاح کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ اور پیارے بھتیجے رسولِ عربیؐ کی عظیم الشان شرافتوں اور فضیلتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ چار سو درہم طلائی ہر مقررہ ہو کر نکاح کی رسم ادا ہوتی ہے (سیرت النبی جلد ۱ ص ۱۳) تاریخِ خمس جلد ۲ ص ۲۹۹ اور اسنی المطالب ص ۱۱ میں بھی ابوطالب کا یہ خطبہ موجود ہے جس میں تو حیدِ الہی اور فضائل حضرت ابراہیمؑ و اسمعیل علیہم السلام کو بیان کرتے، خانہ کعبہ کا شرف و منزلت اور اپنے پیارے بھتیجے کے فضائل و مناقب کا اظہار فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ خدا کی قسم ہمارے محمدؐ کے لیے ایک خبرِ عظیم اور حصہ بزرگ حاصل ہونے والا ہے۔ واللہ بعد ہذا الما بناء عظیم و خطر جسم۔ پس بتاؤ کہ اگر یہ محمدؐ کی نبوت اور رسالت کا اقرار نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ مکہ میں ایک سال قحط پڑتا ہے۔ قریش بھوکوں مرتے ہیں۔ ابوطالب سے طلبِ باران کی درخواست کرتے ہیں۔ وہ حضرت رسولِ حسد ام کو ساتھ لے کر دھلے بارش کے لیے نکلتے ہیں۔ بارگاہِ الہی میں اس کے محبوب کو نزول (باقی بر صغیر آئندہ)

اسید بن ایاس کا وہ مرتبہ ملاحظہ ہو جس میں قریش کی اس شکست فاش اور بدرز کے ان مقتولین کا رونا رو کر قریش کو غیرت دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے قریش یہ فاطمہ بنت اسد کا بیٹا ہے جس نے تم کو قتل کر ڈالا اور بڑی تیزی سے تم کو قتل کر کے ٹھنڈا کر دیا

(بقیہ عاشیہ صفحہ گزشتہ) رحمت کے لیے وسیلہ بناتے ہیں۔ گودی میں اٹھا کر اور پشت کعبہ سے لگا کر دعا مانگتے ہیں۔ اِدھر محبوب الہی کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھتے ہیں اُدھر ابر رحمت مجبوم کرتا ہے۔ مینہ برستا ہے۔ بطحی کے خشک میدان پانی سے بھر جاتے ہیں (مدارج النبوة ص ۲۲) ابوطالب اس واقعہ کی طرف اپنے عقیدہ میں ایک شعر سے اشارہ کرتے ہیں۔

وَابِیضَ لِبَسْتِیَ الْغَمَامِ لَوَجْهِہُ ثَمَالِ الْیَتَامِیِ عَصَدَہُ لِلْأَرَامِیِ

یعنی وہ نورانی چہرہ ایسا مبارک ہے کہ بادل بھی اس سے سیراب ہوتے اور پانی مانگتے ہیں۔ وہ یتیموں کا پشت پناہ اور ارمیوں کا ملجا و مادی ہے۔ اس مقام پر ایک اور نکتہ بھی غور کے قابل ہے جو میرے عزیز منشی غلام محمد صاحب ینجر جنرل اسٹور پٹیا لہ کی فکر رسا کا نتیجہ ہے، ایک روز اس واقعہ کو مٹن کر دوران گفتگو میں مجھ سے کہا اے خوب کہا کہ مشرک اور بت پرست لوگ جو بتوں کو خدا مانتے ہیں یا خدا کا شریک سمجھتے ہیں یا قبولیت دعا کا وسیلہ جانتے ہیں وہ اپنی دعائیں بتوں ہی سے مانگتے اور انہی کے سامنے سر رکھ کر کہتے ہیں پس جب وہ طلب باران کے لیے حضرت ابوطالب سے دعا کے خواستگار ہوئے تو یہ بدیہی ثبوت اس بات کا ہے کہ ابوطالب ان کے ہم عقیدہ نہ تھے۔ اگر ان کی طرح حضرت ابوطالب بھی بت پرست ہوتے تو ضرور وہ بھی بتوں کے ہی سامنے دعا مانگتے۔ پس ان کا ایسا نہ کرنا اور بجائے بتوں کے خدا سے دعا مانگنا اور خدا کے رسول کو طلب رحمت کے لیے وسیلہ قرار دینا اس کا ثبوت ہے کہ وہ خدا پرست تھے۔ اگر بتوں کی محبت ان کے دل میں ہوتی تو ان کی طرف سے منہ پھرا کر اور پشت کعبہ سے پیٹ لگا کر ہرگز دعا نہ مانگتے بلکہ غام مشرکین کی طرح ان کے سامنے گر کر التجا کرتے۔

بشت کے بعد کفار مکہ کے سرہار عقبہ، شیبہ، ابو جہل اور ابوسفیان (باقی آئندہ صفحہ چوتھ)

ہے دیکھو تاریخ بنی ہاشم ص ۱۷۰۔ اس لڑائی میں حنظلہ ابوسفیان کا ایک بیٹا بھی علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور دوسرا عمرو نامی بھی علیؑ ہی کے ہاتھ سے گرفتار ہو کر قید ہوا جو بعد میں مدینہ پہنچ کر اسیران بدر کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ کامل جلد ۲ ص ۶۳ ابن ہشام ص ۲۸

(ایضہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وغیرہ جمع ہو کر رسول خدا کی شکایت کرنے کے لیے حضرت ابوطالب کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارا یہ بھتیجا ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔ ہمیں بت پرستی سے روکتا ہے ہمارے دین کی توہین کرتا ہے پس تم مجھ کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دو اور ان کے بجائے ولید بن مغیرہ کے خوبصورت بیٹے عمارہ کو ہم سے لے کر اپنا بیٹا بنا لو۔ یہ سن کر ابوطالب کو غصہ آگیا فرماتے ہیں تم بڑے بے وقوف ہو۔ یہ کون سی دانائی کی بات ہے کہ میں اپنے فرزند کو قتل کرنے کے لیے تمہیں دے دوں اور تمہارے بچے کو لے کر پال لوں۔ دُود ہو۔ میں کھلم کھلا کہتا ہوں جو محمد کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرے دین کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے (معارج النبوة ص ۲۹) اس گفتگو میں یہ الفاظ کہ جو "میرے دین کا دشمن ہے" غور طلب ہیں۔ سیاق عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ ضرور چھوڑ دیا گیا ہے۔ یقیناً انھوں نے یہ فرمایا ہوگا کہ محمد کا دشمن ہے اور محمد کے دین کا دشمن میرے دین کا دشمن ہے۔ یہ کاتب کی غلطی ہے یا بنی امیہ کے پردہ پیگنڈے کا اثر ہے۔ سیرت ابن ہشام میں بھی قریش کا آنا اور اس درخواست کا پیش کرنا اور ابوطالب کا انکاری جواب مندرج ہے ص ۸۹ اور سیرت النبوی ص ۱۶۱ و ص ۱۶۲ و تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۲۰ اور کامل جلد ۲ ص ۲۹ میں بھی یہ واقعہ موجود ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ قریش کے جانے کے بعد ابوطالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا اور حضرت رسول خدا کے فضائل ان سے بیان فرما کر حمایت و حفاظت کی تاکید کی۔

ابوطالب نصرت اسلام اور حمایت و محبت رسولؐ میں ڈوبے نغراتے ہیں۔ مشرکین مکہ سے سخت سخت مکالمے اور پرزور تقریریں کرتے ہیں۔ مدح و ثناء رسولؐ بیان فرماتے ہیں مشرکوں کی ہجو کرتے ہیں۔ تعریف رسولؐ میں قصیدے کہتے ہیں۔ ان کے دشمنوں سے (باقی صفحہ آئندہ)

یہی داغ ہیں جو ابوسفیان اور معاویہ کے دل میں ہمیشہ عداوت کی آگ بھڑکاتے رہے اور اسی جنگ بدر میں شکست کھائے اور بیٹوں اور عزیزوں کے قتل و اسیر ہونے کے صدمے اٹھا کر ابوسفیان نے یہ حلف کیا تھا کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا بدلہ محمدؐ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ غرض کہ طرح طرح سے اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس پر دشمنانِ اہلبیت کا یہ کہنا کہ ابوطالب کا فرمے انتہائی ناحق پرستی اور ہٹ دھرمی ہے۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت ابوطالب کا ایک طولانی قصیدہ درج ہے جس میں رسولؐ کی مدح اور ان کے دشمنوں کی قدح درج ہے۔ اس قصیدے کے اشعار نوتے سے زائد ہیں ہم اس کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ جب ابوطالب کو یہ خوف پیدا ہوا کہ عرب کے قبیلے ان کی مخالفت میں مجتمع ہو جائیں گے اور قریش کے ساتھ مل کر کوئی فتنہ اٹھا کر اٹھائیں گے تو اس وقت انھوں نے ایک قصیدہ کہا جس میں حرم کعبہ سے پناہ مانگتے ہیں اور اپنی منزلت و تعلق کو خانہ کعبہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اپنی قوم کے شرفاء کی تالیف قلب کر کے ان کو اور دوسرے قبیلہ والوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ابوطالب کبھی رسولؐ خدام کو دشمنوں کے حوالے نہ کرے گا اور کبھی رسولؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ جب تک رسولؐ کے سامنے مرنے جائے۔ اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں۔

کذبتم و بیت اللہ نترک مکۃ . . . ولطعن الی امرکم فی بلائیل

تم جو جھوٹے ہو خانہ کعبہ کی قسم ہے کیا ہم مکہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ آگاہ ہو تمہارا معاملہ فتنہ و فساد میں ہے)

کذبتم و بیت اللہ نبوی محمدؐ . . . ولہما لظاعن دونہ دونہما

(قسم ہے خانہ خدا کی تم جھوٹے ہو۔ ہم محمدؐ کو نہیں چھوڑ سکتے جب تک ان کے ساتھ

ہم نیزے اور تلواریں نہ کھالیں)

و ذلکمہ حتی نصیر حولہ و نذہل . . . عن ابنائنا و الحلال کل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نے لونگا اس وقت تک نہ عورت کے پاس جاؤں گا اور نہ سر میں تیل لگاؤں گا۔ پس غزوہ موہن کی بنیاد ابوسفیان کی اسی قسم کی بنا پر پڑی تھی۔ دیکھو روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل جلد ۷ ص ۱۳۷۔ کامل جلد ۲ ص ۶۶۔ طبری جلد ۲ ص ۲۹۹۔ سیرت ابن ہشام ص ۶۹، معارج النبوة ص ۷۔ معارج النبوة ص ۱۳۷۔ تاریخ خمیس۔ یہ اسی ادا کی پیروی تھی کہ یزید نے بھی ابن زیاد حاکم کو قہ کو لکھا تھا کہ جب تک حسینؑ فرزند رسولؐ کو قتل نہ کر لیتا نہ پیٹ بھر کر کھانا کھائیو اور نہ تکیہ پر آرام سے سر رکھ کر سوئیو۔ دیکھو یزید کا خط مندرجہ ناموس ہمام حصہ اول

دبقیہ حاشیہ) ہم محمدؐ کو اس وقت تک دشمنوں کے حوالے نہ کریں گے جب تک ان کے گرد رٹا کر مرنے جائیں اور ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بی بیوں کو بھول جاتے ہیں (وَابِیضَ لَیَسْتَسْقِیَ الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ شَمَالُ الْیَتَاحِیْ عِصْمَةُ لِلْأَرْحَمِیْلِ) ان کے نورانی چہرے بادل بھی سیراب ہوتے ہیں۔ وہ یتیموں کا پشت پناہ اور رائڈل کا سر پرست ہے (

لَقَدْ عَلِمُوا أَنِ ابْنَنَا لَا مَكْذِبَ لَنَا نِیَا وَلَا لِعِنِّیْ لِقَوْلِ وَلَا یَا حُلَّ رُبَّ شَكٍّ لَّوْكَ اسْ بَاتَ كُوْجَانَتِیْ هِیْ كِهْ هَمَارَافَرْزَنْدِ هَمَارَافَرْزَنْدِیْ هَرْگَزْ جُھُورِا نِهِنِیْ اور نہ وہ لایعنی اور جھوٹی باتیں کہنے والا ہے (

فَاصْبِرْ فِیْنَا اَحْمَدُ فِیْ اِسْ رُومِیَا لَقَضَرَعِنْدَ سُوْرَةِ الدِّیْطَاوُلِ (ہمارے درمیان احمدؑ اس طرح محفوظ ہے جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر محفوظ ہو کہ وہاں تک حمد کرنے والوں کے جوش و خروش نہیں پہنچ سکتے)

فَاَیَّدَهُ رَبُّ الْعِیَادِ بِنَصْرِهِ وَاطْهَرَدِیْنَا حَقَّةً غَیْرَ بَاطِلِ (بندوں کے پالنے والے رب نے اس کی نصرت فرمائی ہے۔ وہ اس کی تائید

کرنے والا ہے اور اس نے ایسے بچے دین کو ظاہر کیا ہے جو ہرگز باطل نہیں ہے)

سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۹۴ (باقی بر صفحہ آئندہ)

الوسفیان کی یہ خبیث تمنا تو پوری نہ ہوئی لیکن اگرچہ ”بدلہ گزشتہ“ اور ”سپر تمام کند“ معاویہ نے علیؓ اور حسنؓ سے بدلے نکالے اور یزید ملعون نے فرزند رسولؐ حسینؑ منظم کو ٹھیکہ کا پیاسا شہید کر کے دادا کی اس تمنا کو پورا کیا۔ اور کشتگان بدر کا بدلہ لیا۔ حسینؑ کے سر اقدس کو ہر دربار سونے کی لگن میں رکھ کر منوٹوں پہ چھڑی مارتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آج آل محمدؑ سے اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ دیکھو یزید کے اشعار: لبیت امیہ بنی ہاشم و الخ جو صواعق محرقة ص ۱۳۱ اور بیابیع المودۃ ص ۳۲۵ میں درج ہیں جن کو ہم تفصیل سے کسی دوسرے موقع پر درج کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ) پس یہ تو حیدر الہی اور رسالت محمدی کا اقرار نہیں تو پھر کیا ہے؟ کیا مشرکین مکہ اور کافروں کا یہی عقیدہ تھا؟ کیا اسلام کا عقیدہ اس کے خلاف ہے؟ بعض متعصب مورخین نے امیر معاویہ کے جوش محبت میں یہ لکھ مارا ہے کہ یہ قصیدہ جو ابن ہشام نے نقل کیا ہے عرتا یا موصوع ہے جو ابوطالب کے نام سے مشہور کر دیا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے لکھتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں شعراء و فصحاء سے اشعار اور خطبے تصنیف کرائے جلتے تھے۔ اور جاہلیت یا ابتداء اسلام کے شعراء و خطباء کے نام سے مشہور کیے جاتے تھے۔ ابن ہشام نے حضرت خدیجہ حضرت ابوبکرؓ، امیہ بن ابی الصلت اور ابوطالب کے سیکڑوں اشعار نقل کیے ہیں جو اس زمانہ کی زبان نہیں معلوم ہوتی اور ابن ہشام بھی ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعوں پر یہی لکھ دیتے ہیں کہ فن شعر کے ماہر ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ایک قصیدہ کے متعلق جو عبیدہ بن الحریث کے بارے میں کہا گیا تھا انکار کرتے ہیں کہ یہ قصیدہ ابوبکرؓ کا نہیں ہے۔ ہم ان لوگوں کے بیان کی تردید میں کہتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں جھوٹی اور وضعی احادیث و روایات کے بنائے جانے کا سلسلہ سلطنت و حکومت کے حکم سے بڑے زور شور کے ساتھ جاری تھا۔ علیؓ و آل علیؓ کی فضیلتوں کو مٹایا جاتا تھا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بروایت تاریخ کامل ص ۶۵ بدر کی خدمات کے صلہ میں آنحضرتؐ نے علی رضی اللہ عنہ کو ذوالفقار شعلہ بار عطا فرمائی۔ (نور الابصار مومن شعلہ بنی ص ۵۷) اس سے پہلے ذات العشرہ کے موقع پر علیؑ کو ابو تراب کے پیارے خطاب سے مخاطب فرما کر عزت بخشی تھی۔ اور ساتھ ہی زبان معجز بیان سے تقریباً چالیس سال بعد ہونے والے واقعہ کی پیشین گوئی (بقیہ حاشیہ) اور ان کی جھوٹی برائیوں اور منقصتوں کو پھیلانے اور شہرت دینے کا خاص انتظام اور اہتمام کیا گیا تھا جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہے۔ خود مولانا شبلی نے بھی سیرت النبیؐ میں اس کو لکھا ہے۔ پس ان متعصب حکومتوں میں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ ایسے اشعار کہ جو علیؑ کے باپ ابو طالب کی فضیلت اور ان کے اسلام کو ثابت کرتے ہوں۔ ابو طالب کے نام سے بتائے جائیں اور ان کو بالا علان شائع کیا جائے۔ بنی امیہ جو سچ کو مٹاتے اور اصلی باتوں پر پردے ڈالتے تھے جن کے خوف سے فضائل اہل بیتؑ کے متعلق کچی احادیث بھی لوگ نہیں بیان کر سکتے تھے بھلا کیونکر ممکن تھا کہ ان کے زمانے میں ایسے اشعار کا شیوع ہو جاتا جو میرا میرا ان کے پروپیگنڈے کے خلاف تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ قصیدہ بلا شک ابو طالب ہی کا ہے۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں کسی اور شاعر نے کہہ کر ان کے نام سے مشہور نہیں کیا۔ دوسرے ابن ہشام نے اس قصیدے کے نوے شعر سے زیادہ اپنی کتاب میں درج کیے ہیں اور پھر اس قصیدہ کو لکھ کر یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ میرے نزدیک یہ وہ شعر ہیں جو ابو طالب ہی کے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اور روایت درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب کے اس قصیدے کا شعر حضرت رسولؐ خدام کے سامنے ابو طالب کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں پڑھا گیا اور کہا گیا کہ یہ شعر ابو طالب کا ہے اور حضورؐ نے اس کو تسلیم و قبول فرمایا۔ ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جن کو میں ثقہ اور معتبر سمجھتا ہوں کہ ایک سال مدینہ میں فوط پڑا۔ لوگوں نے حضرت رسولؐ خدام کی خدمت میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی (باقی صفحہ آئندہ)

فرماتے ہوئے یہ بتا دیا کہ علیؑ کا مخالف، علیؑ کا دشمن، علیؑ کا قاتل بے شک شقی ترین مردم مبعوض خدا و رسولؐ ہے۔ دیکھو عمارؓ یا سرکی روایت ذات العشرہ کے موقع پر جبکہ علیؑ، عمارؓ یا سر کو لے کر قبیلہ بنی مدیح کو دیکھنے لشکر اسلامی سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور ایک درخت کے نیچے ریتی زمین پر دونوں لیٹ کر سو جاتے ہیں حضرت رسولؐ خدام پیچھے سے تشریف لائے ہیں۔ جگہاں فرماتے ہیں۔ قم یا ابا تراب۔ لے ابو تراب اٹھو، میں تمہیں بتا دوں کہ دنیا میں کون دو شخص شقی ترین مردم ہیں۔ ایک تو

(بقیہ حاشیہ) حضرت منبر پر تشریف لے گئے۔ بارش کے لیے دعا فرمائی۔ مینہ برسا شروع ہوا۔ اور اتنا پانی برسا کہ لوگوں کو ڈوبنے کا اندیشہ ہو گیا۔ حضرت نے رکنے کی دعا فرمائی۔ بارش موقوف ہو گئی۔ اس وقت حضرت نے فرمایا۔ اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے اور یہ حال دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اصحاب میں سے کسی نے عرض کی۔ کیا آپ کی مراد ابو طالب کے اس شعر سے ہے وابدیٰ لیستقی الغمام لوجہ الخ فرمایا ہاں۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو اسی امر کے ثبوت میں درج کیا ہے کہ یہ قصیدہ ابو طالب ہی کا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ اس کو غلط مان کر دوسرا خیال قائم کیا جائے۔ کتاب النبی المطالب میں بھی منبر پر یہی روایت علامہ بیہقی سے منقول ہے۔ اس میں لکھا ہے دعا مانگی۔ اللہم ہولنا ولا علینا اور پھر سکر کر فرمایا اللہ اکبر ابی طالب خدا ابو طالب کو جزائے خیر دے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس وقت بہت مسرور ہوتے۔ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کا قول ہمیں ستائے۔ پس حضرت علیؑ نے عرض کی۔ شاید آپ کی مراد ان کے اس قول سے ہے۔ وابدیٰ لیستقی الغمام لوجہ الخ حضرت نے فرمایا۔ ہاں۔ علامہ بزرگنجی بھی اسکو قبول کر رہے ہیں۔ علامہ بیہقی نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ اشعار ابو طالب کے ہیں۔ ان تمام شہادتوں کے بعد بھی یہ کہنا کہ یہ اشعار ابو طالب کے نہیں تعصب و عداوت کا کھلا ہوا نشان ہے۔

(باقی برصغیر آئندہ)

وہ ملعون سب سے زیادہ مشقی ہے جو قوم مشود سے ہے اور جس نے ناقہ صانع کو پیے کیا
اور دوسرا ملعون مشقی ترین مردم مختار قاتل ہے۔ پھر علیؑ کے سر اور ادریش الفرد
پر دستِ حق پرست رکھ کر فرمایا۔ جو یہاں تیرے سر پر تلوار مار گیا اور تختاری ڈاڑھی
کو تختارے سر کے خون سے رنگین کرے گا (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۷۲۔ معارج النبوة
ص ۱۷۱۔ معارج النبوة ص ۳۲۔ طبری ج ۲ ص ۲۷۱ و ۲۷۲۔ رسالہ بارہ امام ص ۱۷۱۔ معراج احمد کریم
عباسی چڑیا کوئی طعنہ عظیم گڑھ۔ کامل ج ۲ ص ۲۵۳۔ خمیس جلد اول ص ۱۷۱۔ سیرت محمدی (سما الراغبین ص ۱۷۱)

(البقیہ حاشیہ) تیسرے اس قصیدے کے اشعار جب جنگ بدر کے موقع پر عبیدہ بن الحارث نے
نہجی ہونے کے بعد پڑھے اور یہ کہا کہ کاش ابو طالب زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان اشعار کا مصداق
میں ہوں تو حضرت رسول خدام نے یہ نہیں کہا کہ یہ اشعار ان کے نہیں ہیں۔ خود مولانا شبلی
نے بھی اس روایت کو مع ابو طالب کے اس شعر کے درج فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے دیگر
معتبر کتابوں میں بھی مثلاً طبری جلد ۲ ص ۲۷۱۔ کامل جلد ۲ ص ۵۱۔ خمیس جلد اول ص ۲۷۲۔ واقدی ص ۲۷۲
اور کنز العمال وغیرہ میں بھی یہ روایت مع ان اشعار کے درج ہے۔ بنی امیہ کے ہوا خواہوں
نے حضرت ابو طالب کی تعقیص کے لیے ان اشعار کا موضوع ہوتا ثابت کیا ہے ورنہ حقیقت
وہی ہے جو ہم نے لکھ دی۔ امیر معاویہ اور بنی امیہ کی محبت کے دلدادہ علیؑ کے درپردہ دشمن
متعصب مورخ اپنی تصنیفات میں علمی تحقیقات کی ٹٹیاں اور تاریخی حیثیت کی آڑیں
بتا کر اپنے دل کا راز فاش کیا کرتے ہیں اور نفس رسولؐ پر جھوٹے طوفان باندھ کر ان کے
دامن عصمت کو کذب و افتراء کے ناپاک جھینٹوں سے داغدار بنانے کی کوشش کرتے
ہیں اور چودھویں کے نورانی چاند کو چوٹے کا قوا اور اپنے سیاہ تو۔ بے کو چودھویں کا چاند ثابت
کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس علمی تحقیقات کی ٹٹیوں کے کھوکھلے بانس اور اس تاریخی پہلو کے
جال کے کچے دھاگلے کی محقق محترم جناب سید وحی احمد صاحب بلگرامی کی محققانہ مقررہ
نے خوب کامیاب چھانٹا اور تار کر کے بکھیر دیا ہے اور ان کے اس اندھیر پر نہایت صاف روشنی
(باقی بر صفحہ آئندہ)

در بار رسالت کا یہ عطیہ خطاب (التراب) علی اپنا فخر سمجھتے تھے اور رسول خدام کو بھی علی کی یہ کنیت بہت زیادہ محبوب اور پیاری تھی مگر بنی امیہ اور ان کا سردار معاویہ منبروں پر بیٹھ بیٹھ کر اسی نام اور اسی کنیت سے علیؑ کی توہین کیا کرتے تھے۔ اور معاذ اللہ اسی کنیت سے آپ پر لعن و نبر کیا جاتا تھا (مدارج النبوة ص ۱۸) چونکہ التراب کے نام سے بدر کے واقعات اور کشتگان بدر کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اس لیے علیؑ کو بُرا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے تھے۔

(بقیہ ساشیہ) ڈال کر ان کی طبع سازی کی قلعی اچھی طرح کھول دی ہے۔ شائقین حضرات رسالہ نگار ماہ ستمبر ۱۹۲۵ء میں وہی احمد صاحب کا یہ لا جواب معنون "ملک خطا کی شہزادی" ملاحظہ فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے وظیفہ خوار بڑے بڑے امام و علماء محدثین و مؤرخین نے حلیم حدیث و روایت میں جھوٹی حدیثوں کو جمع کر کے ایک عجیب اندھیر مچا رکھا ہے بادشاہان وقت کو خوش کرنے کے لیے ہزار ہا جھوٹی حدیثیں گھڑ ڈالی ہیں اور سیرت محمدیہ کے صاف و شفاف چشمہ کو اپنی دروغ بیانی کی قابل تنفر نجاست سے ایسا گندہ بنا دیا ہے کہ غیر مذہب والوں کو زبان اعتراض کھولنے اور شریعت محمدیہ کے نورانی دامن پر بد نما داغ لگانے کے موقعے دے دیے ہیں۔ رسول کریم صاحب خلق عظیم، حتم مکارم الاخلاق جو ایک علیٰ خلق عظیم کا مصداق، صفات الہیہ کا مظہر اتم ہے اور جس نے اپنی سیرت پاک اور اسوۂ حسنہ سے حیوان صفت آدمیوں کو انسان کامل بنایا، اس کے نورانی و پاکیزہ اخلاق پسندیدہ خصائل کو اپنی خود ساختہ روایتوں سے اس لیے بگاڑا گیا ہے کہ ان نااہل اور بدترین خلائق خلفاء کے اخلاق شنیعہ کی پردہ پوشی ہو جائے جو زبردستی اپنے کو بنائشیں رسول بنا بیٹھے تھے انیسویں ان ہوا و ہوس کے بندوں اور مال و دولت کے لالچی علماء نے سلاطین بنی امیہ کے زیر اثر سیاست رسولؐ کی تصویر ایسے بھونڈے الفاظ میں کھینچی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے (باقی صفحہ آئندہ)

جنگِ اُحد : عہدِ رسولؐ کے اسلامی غزوات کے سلسلہ میں بدر کے بعد اُحد کی لڑائی ایک مشہور معرکہ الا راہ جنگ ہے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے لالچ سے بہت نقصان اٹھانا پڑا اور مسلمانوں کی ان بدعنوانیوں سے رسولِ الہیؐ کو بھی بہت سے صدمے اور اذیتیں پہنچیں۔ مشرکین مکہ کفارِ قریش ابوجہل و عتبہ وغیرہ جیسے نامی سرداروں کو کھوکھرا اور شکست فاش کھا کر واپس ہوئے تھے۔ تقریباً ایک سال تک اپنے ساتھ ستران عزیزوں اور ہشتہ داروں کے غم میں جو معرکہ بدر

(بقیہ ماضیہ) کہ آنحضرتؐ سیاسی اور شرعی احکام سے قطعاً بے خبر تھے اور علم و عقل سے ان کو مس بھی نہ تھا۔ یہ سب کوششیں محض اس لیے تھیں کہ جاہل اور بدکردار حکمرانوں کی آبروریزی نہ ہو اور دنیا کو ان کے احقاق نہ کردار پر انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ ان حماقت شعاروں نے دُنیوی فوائد کی طمع میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ اپنے عہد کے جابر و ظالم جاہل و فاسق خلفاء کی وقعت و منزلت اگر رسولِ خداؐ سے بلند اور اونچی نہ دکھا سکیں تو کم از کم برابر تو ضرور ہی دکھلا دیں۔ بالخصوص انتظامی اور سیاسی معاملات میں تو ضرور ایسی احادیث و روایات کو دکھلا دیں جن سے حضرت رسولِ خداؐ کا خود ان معاملات سے ناواقف اور بے علم ہونا اور بادشاہانِ دنیا کی طرح مشیرین کی رائے کا محتاج ہونا ثابت ہو سکے اور سلطنتِ الہیہ اور سلطنتِ دُنیویہ کے درمیان کوئی خاص مابہ الامتیاز فرق باقی نہ رہے اور خدا کا رسولؐ ایک معمولی انسان کی صورت میں نظر آنے لگے۔ بھلا ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ انھوں نے اپنے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے یہ لکھ مارا ہو کہ یہ اشعار ابوطالب کے نہیں ہیں۔ اہل بیتؑ سے جیسی کچھ عداوت لوگوں کو بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں سے کیا بعید معلوم ہوتا ہے اگر وہ ایسی بدیہی اور صریحی بات کہے منکر ہو جائیں۔ ابوطالب حضرت علیؑ کے باپ تھے۔ پس علیؑ کے فضائل جہاں اور بیت سے ملنے گئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں مقتول ہوئے تھے سوگ نشین اور ماتم زن رہے لیکن اس مدت میں ان کے پرکینہ سینوں سے انتقام کشی کی آگ کے شعلے برابر اٹھتے ہی رہے۔ عورت، مرد، جوان و پیر سب کے سب آنحضرتؐ سے بدلہ لینے کے لیے بے چین نظر آ رہے تھے۔ انتقام کی آوازیں ہر طرف سے آ رہی تھیں چونکہ عتنبہ اور ابو جہل مارے جا چکے تھے لہذا کفار قریش نے اپنی سرداری کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھ دیا تھا (سیرۃ النبی ص ۶۶۶)

(بقیہ حاشیہ) ایک یہ بھی سہی کہ ان کے پدر بزرگوار کو کافر ثابت کیا جائے۔ ان اشعار کے متعلق ابھی ہمارے پاس بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوة ص ۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں: ”دریں ابیات ہجو و مذمت قریش کردہ در افکار و عداوت قریش مرا اور اثر غیب نمودہ بر اطاعت و اذعان و قبول اسلام و اس یقین گفہ کہ دریں ابیات دلالت است بر آنکہ ابوطالب مے دانست نبوت آنحضرتؐ را پیش از بعثت“ اور پھر لکھتے ہیں کہ شیخ ابن حجر عسقلانی گفہ ”انشاء ابوطالب ای شعر العبد از بعثت است و معرفت ابوطالب نبوت آنحضرتؐ را در بسیاری از اخبار آمدہ“۔ مدارج النبوة میں حضرت ابوطالب کا ایک شعر اور بھی مدح آنحضرتؐ میں درج ہے۔ وہ یہذا ہے

و شوق لنا من اسمہ لیجدہ فذوالعرش محمود و هذا محمد
در بار رسالت کے شاعر حنیان بن ثابت نے ابوطالب کے اسی شعر کو تفسیر کیا ہے۔
حنیان رہا کا شعر ہے

الہیٰ تو ان اللہ ارسل عبیدہ بآیاتہ واللہ اعلیٰ و امجد
”کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا اور اللہ سب سے اعلیٰ اور بزرگ ہے۔“

ابوطالب کا شعر ہے

و شوق لنا من اسمہ لیجدہ فذوالعرش محمود و هذا محمد
(باقی بر صفحہ آئندہ)

حادثہ رسولؐ میں چونکہ ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کے دماغ سب سے زیادہ
جل رہے تھے لہذا ابوہل کا بیٹا حکمران اور ابن ربیعہ ابوسفیان کے پاس گئے اور مشورہ
کے بعد یہ طے پایا کہ امسال تجارت شام میں جو کچھ منافع ہوئے وہ سب جنگلی سارو
سامان میں صرف کر کے پیغمبر اسلامؐ سے جنگ بدر کا پورا پورا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ
مدینہ پر چڑھائی اور مسلمانوں سے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ عمرو عاص جو امیر معاویہ
کا وزیر خاص اور مشیر تحریر کا رہتا اور اس کا باپ عاص بن وائل جو رسول خداؐ کی سخت
ترین دشمن تھا اسی بدبخت نے حضرت ابراہیمؑ فرزند رسولؐ کی وفات پر حضرت رسول خداؐ
کو ابر کھاتھا (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۳۳) اور ابو عزمہ اور ابن زبیرؓ مشاعر کو عرب

(بقیہ حاشیہ) ترجمہ "خدا نے اس کا نام اس کی بزرگی ظاہر کرنے کے لیے اپنے نام سے
مشق کیا ہے۔ پس خدا کا نام محمد دے اور اس کا نام محمد ہے" (مدارج النبوة ص ۲۳)
بے شک ابوطالب جس طرح بعثت سے پہلے رسول خداؐ کی نبوت کو مان چکے تھے
اسی طرح بعد بعثت بھی رسالت محمدیؐ کا اقرار چکے ہیں۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ قریش کے سرداروں ابوسفیان، ابوہل، عتبہ، ولید
اور عمرو عاص وغیرہ نے دیکھا کہ ابوطالب کسی طرح محمدؐ کو تین چھوڑتے اور ان کی نسبت و
حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھاتے اور محمدؐ کی تبلیغ روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ مسلمانوں کی
جماعت بڑھتی جاتی ہے اور امیر غزوہ حبشیہ اسید و سردار قوم بہادر و شجاع عم رسولؐ
محمی اسلام لاکر محمدؐ کے ساتھ ہو گیا ہے۔ اور حضرت عمر ابن خطاب حبشیہ ایک خاص قابلیت
کا شخص بھی جو ابتداء میں اسلام کی عداوت و دشمنی میں کفار قریش کے شریک حال
اور پھر زور ہم صدا و ہم دوائے تھے۔ بعثت رسولؐ سے پانچ یا چھ سال بعد مسلمان ہوئے۔
جناب عمر ابن خطاب ایک خاص سیاسی قابلیت کے آدمی تھے اور اسلام قبول کرنے
سے پہلے دین اسلام کی مخالفت اور عداوت اور مسلمانوں سے دشمنی کرنے میں کفار
(باقی صفحہ آئندہ)

کے قبیلوں میں اپنی آتش بیانیوں سے انتقام کی آگ بھڑکاتے کا بہت کچھ موقع ملا۔
 (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۷۷۔ مدارج النبوة ص ۱۷۷، سیرۃ النبی شبلی، وادی ص ۱۷۷، معارج
 النبوة ص ۱۷۷، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۷۷، سیرت ہشام جلد ۲ ص ۱۷۷، تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۷۷،
 سیرت محمدی وغیرہ)

الفرض جنگ بدر سے ایک سال بعد شوال کے مہینے ۳ھ میں ابوسفیان
 پوری تیاریوں کے ساتھ بڑے بڑے نامی بہادروں کو ہمراہ لے کر مع اپنی نامور بی بی
 ہندہ مادر معاویہ اور ان کی چودہ سہیلیوں کے تین ہزار کی جمعیت سے جن میں سات سو

(بقیہ ماثیہ) قریش کے شریک حال ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔ جناب رسول خداؐ کے نہایت دشمن
 اور مسلمانوں کو تکلیف و اذیت پہنچانے میں نہایت تیز و تند تھے (تاریخ ابن ہشام ص ۲۲۷ و
 ص ۲۲۸، تاریخ ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۳۲، تاریخ ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۷۷) خود اپنی ایک کنیز کو
 جس کا نام بُبْنِیہ تھا اور یہ بیچاری مسلمان ہو چکی تھی مسلمان ہونے کے جرم میں اس قدر
 مارتے تھے کہ جب تک تھک نہ جاتے پھوڑتے نہ تھے اور کہتے کہ میں نے تجھے پھوڑا نہیں
 بلکہ تھک کر ٹھہر گیا ہوں جس کا اس مظلومہ مومنہ نے یہ جواب دیا کہ اس طرح خدا بھی
 تیرے ساتھ کرے گا۔ اگر تو مسلمان نہ ہوگا۔

حضرت امیر حمزہ ابن عبدالمطلب عم رسول کریمؐ کے مشرت بہ اسلام ہونے کے
 تین دن بعد یعنی بعثت رسولؐ کے پانچ یا چھ سال بعد یکایک مسلمان ہو گئے۔ جناب
 مدوح کے اسلام قبول کرنے کے حالات و کیفیت کو علمائے سیر و تاریخ و محدثین اذ
 مورخین اسلام نے تفصیل کے ساتھ اپنی مستند تصانیف میں درج فرمایا ہے۔ مصنف
 تاریخ خمیس جلد اول ص ۳۳۲ میں لکھتے ہیں۔ ان قریشیاجتمع فتشاورت فی امر
 النبی فقالوا ای رجل یقتل شہداً فقال عمر ابن الخطاب انا لہما یعنی
 قریش نے جمع ہو کر آنحضرتؐ کے معاملہ میں باہم مشورہ کیا اور کہا کون شخص ہے جو محمدؐ کے
 (باقی برصغیر آئندہ)

زہر پوش جوان، دو سو سوار ہزار اونٹ، پندرہ ہودجیں تھیں شہنشاہ اسلام سے
مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ بدھ کے دن مدینہ رسول کے قریب پہنچ کر اٹھ پر
ڈیرے ڈال دیے (سیرت النبی ص ۲۴۳، مدارج النبوة ص ۱۲۱، سیرت ہشام ص ۷۸،
کامل جلد ۲ ص ۷۲، طبری ج ۲ ص ۱۲۷، خمیس جلد ۱ ص ۴۴۳، ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۷۷ و اتدی
ص ۶۹، البدایہ جلد ۲ ص ۱۳۷، معارج النبوة ص ۸۶)

ادھر یوسفیان کی چڑھائی کی خبریں پہنچنے اور آتش و موتس اسلامی خبر رسالوں کے
اطلاع دینے پر کہ یوسفیان کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ گیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ
(علیض) کو ان کے جانوروں نے صاف کر دیا ہے۔ رسول اللہ بھی بعد نماز جمعہ

ربیعہ حاشیہ، قتل کا بیڑا اٹھائے۔ عمر ابن الخطاب نے کہا میں اس کام کو پورا کروں گا۔
صاحب معارج النبوة دکن سوم ص ۵۸ میں لکھتے ہیں۔ ”ابو جہل گفت اے معشر قریش
محمد در دین شطا طعن میکند اے شہزاد شہنام می دہد و آباد و احباد شمارا در آتش منزل
تعیین می نماید و این ہمہ امانت بما و احباد و آبائما و اللہ یلئے ما میرساند ہر کہ اورا از
شما بقتل رساند صد ناکہ حرام و ہزار اوقیہ زر و نقرہ دیفیار کہ چہل ہزار درہم باشد
یا تسلیم نماید۔ امیر المومنین عمر ابن الخطاب (سبحان اللہ اس وقت بھی حضرت عمر
امیر المومنین کے خطاب کے مستحق ہیں) از میان قریش برخواست و گفت یا ابا حکم النعمان
(ابا حکم ابو جہل کی کنیت ہے) صحیح؟ انجہ وعدہ میکنی بوصول خواہد ہوسست یا بجزد سخن
است گفت البتہ بوصول میرسد نقدہ نسبہ عمر گفت سو گند بلات و عزتی کہ چنین
اشت؟ گفت بلے۔ عمر دست ابو جہل گرفت و بکعبہ در آمد و ہبل را کہ اعظم اصنام
بود گواہ گرفتند۔ عمر بیرون آمد و شمشیر حائل کردہ بقصد قتل آنحضرت رواں شد و
سو گند بلات و عزتی یاد کرد کہ باز نیامد و از پائے نہ نشینم (خاکم بدیان معاذ اللہ
تا میر محمد زانیا رم۔“)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مقابلہ اور مدافعت کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ بروایت مدارج النبوة ص ۱۲۴
ومعارج النبوة ص ۵۸، وواقعی ص ۳ و تاریخ خمیس ص ۴۴۴ فوج اسلامی کے تین
نشان ترتیب دیے جاتے ہیں۔ مہاجرین کا علم علی مرتضیٰؑ یا مصعب ابن عمیر کو دیا گیا
قبیلہ خزرج کا علم حباب ابن منذر یا سعد بن عبادہ انصاری کو اور قبیلہ اوس کا
علم اسید بن حضیر کو عطا کیا۔ اسلامی فوج میں سپاہیوں کا شمار ایکزار ہے لیکن مدینہ
سے باہر نکل کر حبیب عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہو جاتا
ہے تو میدان میں صرف سات سو جان تیار و جاننا نہ مسلمان باقی رہ جاتے ہیں۔ کل

(بقیہ کاشیہ لا ترجمہ) ”ابو جہل نے کہا اے گروہ قریش محمد تمہارے دین کو طعنہ دیتا، تم
کو تمہارے خداؤں کو بُھا کہتا اور تمہارے باپ دادوں کو جہنمی بتاتا، ہماری ہمار
باپ دادوں اور خداؤں کی ذلت اور توہین کرتا ہے۔ جو شخص تم میں سے اس کو
قتل کرے میں اس کو سو سترخ بالوں والے اونٹ ایکزار اوقیہ سونا پانڈی ہونی لیس
ہزار درہم کے برابر ہے انعام دوں گا۔ عمر ابن الخطاب اس مجمع قریش میں
کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اے ابو الحکم (جو ابو جہل کی کنیت ہے) کیا یہ صحیح ہے؟
جو وعدہ تم کرتے ہو یہ ضرور پورا ہوگا یا محض باتیں ہی باتیں ہیں؟ ابو جہل نے
کہا کہ ضرور نقد، نہ ادھار۔ عمر نے کہا لات و عزیٰ کی قسم؟ ابو جہل نے کہا ہاں۔
عمر نے ابو جہل کا ہاتھ پکڑا اور خانہ کعبہ میں لے جا کر بڑے بُت پستل کو گواہ بنایا
اور باہر آ کر تلوار نکال کر آنحضرتؐ (دل و جانم قتلے جانن اشمش باد) کو قتل
کرنے کے ارادہ سے چل پڑے اور لات و عزیٰ کی قسم کھائی کہ نہ بیٹھوں گا
اور نہ واپس آؤں گا جب تک کہ (معاذ اللہ) محمدؐ کا سر نہ لادوں۔“

انسان العیون حلبی اور حمید مورخین نے اسی طرح اس کیفیت و حالات کو اپنے
اپنے انداز سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا جوش شجاعت و بہادری
(باقی بر صفحہ آئندہ)

فوج میں صرف دو گھوڑے اور سوزرہ پوش میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیر النبی
 ۲۴۲ و ۲۴۳۔ کامل جلد ۲ صفحہ ۴۲ طبری ج ۲ صفحہ ۱۲۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۴۸-۴۹
 مدارج النبوة ص ۱۱۱ و ۱۱۵ وغیرہ۔ الغرض لشکر قریش مقابلہ کو بڑھتا ہے۔ ابوسفیان
 اس طرح صف آرائی کرتا ہے کہ سینہ پر خالد بن ولید، پیرو پر عکرمہ بن ابوہل، کو قائم
 کرتا ہے۔ سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ تیر اندازوں کا انصر
 عبد اللہ بن ربیعہ کو بنایا جاتا ہے۔ علمدار لشکر طلحہ قرار پاتا ہے۔ ہندہ بنت عتبہ امیر
 معاویہ کی ماں اپنی چودہ سہیلیوں کے ساتھ دقین بجائی، کشتگان بدر کا ماتم کرتی
 اور رگوں میں انتقامی خون اونٹلنے کے لیے پرجوش بجزوں گاتی، آگے آگے آتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) میں تیز و تند ہو کر انعام کے لالچ میں غضبناک شمشیر کیف رسول اللہ کو
 قتل کرنے کے ارادہ سے نکلنا۔ راستے کے حالات۔ سعد ابن وقاص سے ملے بھڑ
 ہونا اور بہن بھائی کے مسلمان ہو جانے کی خبر سن کر پہلے ان کے گھر تلوار کھینچے جانا
 اور بہن بہنوئی کو خوب مارنا پیٹنا، اہولہان کرنا اور اس راسخ الاعتقاد نیک مومنہ نبی
 کا بھائی کے ہاتھوں اہولہان ہو کر یہ کہنا کہ عمر بنون آئے کر و گرا سلام اب دل سے
 نکل نہیں سکتا اور حجاب و سعد کے ساتھ رسول اللہ کی طرف آنا تفصیل سے سورج
 کیا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ جب حجاب و سعد کے ساتھ حضرت عمر تلوار سونٹتے
 رسول اللہ کی طرف آئے اور دروازے پر دستک دی حضرت حمزہ اور اصحاب
 رسول نے جو موجود تھے عمر کو اس ہدیت اور صورت سے دیکھا تو حضرت حمزہ نے
 فرمایا، آنے دو۔ کچھ پروا نہیں۔ اگر دوستی کے ارادہ سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی
 تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ پھر آنحضرتؐ خود یہ نفس نفیس اٹھے۔ صحن میں تشریف
 لائے اور حمزہ کی چادر کپڑ کر لیا سخت بھینچا اور اس زور سے جھٹکا دیا کہ ہدیت محمدی
 اور خود رسالت سے عمر کانپ اٹھے۔ دین اسلام کی بھائی رسول الہی کی روحانیت و
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

بس اُحد کی لڑائی میں اگر ایک طرف امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان قریش کے بڑے
 بُت پہل کو سر پر اٹھائے رسول عربیؐ کے مقابلہ میں اسلام کے مخالف کفار کے
 لشکر کو لڑاتے اور مشرکین مکہ کی فوجوں کو کمان کرتے دکھائی دیتے ہیں تو ان کے
 ساتھ ساتھ دوسری جانب ان کی بی بی امیر معاویہ کی مادرِ گرامی ہندہ بنت عتبہ
 سولہ سن کا رکھے بال بال موتی پر دسے سہیلیوں کے جھرمٹ میں حسن کی جھلکیاں دکھاتی
 دھیں بجاتی عشق و محبت کے گیت گاتی سے

(بقیہ حاشیہ) حقانیت نے جلوہ دکھایا۔ رسول الہیؐ کے صداقت بھرنے بارعب الفاظ نے
 کان کھول دیے۔ توارِ مچینک کر مودبانہ حضورِ رسولؐ بھیٹ گئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا
 کیوں اے عمر! تم کس ارادے سے آئے ہو؟ کیا تم اس وقت تک باز نہ آؤ گے؟
 جب تک ولید بن مغیرہ کی طرح تم پر بھی عذابِ الہی نازل نہ ہو؟ بس آفتابِ رسالت
 نے جلوہ دکھایا۔ کلامِ الہی کا رعب طاری ہوا۔ حضرت عمرؓ نے غصا کر کلمہ شہادت پڑھا
 اور سمان ہو گئے۔ تاریخ کامل ص ۱۱۰۔ تاریخ ابوالفدا جلد اول ص ۱۱۰۔ تاریخ خمیس
 جلد اول ص ۳۳۳ و ۳۳۴ وغیرہ۔ مولانا شبلی الفاروق جلد اول ص ۲۵۰ اور ذاب
 محسن الملک آیاتِ بقیات ص ۸۰ میں تحریر کرتے ہیں: "حضرت عمرؓ اور دوسرے ابوہل
 نہایت مغرور اور مشہور نامور تھے اور ان کو سب سے زیادہ عداوت بھی پیغمبرِ صاحب
 کے ساتھ تھی۔ یہ شبِ دروز اسلام معدوم ہو جانے کی فکر میں رہتے تھے۔ ابوہل
 نے جس کو پیغمبرِ صاحبؐ کے ساتھ دلی عداوت تھی اپنے بھائیوں سے کہا کہ جو کوئی پیغمبرِ صاحبؐ
 کو قتل کرے اور ان کا سر میرے پاس لائے اس کو ہزار شتر سرخ بالوں والے اور بہت سے
 درہم و دینار صلہ میں دوں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کلام کو اپنے ذمہ لے لیا اور پیغمبر
 صاحبؐ کے قتل کے ارادے سے چلے۔ جب دولتِ سراپہ پہنچے تو کوئی دروازہ کھولنے کو
 نہ اٹھا مگر حضرت امیرِ حمزہؓ چچا پیغمبرِ صاحبؐ کے یہ کہہ کر لٹھے کہ وہ ایک آدمی ہے۔
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

محسن نيات طارق نمشي على النار
مشي القطا والبوارق والمشك في النار
والدار في المخالف ان تقبلو تعالق
ونفس في النار ان نذير والفارق

فسراق عن دامق

(ترجمہ) ہم ستارہ صبح کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قطا پرندے یعنی چکور کی طرح باہن کی چال سے اپنے پاؤں سے مسندوں کو روندتی ہیں۔ ہم اپنے سر کے بالوں میں مشک مٹے ہوئے اور موتیوں کے کٹھے پہنے ہوئے ہیں۔ پس اگر تم لڑائی میں آگے بڑھو گے تو ہم تم کو پیادے سے گلے لگائیں گے اور اگر تم پیچھے پھرا کر بھاگو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔ بیزاری سے الگ ہونا۔

(بفتہ حاشیہ) اگر اطاعت کے ارادے پر آتا ہے تو خیر، ورنہ اس کی تلوار ہے اور اس کا سر۔ چنانچہ حضرت عمر اندر داخل ہوئے۔ جناب پیغمبر صاحب بفتہ نفیس اٹھے اور ان کو الیاد بایا کہ ان کی آنکھیں نکل پڑیں۔ نیز دیکھو نور الابصار مومن شلخی صفحہ ۹۱۔ ۹۰۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے خدائے جلیل سے دعا فرمائی تھی کہ عمر کو مسلمان ہونے کی عزت بخشی جائے۔ لا ت الاسلام تعز ولا لعن تاریخ نہیں جلد ۳

بلا شک اسلام ہی انسان کو عزت و شرف بخشتا ہے نہ کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے سے دین الہی اسلام محمدی کو کوئی عزت و شرف حاصل ہو۔ بیشک اسلام قبول فرمانے سے پہلے پہلے تو جناب ممدوح تلوار کے بڑے دھنی اور اسلام کی مخالفت میں جہلی شجاعت بہادری کے پتے نظر آتے ہیں مگر اسلام قبول فرما سنے یا نصرت اسلام میں کبھی بہادری نفیس کسی جنگ میں کسی لڑائی میں کسی جہاد میں کسی غزوہ میں رسول اللہ کے رسول کیوں میں اس بہادری کے جوہر دکھلاتے نظر نہیں آتے نہ کسی کافر مشرک کا سر کاٹتے۔

غرض کہ اس طرح سپاہیوں کو جنگ کا جوش دلاتی فتح پر وصال کے دعرے اور بھلگئے پر بھر کی دھمکیاں دیتی ہو دھوکے کے اندر چمکتی دھمکی نظر آ رہی ہیں اور کبھی فوج کے نشان بزدل بنی عبدالدار کے سپاہیوں کو دوسرا راگ سن کر آمادہ جنگ کرتی ہیں۔

ضریاً بنی عبدالدار ضریاً حماة الدار ضریاً اصل تبار

(ترجمہ) ”ہاں اے بنی عبدالدار کے بہادر و ایک وار کر کے دکھاؤ۔ ہاں اے وطن یعنی مکہ کے حمایتیو اپنی تلواروں کے جوہر دکھاؤ۔ ہاں خوب تلواریں مارو۔“

(بقیہ عاشیہ) دکھائی دیتے ہیں۔ کم از کم ہم کو تو کسی تاریخ میں کسی جنگ کے موقع پر کسی ایک کافر کو بھی حضرت عمر کے دست شجاعت سے قتل ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ بدر میں نہ احد میں نہ خندق میں نہ خیبر وغیرہ میں۔

الغرض تاریخوں سے ثابت ہے کہ قریش کے نمودار سرداروں نے ابوسفیان، ابویہل، عتبہ، ولید اور عمرو عاص وغیرہ نے دیکھا کہ ابوطالب کسی طرح محمدؐ کو نہیں سچوڑتے اور ان کی نصرت و حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھاتے اور محمدؐ کی تبلیغ روز افزوں ترقی کر رہی ہے مسلمانوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے تو سب نے جمع ہو کر آنحضرتؐ کے بارہ میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ابوطالب اور بنی ہاشم سے ترک موالات کی جائے۔ ان کے ہاتھ خرید و فروخت سلسلہ بند کیا جائے۔ مناکحت و مواصلت کو قطع کیا جائے۔ کھانے پینے کی چیزیں قطعاً جائیں۔ نہ کوئی ان سے مل سکے نہ وہ کسی سے مل سکیں۔ غرض کہ اس امر پر ہمیں ہاشم کے بائیکاٹ کرنے کا معاہدہ کر لیا اور اس کو خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا نہ پیارے بھتیجے کے ساتھ مع اپنے خاندانی افراد کے ایک مالک کے نام سے مشہور ہے پناہ گزین ہو گئے۔

(باقی پر صفحہ آئندہ)

دعوت
صاحب
نہ اٹھا کر
بھتیجے کے ساتھ مع اپنے خاندانی افراد کے ایک مالک کے نام سے مشہور ہے پناہ گزین ہو گئے۔

انجام کار ہندہ جگر خوار نے وہ شرمناک بار بھی اپنے گلے میں ڈالا جس نے دنیا سے انسانیت کی آنکھ بچی کر دی۔ علامہ شبلی سیرت النبی ص ۷۴۳ و ۲۸۰ پر لکھتے ہیں: خاتون قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بدلہ لیا۔ ان کے کان ناک کاٹ لیے۔ ہندہ (معاویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اگلی دنیا پٹا۔ تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا

(بقیہ حاشیہ) ابولہب بد بخت نے بنی ہاشم کا ساتھ چھوڑ دیا اور ہندہ بنت عتبہ کے پاس جا کر کہا دیکھو میں نے کیا نالت و عزیزی کی نصرت و حمایت میں بنی ہاشم کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور تمہارے ساتھ شامل ہو گیا ہوں۔ ہندہ بہت خوش ہوئی اور کہا شاہش صیح ابن کار از تو آید و مردال چنین گنستند۔

ابوطالب تین سال تک بنی ہاشم کے ساتھ رسول خدا کی حمایت میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھاتے اور فاقہ کشی کی مصیبتیں بھگیتے رہے۔ اپنی جان سے زیادہ محمد کو جانتے اور اپنی اولاد سے زیادہ ان کی حفاظت کرتے تھے۔ جو سر پر پڑی وہ جھیلی مگر آنحضرتؐ پر آنچ نہ آنے دی۔ تین سال کا زمانہ اسی پریشانی میں گزر گیا آخر حکم خدا سے قریش کے اس معاہدہ کو دیکھنے لکھایا۔ خدا نے جلیل نے اپنے حبیب کو خبر دی اور رسول کریمؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے بیان فرمایا۔ ابوطالب ان کی صداقت پر یقین کامل رکھتے تھے۔ یہ خبر سن کر خانہ کعبہ میں آئے قریش کو جمع کر کے فرمایا۔ دیکھو میرے بھتیجے محمدؐ نے خبر دی ہے کہ تمہارے اس معاہدہ کو خدا کے حکم سے دیکھنے لکھایا ہے اور سو اے خدا کے نام کے باسمک اللهم کے کوئی لفظ باقی نہیں ہے۔ پس اس کو کھولو اور دیکھو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یقین کرو اور سمجھ لو کہ تم سچے ہیں اور تم باطل پر ہو۔ یہ سن کر قریش اٹھے۔ خانہ کعبہ میں سے اس معاہدہ کو لائے کھول کر دیکھا تو جیسا حضرتؐ نے فرمایا تھا ویسا ہی پایا۔ ابوطالب خوش ہو کر فرمانے لگے۔ کیوں (باقی برصغور آمیندہ)

ہے وہ اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ تہذیب فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے۔ یہی مضمون تاریخ الباقیہ جلد ۱ ص ۱۳۹ اور سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۸، اور ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۶ و ۲۷۔ طبری جلد ۲ ص ۱۳۰۔ کامل جلد ۲ ص ۴۷ و ۴۸۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۲۷ روضۃ المناظر ص ۱۲۷ و ۱۳۰۔ برہان شیعہ کامل جلد ۴۔ واقعی ص ۹۵۔ استیعاب جلد ۱ ص ۱۰۲۔ اعجاز التنزیل ص ۳۷ و ۳۸۔ معارج النبوة ص ۱۶۰۔ معارج النبوة ص ۱۰۹۔ سیرت محمدی و روضۃ الصفا وغیرہ

البقیہ حاشیہ ۱۱۱ نہیں کہتے تھے کہ تم لوگ ظالم اور جھوٹے ہو؛ اور پھر یہ شرط ہے
وقد کان فی امر الصحیفہ عجباً متی ما یخبر غائب اقوم تعجب
”بیشک اس صحیفہ اور معاہدہ کا معاملہ بہت عبرت خیز ہے جب اس واقعہ کی خبر ان سے
بیان کی جائے جو یہود نہ تھے وہ بہت تعجب کریں گے۔“

صحا اللہ منہم کفرہم وعقوبتہم وما لعمروا من الحق الحق معرب
”خدا نے ان کے کفران کی نافرمانی اور ان کے ظلم و جور کو اپنے حق گوئی کے ساتھ بالکل مٹا
دیا ہے۔“

فاصبر ما قالوا من الامر باطلاً ومن یختلع مالیں بالحق یکنب
”پس جو عہد ان لوگوں نے باندھا تھا وہ جھوٹا ہو گیا اور جو شخص خلاف حق بولنے کی عادت
رکھتا ہے وہ ہمیشہ جھوٹا ہوتا ہے۔“ (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۴۷)

یہ تاریخی واقعہ اور مسئلہ امر ہے کہ رسولِ خدا کی بعثت سے پہلے اور ظہورِ اسلام سے
قبل ملکِ عرب اور قبائلِ قریش بت پرستی اور شرک و مکر ایسی پڑے ہوئے تھے۔ قبیلہ قبیلہ
کا بت جدا تھا۔ گھر گھر بت پرستی ہوتی تھی۔ جدا جدا بت پوجے جاتے تھے۔ کوئی نائلہ کے
آگے سر جھکاتا تھا، تو کوئی لات کے پاؤں پر ناک رگڑتا تھا۔ کوئی ہیل کو سر پر رکھ پھرتا تھا
کوئی عزیٰ کو سجدے کرتا تھا مگر کوئی تاریخ ثابت نہیں کر سکتی کہ ابو طالب دینی لاشم کا بھی کوئی
(باقی بر صفحہ آئندہ)

میں بھی موجود ہے۔

تفسیر و حدیث و تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس جنگِ اُحد کے واقعات اپنی تحقیق و اطلاع کے مطابق درج کیا گیا ہے۔ اس معرکہ میں رسولِ خدا کے قوتِ بازو علی بن ابی طالب بدر و اُحد کے ہیرو، فاتحِ خیبر کی لاثانی و بے مثال اسلامی خدمات اور حضرت حمزہ سید الشہداء و عم رسولؐ کی بے نظیر دینی خائیتوں، ابودجانبہ و انس بن نصر جیسے جانتا زہاد و اصحاب کی وفادارانہ جان نثاریوں اور ان کے سچے اسلام پر حق طرح

(بقیہ حاشیہ) بت تھا۔ اسی طرح کسی تاریخ اور کسی روایت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کسی وقت میں بھی ابوطالب کو کسی بت کے آگے سر جھکاتے یا کسی کی جے پکارتے دیکھا گیا ہو جیسا کہ ابوسفیان روزانہ لات و عزری کی پوجا پاٹ کرتا تھا۔ اور لڑائیوں میں ہتل کو سر پر اٹھائے "اعلیٰ الہی، اعلیٰ الہی" کے نعرے لگایا کرتا تھا (دیکھو کنز العمال واقعہ خندق) حذیفہ کو سخت و شدید سردی اور بارش کی رات میں لشکرِ کفار کی طرف جاسوسی کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ حذیفہ بحکم رسولؐ جاتے ہیں تو ابوسفیان کو وقتِ صبح لات و عزری کے آگے سر گرٹتے دیکھتے ہیں۔ اذاکان وجد السحر قاہر ابوسفیان یدعو اللات والعزری ولشیرک۔ یعنی جب سحر ہوئی تو ابوسفیان اٹھا اور لات و عزری کی پرستش کرنے لگا۔ بڑھاپا اس کے حضرت رسولؐ خدام کے آباد و احباد ہاشم و عبدالمطلب وغیرہ ہمیشہ سے اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دین کے ملنے والے اور خدا کو وحدہ لا شریک نہ جاننے والے رہے ہیں۔ اس کی تصدیق خود خداوند عالم نے قرآن میں فرمائی ہے دیکھو آیہ یقلیل فی الساجدین۔ بلا شک یہ نور الہی ہمیشہ اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طاہرہ میں ہی منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ ان کے دامن ہمیشہ بت پرستی اور کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک و صاف رہے۔ انا و علیٰ مین نور واحد اس پر شاہد ہے کہ رسولؐ کی طرح علیؑ بھی ہمیشہ نجاستِ شرک سے محفوظ رہے۔ وہ اپنی نورانی (باقی بر صفحہ آئندہ)

پوری روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ابوسفیان اور مہندہ وغیرہ کی وحشیانہ اور درندہ
حرکات اور دین اسلام سے بغض و عناد کا حال بھی بخوبی روشن ہوتا ہے۔

القصة جب ابوسفیان کے زیرِ کمان قریش کا لشکر مہندہ اور اس کی سہیلیوں کے
زمینہ گیت اور سریلے نغموں سے مست ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کو بڑھا تو شہنشاہ اسلام
صنوبر سرورِ عالم نے بھی اُحد کو کشت پر رکھ کر لشکرِ اسلامی کی صف آرائی فرمائی۔ قریش کے
علمدار طلحہ کے مقابلہ میں لشکرِ اسلامی کا علم مصعب ابن عمیر کو دیا گیا۔ زبیر ابن العوام رسالہ

رلقیہ حاشیہ) خلقت میں رسولِ الہی کے شریک ہیں۔ (ملاحظہ ہو ارجح المطالب مولوی عبید اللہ
امرتسری ص ۲۵۸-۲۵۹ اور مناقب احمد حنبل خوارزمی، ابن عساکر، ابن مغازی، انبا مع المودة
منہ و تفسیر زین الفنی امام عاصمی)

بیشک حضرت ہاشم اور حضرت عبدالمطلب کا وہی دین تھا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ
کا تھا اور بلا شک حضرت ابوطالب کا بھی عمری دین تھا۔ جو عبدالمطلب کا تھا۔ وہ حضرت رسول
خدا کی معرفت پر ابتدا سے آخر تک قائم رہے اور سچے مسلمان دنیا سے اٹھے۔

میرزا حیرت صاحب دہلوی بھی ابوطالب کی خدماتِ اسلامی اور رسولِ الہی پر جہان
نشاری کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ خانہ سیرت محمدیہ ص ۲۱۹ میں وفاتِ ابوطالب کا
ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کیا انتقال ہوا گویا محمدؐ نے اپنا ایسا سرپرست جس
نے نہایت محنت اور دلی شفقت سے بچپن ہی کے زمانہ سے حفاظت کی تھی کھو دیا اور
جو اپنی وفات تک محمدؐ اور اس کے دشمنوں کے بیچ میں جھار ہا۔ گویا مرتے دم تک سینہ
پیر رہا اور محمدؐ پر آنج نہ آنے دی اور پھر ص ۲۲۱ میں ابوطالب کو رسول اللہؐ کے قابلِ تعظیم
سرپرست اور محافظ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

ینابیع المودة ص ۲۶۵ پر ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ نہ عبدالمطلب نے بتوں کی پرستش
کی اور نہ ان کے ذبیحہ کو کھایا اور عبدالمطلب ملتِ ابراہیمی پر تھے اور یہی قول حضرت ابوطالب کا تھا
(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے افسر بنائے گئے۔ حضرت سمرہ کو اس حصہ فوج کی کمان دی گئی جو زردہ پوش نہ تھے اور چونکہ لہشت کی جانب سے دشمن کے حملہ کا احتمال تھا اس لیے بچا پس تیرا ملازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں اس درہ پر متعین فرما کر انکو تاکید می حکم دیا گیا کہ خود لڑائی کی کچھ بھی حالت ہو، فتح ہو یا شکست تم لوگ اس مورچہ کو کسی حالت میں نہ چھوڑنا پس جب جنگ کا آغاز ہوتا ہے تو کفار قریش کا علمبردار طلحہ صفت سے نکل کر پکارتا ہے۔ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھے دوزخ میں پہنچائے یا

(بقیہ حاشیہ) کہ انا علی دین عبدالمطلب (میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں)

ابوطالب کا کفار قریش کے ساتھ بظاہر یہ استمالت کا رویہ اور سلوک جس سے وہ ان کو اپنے ہی طور و طریق اور اپنے ہی دین و مذہب پر سمجھنے کا دھوکہ کھاتے رہے اور ابوطالب کو کھلم کھلا مسلمانوں کے گروہ میں شامل اور رسول کے دین پر نہ سمجھتے تھے۔ خود گو تو یہ عین دین الہی کی حمایت اور اشاعت اسلام تھی۔ اس کا معاملہ بعینہ مومن آل فرعون کا سا تھا جس کی صفت قرآن میں یکتم ایمانہ ذکر کی گئی ہے۔ اس بات کو حضرت رسول خدا ہی جانتے تھے اور پس۔

ابوطالب کی وفات کے بعد ہی قریش کے ظلم و تشدد بڑھ گئے اور حضرت رسول خدا اور ان کے تمام تابعین کو قسم قسم کی مصیبتوں کا سامنا ہو گیا۔ ملاحظہ ہوتا رہی طبری جلد ۲ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ جب ابوطالب اور خدیجہ کا انتقال ایک ہی سال میں ہو گیا۔ عظمت المصیبتہ علی رسول اللہ حتی نشر علی راسہ التواب (حضرت کی مصیبت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ بد بختوں نے میرا قدس پر مٹی اور خاک کے بھرے ٹوکڑے ڈال دیے) حضرت کا طائف میں بغرض تبلیغ تشریف لے جانا اور وہاں کفار کی طرح طرح کی بد سلوکیاں، مجنون کہہ کر پکارنا، پتھر برسانا، سنگریزوں پر بابرہنہ چلنے سے پیروں کا زخمی ہو جانا، پھر بے نیل مرام وہاں سے غم زدہ واپس آنا (باقی بر صفحہ آئندہ)

خود میرے ہاتھ سے بہشت کی میر کرے۔ یہ سنکر ساتی صہبائے اسلام، محبت رسولؐ کا
متوالا محبوب خدام کا قوت بازو، فتیمہ النار والجنۃ، حیدر صفا صفت سے نکل کر
پکارتا ہے کہ ہاں اے دوزخی مھڑ، دم لے میں ابھی تجھے دوزخ کا پروانہ دیتا ہوں۔
اور تجھے وہاں پہنچاتا ہوں۔ پس ذوالفقار حیدری کو ندتی ہے اور طلحہ کی لاش خاک
پر پڑتی نظر آتی ہے۔ پھر طلحہ کا بیٹا عثمان علم اٹھاتا ہے اور رجز پڑھتا ہوا حملہ کو
بڑھتا ہے۔ اس طرف سے امیر حمزہ اسد اللہ، عثم رسولؐ شیر کی طرح بھیر کر نکلتے

(البقیۃ حاشیہ) قریش کا سر اقدس پر خاک پھینکنا۔ آنحضرتؐ کا غمگین و ملول گھر میں تشرف لانا
پیاری بیٹی فاطمہ زہراؑ کا یہ حال دیکھ کر بلبلہ اٹھنا، خاک جھاڑنا اور باپ کے سر کو دھونا
اور زار زار رونا اور حضرت کالتی دے کر فرمانا۔ بیٹی رو مت۔ خدا تمہارے باپ
کی حفاظت کرنے والا ہے۔ آہ جب تک ابو طالب زندہ ہے قریش مجھ کو اذیت نہ پہنچا
سکے (طبری جلد ۲ ص ۲۲۹) اس کے بعد آنحضرتؐ کے قتل کی تجویزیں، ہجرت کی ضرورت
پس یہ سب مصائب و آلام ایک دم حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد ہی شروع ہو گئے۔
ابو طالب کی وجاہت اور بظاہر کفار قریش سے میل جول ہی ان تمام تکلیفوں اور کافروں
کے ظلم و جور کو رد کے ہوئے تھا۔ خود رسول اللہؐ فرماتے ہیں۔ یا عثم ما اسرع ما
وجہات بعدک (اے چچا آپ کے بعد ہی کس قدر جلدی مجھ پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں)
تفصیل کے لیے دیکھو اسنی المطالب سید احمد ذہبی دحلان ص ۶۲ و ۱۸۱

ابو طالب کے ایمان و اسلام پر سواد اعظم کی یہ چہ میگوئیاں، مورخین و علماء کے
اختلافات سچے اور اصلی واقعات میں مخالفانہ بیانات کا خلط ملط لقیۃ ثامنا معاویہ کے
اس گہرے اور مضبوط پروپیگنڈے کا اثر و نتیجہ ہے جو علیؑ کی دشمنی کی بنیاد پر آل محمدؐ و
علیؑ کے فضائل و مناقب مٹانے اور زمانے کے دلوں سے انکا اثر و اقتدار مٹانے کے
لیے کیا گیا تھا۔ معاویہ کے زمانہ میں بڑی پوری کوشش اس بارہ میں کی گئی کہ اصلی واقعات
(باقی صفحہ آئندہ)

ہیں حمزہ کی تلوار چمک کر گرتی ہے اور عثمان کی مکر تک اتر آتی ہے۔ ساتھ ہی حمزہ پکارتے ہیں۔ ہاں ہاں میں ہوں ساقی حجاج کا بیٹا (سیرۃ النبی عثمانی، شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۳۴) اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ بقول مولانا شبلی، حضرت حمزہ، حضرت علیؓ اور ابو دجانہ فوجوں کے دل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ ایک طرف کافروں کے دل بادل میں ذوالفقار حمیدری چمک چمک کر گرتی ہے۔ سروں کا مینہ برستا ہے۔ لہو کے دریا بہتے ہیں۔ مشرکین خون میں ڈوبتے ہیں اور لاشوں کے ڈھیر

(بقیہ حاشیہ) روایات پر پردہ ڈال کر وضعی اور جعلی حدیثوں اور روایتوں کو پھیلا یا جائے چونکہ سلطنت کا زور اور مال و دولت کی قوت حاصل تھی اس لیے بہت جلد یہ مصنوعی سکے تمام ملک میں رائج ہو گئے۔ الشام اللہ آئندہ ہم اس کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اس صدی کے علمائے جلیل القدر بھی اگرچہ نسلاً بعد نسل اسی پروپیگنڈے کے زیر اثر چلے آنے کی وجہ سے امیر معاویہ اور بنی امیہ سے خوش اعتقادی رکھتے ہوئے ابوطالب کو مسلمان کہنے کی جرأت نہیں کر سکے مگر در پردہ وہ ابوطالب کے حالات اور نصرت و حمایت دین اور محبت خاتم النبیینؐ کو بیان کرتے ہوئے دبی زبان سے نجات ابوطالب کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے۔

مولانا شبلی بھی بخاری اور ابن ہشام کی موافق و مخالف روایتوں کا موازنہ کر کے اور صحت و عدم صحت روایات پر سرسری اور غیر تنقیدی فیصلہ تحریر فرما کر حضرت ابوطالب کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں۔ ”ابوطالب نے آنحضرتؐ کے لیے جو جان نثاریاں کی ہیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر نثار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ آپؐ کی خاطر محصور ہوئے۔ فارغے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں ضائع جائیں گی؟“ (سیرت النبی ص ۱۸۱) (باقی بر صفحہ آئندہ)

لگتے ہیں۔ دوسری جانب امیر حمزہ کے شیرانہ نعروں سے نسل گونج رہا ہے۔ ابودجانہ انصاری سرخ رومال سر پہ باندھے بانجی رفتار سے رسول الہی کی عطا کی ہوئی تلوار کو چمکاتے، صفوں کو چیرتے لاشہ پہ لاشہ گرتے بڑھ رہے ہیں۔ امیر حمزہ جوش شجاعت میں جس صفت پہ بھاڑتے ہیں خون کا دریا بہا دیتے ہیں۔ سباع غسانی تلوار کی زد پر آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں، اونا مرد کدھر جاتا ہے؛ تلوار کا وار اس پر ہوتا ہے۔ وہ خاک پر گر کر مر جاتا ہے۔ جیہیں مطعم کا حبشی غلام وحشی نام شعی ازلی آزادی کے

(بقیہ حاشیہ) شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اپنی کتاب "احیاء الامۃ" کے ص ۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی آپ کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور گوانہوں نے نظام اسلام قبول نہیں کیا مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر اور اسلام کو صادق دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض فسرد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک ہم لوگوں کے اسلام سے ان کا کفر بہت زیادہ ممنون ہے۔ الہی صدقہ اپنے پیغمبر کا ابوطالب جیسی سہمردی ہم کو نصیب، ہماری نسلوں کو نصیب، فقط

بے شک حضرت ابوطالب کو معاذ اللہ کافر اور مخالف اسلام بتانا انصاف کا خون کرتا ہے۔

بس اب میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور اس کا فیصلہ انصاف پسند ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ آخر میں میں بھی وہی الفاظ عرض کرتا ہوں جو میرے عم بزرگوار حضرت وزیر الدولہ سید محمد محسن خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ اعلیٰ اللہ مقامہ وحشرہ اللہ مع محمد وآلہ الطاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین نے اپنی کتاب بے عدیل "اعجاز التنزیل" میں حضرت ابوطالب کے اسلام و کفر کی بحث پر تحریر فرماتے ہیں۔ وہ ہوا ہوا۔

"افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسے ناصر دین حسدا اور محافظ و مصدق رسول اللہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

وعدے اور ہتھدے سے العام لینے کے شوق میں حمزہ کی گھات میں لگا بیٹھا تھا۔ جو نہی وہ خباب پڑتے پڑتے اس کی طرف سے گزرے اس نامرد عاقبت برباد نے گھات کی جگہ سے نکلی کر دور سے ایک چھوٹا سا نیزہ جس کو حمزہ بولتے ہیں پھینک مارا۔ وہ حضرت حمزہ کی ناف پر جا لگا اور جسم کے پار ہو گیا۔ آپ اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں مگر لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں اور روح پرداز کر جاتی ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۴۵۔

شاہ عبدالحق دہلوی مدارج النبوة جلد ۲ ص ۱۵۱ میں لکھتے ہیں: ہتھدہ (مادر معاویہ) نے

دلیقہ عاشیدہ کے ایمان میں گفتگو کی ہے اور اس کو کافر بتایا ہے مگر اپنا تو یہ عقیدہ ہے کہ اگر کافر ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں تو کاش ایسا کافر میں ہوتا کہ لہذا اپنی طاقت و قدرت کے اپنے مظلوم رسولؐ کی خدمت و نصرت کرتا اور میرے اس کام میں مجھ کو کوئی کافر کہتا خواہ مسلمان مگر میں اپنے خدائے کریم و رحیم سے یہی کہتا ہوں

اگر خدمتِ رد کنی در قبول

من و دست و دامن آلِ رسولؐ

والسلام علی من اتبع الهدی (اعجاز النزیل)

فاطمہ بنتِ اسد زوجہ ابوطالب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کے ذکرِ خیر کے ساتھ ساتھ محمود اساتذہ ان کی زوجہ مکرمہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا بھی کردی تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ماں اور باپ دونوں حضرت رسولؐ خدام کے کس درجہ والہ و شفیقہ اور نصرتِ دین کے کس حد تک شیدائی تھے۔ حضرت فاطمہ بنتِ اسد وہ صاحبِ ایمان، صاحبِ شرف اور مقدس بی بی ہیں جن کو رسولؐ نے ماں کے پیار سے خطاب سے یاد فرمایا۔ (دیکھو ازالۃ الخفاء ص ۲۵)

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدام نے فرمایا کہ "فاطمہ بنتِ اسد ہماری ماں ہیں۔ اس ماں کے بعد جن سے ہم پیدا ہوئے۔" اور فرمایا کہ جب ابوطالب (باقی بر ص ۲۴۵ آئندہ)

اس وحشی (قاتل حضرت امیر حمزہ) سے کہا تھا کہ حمزہ کو قتل کر کے ان کا جگر نکال کر میرے پاس لانا۔ چنانچہ یہ بد بخت حضرت امیر حمزہ کو شہید کر کے پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر ہندہ کے پاس لے گیا ہندہ نے امیر حمزہ کا جگر چبایا اور اس وحشی بد بخت کو زہر کپڑے لباس العام میں دیے اور کہا کہ حمزہ کی لاش پر اس کو لے جائے۔ وحشی کے ساتھ حضرت حمزہ کی لاش پر آ کر اسی خبیثہ ہندہ (مادرِ معاویہ نے لاش کو مشلہ کیا۔ یعنی ناک، کان اور خاص اعضاء کاٹ کر مکہ لے گئی۔

(لقتیہ حاشیہ) ہم کو جمع کیے اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے تو فاطمہ بنتِ اسد اس کھانے میں سے کچھ کھانا میرے لیے بھی رکھتی تھیں جو ہم دوبارہ آ کر کھا یا کرتے تھے۔
 بلا شک یہی وہ بی بی ہے جو بعد خدیجہ الکبریٰ عورتوں میں سابق الاسلام کہلانے کی مستحق ہے۔ یہی وہ بی بی ہے جو رسول کی محبت اور دین اسلام کی حمایت میں بعالم پیری و ناتوانی تنگے پاؤں مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرما رہی ہے۔ راستے کی صعوبتیں اور دھوپ کی آذیتیں اٹھاتی ہے مگر پیارے بھتیجے رسول اکرم کی محبت کے جوش میں ان سب تکلیفوں کو راحت سمجھتی ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۶ اور فصول المہمہ ابن صبار مالکی ص ۱۵۱) وہی اہل امراۃ ہاجرت من مکة الى المدينة ماشیہ حافیة وہی اہل امراۃ بالعت رسول اللہ بمکہ بعد خدیجہ (فاطمہ بنتِ اسد وہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کو پا پیادہ تنگے پاؤں ہجرت فرمائی یہی وہ پہلی عورت ہیں جن نے بعد خدیجہ مکہ میں رسول اللہ سے بیعت کی)

قال الزہری کان رسول اللہ یزورہا ویقتیر عندها فی بیتہا وکانت صالحة (فاطمہ بنتِ اسد بڑی صالحہ بی بی ہیں۔ رسول اللہ ان کی زیارت کو جاتے تھے اور ان کے گھر میں ان کے پاس قیام فرماتے تھے) تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۶ وقال ابن عباس لما نزلت یا ایہا النبی اذا جاءک المومنات یتابعنک الاید (باقی پر صفحہ آئندہ)

غرض دونوں رات سے بیٹے نہ ور کی لڑائی ہو رہی ہے۔ کفار کی فوج کے ہمارے بڑی دلیری سے لڑ رہے ہیں۔ ادھر سے بھی ذوالفقار علی شہزاد کا مینہ برس رہا ہے۔ ناجی گرامی علمدار کٹ کٹ کر گر رہے ہیں مگر نشان کفر سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ ایک گرتا ہے تو دوسرا فوراً بھنڈے کو سنبھال لیتا ہے۔ کفار میں ہل چل مچی ہوئی ہے۔ ایک دلیر عورت جس کا نام عمرہ بنتِ علقمہ حارثیہ ہے غیرت کفر سے جوش کھا کر بڑھتی ہے۔ خاک پر گرے ہوئے علم کو اٹھاتی ہے۔ بھاگے ہوئے کفار پھر علم کے

(بقیہ حاشیہ) یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیہ مجیدہ (اے نبی! جب مومنہ عورتیں تمہارے پاس بیعت کرنے کے لیے آئیں انہیں) انہی (فاطمہ بنتِ اسد) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ بے شک فاطمہ بنتِ اسد بھی رضائے الہی اور خوشنودیِ خدا کے لیے اس کے رسول کریمؐ پر اسی طرح فدا ہوئی ہیں جس طرح ابوطالب سینہ سپر ہوتے اور جہان نشاری کرتے تھے۔ بیٹوں سے زیادہ عزیز اور اپنی جان سے زیادہ پیارا جانتی ہیں۔ خود آنحضرتؐ ان کی اس محبت و جان نشاری کی گواہی دیتے ہیں۔ دیکھو الحج المطلب ص ۲۳۵۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں انس بن مالک صحابی رسولؐ سے منقول ہے کہ جب علیؑ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنتِ اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہؐ تشریف لائے اور فاطمہ کے سر ہانے بیٹھے اور فرمایا۔ رحمک اللہ یا اُحیٰ کنت اُحیٰ بعد اُحیٰ رخصتِ آپؐ پر رستم قرمائے آپؐ میری ماں کے بعد میری مال بھین، آپؐ خود مجھ کی رہتی تھیں مگر مجھے کھلاتی تھیں۔ اچھی غذا میں میرے لیے رکھتی تھیں اور خود نہ کھاتی تھیں، خود نہ پہنتی تھیں مگر مجھے پہناتی تھیں اور یہ سب محبتِ اللہ پیارِ آپؐ کا میرے ساتھ خدا کی رضا اور دایرِ آخرت کے لیے تھا۔ انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہؐ نے غسل کا حکم دیا اور جب آپؐ کو کافور سے غسل دینے کی نوبت آئی تو خود صغیر نے اپنے دستِ مبارک سے کافور کا پانی ڈالا اور پھر اپنا ہر اس مبارک فاطمہ بنتِ اسد کو پہنایا اور حضرت عمرؓ ابوالیوب انصاری اور اسامہ بن زید (باقی صفحہ آئندہ)

گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ بنی عبدالدار کا غلام صواب نامی بڑھ کر علم کو اس سے لے لیتا ہے۔ ساتھ ہی علیؑ کی تلوار بجلی کی طرح کو نستی ہے اور آناً فاناً میں اس بد بخت کے خرمین حیات کو چھینک کر رکھ دیتی ہے۔ نشانِ کفر خاک پر گر جاتا ہے۔ (معارج النبوة ص ۹۲۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۸۱)

الغرض حضرت علیؑ، حضرت حمزہ اور ابو دجانہ الصاری کے خیرانہ حملوں نے کافروں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور ان میں یکایک بھاگ پڑ گئی۔ ابوسفیان بھی بھاگ

(یقینہ حاشیہ) کو قبر کھودنے کا حکم دیا اور محمدؐ کو خود دست مبارک سے کھودا۔ مٹی نکالی، صاف کیا اور پھر خود محمدؐ میں لپیٹے۔ بعد ازاں میت کو حضرت عباس اور ابو بکرؓ کی مدد سے قبر میں اتارا اور دعا فرمائی کہ خدا یا لومیری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کٹادہ کہ بجی اپنے نبی محمدؐ اور انبیائے سابقین کے۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ کے اس خاص عمل اور سلوک کو فاطمہ بنت اسد کے ساتھ دیکھ کر اصحاب نے عرض کی حضورؐ نے ایسا عمل آج تک کسی اور کے ساتھ نہیں فرمایا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہاں ابوطالب کے بعد فاطمہ بنت اسد سے زیادہ میرے ساتھ کوئی نیکی کرنے والا نہ تھا (استیعاب عبدالبرکی ص ۵۳ جلد ۲۔ معارج النبوة ص ۱۸۱ و ۱۸۲۔ تاریخ خمیس جلد اول ص ۵۲۔ فضول المہمہ ص ۱۵۱ تذکرہ خواص الامہ ص ۷)۔

کوئی شک نہیں کہ حضرت مریمؑ، مادرِ عیسیٰؑ کی شان و عظمت اور بزرگی و منزلت روشن و ہویدا ہے اور وہ بیشک اس زمانہ کی سیدۃ النساء العالمین ہیں لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کی ولادت باسعادت کا وقت آتا ہے تو حضرت مریمؑ کو حکم ہوتا ہے کہ اے مریم یہ بیت المقدس ہماری عبادت و طاعت کا گھر ہے۔ زچہ خانہ نہیں ہے۔ اس وقت یہاں سے باہر چلی جاؤ گے۔ عیب خانہ زاد الکی نفس رسولِ عربیؐ علی بن ابی طالب کی ولادت باسعادت کا وقت آتا ہے۔ اور فاطمہ بنت اسد، مادرِ علیؑ، استشفاء اور دعا کے لیے خانہ کعبہ میں پہنچتی ہیں (باقی صفحہ ۱۲۵)

نکلا۔ اس کے نامور علمدار یکے بعد دیگرے مارے گئے جن میں سے آٹھ کو حضرت علیؑ نے مارا (اعجاز التنزیل) آسمان سے تختین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ لافشی
 الا علی لا سیف الا ذو الفقار کی آوازوں سے فضا گونج رہی تھی۔ خدا
 جلیل اپنے ولی کی شجاعت پر مباہات فرما رہا تھا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ ص ۳۰۰)
 نیز تاریخ کامل جلد ۲ ص ۳۰۰) قال لما قتل علی بن ابی طالب اصحاب الالویۃ
 فابصر رسول اللہ جماعۃ من المشرکین فقال لعلی احمل علیہم فحمل

(یعنی سناٹھیہ) تو دیوار کعبہ شق ہو جاتی ہے اور فاطمہ خانہ کعبہ میں داخل ہو جاتی ہیں۔ وہیں علیؑ
 کی ولادت ہوتی ہے۔ خانہ کعبہ بیت اللہ الحرام علیؑ کی جائے ولادت اور فاطمہ بنت اسد
 کا زچہ خانہ قرار پاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء وفضلنا
 بعضہم علی البعض۔ ملاحظہ ہو بحال ولادت علیؑ ارجح المطالب ص ۳۰۰۔ ابن مغازی
 شافعی وغیرہ۔ فہول المہمہ ابن صباغ ص ۳۰۰۔ ولد علی بمکہ المشرقة فی داخل
 البیت الحرام فی یوم الجمعة ثالث عشر من شهر رجب وولد
 فی البیت الحرام قبلہ احد سواک وہی فضیلتہ خصہ اللہ تعالیٰ اجلالاً
 لہ واعلاءً لمرتبتہ واطہاراً لمرکبہ۔ یعنی علیؑ علیہ السلام کی ولادت جمعہ
 کے دن ۱۳ رجب کو مکہ مشرقہ میں خانہ کعبہ کے اندر واقع ہوئی اور علیؑ سے پہلے خانہ کعبہ میں
 علیؑ کے سوا کسی کی ولادت نہیں ہوئی۔ یہ ایسی فضیلت ہے کہ جس سے خداوند عالم نے علیؑ
 کو مخصوص فرمایا۔ علیؑ کی جلالت و منزلت کو روشن فرمانے کے لیے۔ ازالة الخفاء ص ۲۰۰۔ نور الالہاء
 علامہ شبلی ص ۳۰۰۔ آیات محکمات ص ۱۲۰ کفایۃ الطالب علامہ بن محمد یوسف شافعی مطبوعہ مصر
 ص ۲۲۹ کتاب المناقب علامہ ابن شہر آشوب۔ مناقب ابن مغازی شافعی تنزیل الابرار
 علامہ بدخشی۔ مدارج النبوة جلد ۲ ص ۲۰۰۔ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامم و سبلہ النجا
 مولوی محمد حسین فرنگی محلی۔ مطالب السؤل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالة الخفاء میں لکھتے ہیں
 (باقی برصغیر آئندہ)

عليهم وتفرقت جمعهم وقتل عمرو بن عبد الله الحنفي. ثم البصر
رسول الله جماعة من المشركين قرشي فقال لعلي احمل عليهم
ففرقت جماعتهم وقتل بشيرة بن مالك احد بني عامر بن لوى
فقال جبرئيل يا رسول الله ان هذا المواساة فقال رسول الله
انت مني وانا منه فقال جبرئيل انا منكما قال فسمعوا صوتا
لا سيف الا ذوالفقار لا فتى الا علي. يعني راوی بیان کرتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ) اخبار متواترہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کے بطن سے امیر المومنین علیؑ
کی ولادت عین کعبہ کے اندر (فی بون الکعبہ) واقع ہوئی۔ اور آپؐ روز جمعہ ۱۲ ربیع الاول
سے تیس برس کے بعد کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کے یعنی علیؑ کے سوا نہ پہلے نہ بعد کوئی شخص
کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ اخطب خوارزمی مناقب میں لکھتے ہیں سلم یولد فی البیت
قبلاً احدٌ وہی فضیلتاً خصکم اللہ بها اجلاً ولہ اعلاً لمرتبتہ
یعنی خانہ کعبہ کے اندر علیؑ سے پہلے کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ یہ وہ فضیلت و بزرگی علیؑ کی
ہے جو خدا نے علیؑ کی جلالت منزلت اور بلند مرتبت کو ظاہر فرمانے کے لیے آپ کے
ساتھ مخصوص قرار دی گئی۔

بنی امیہ اور معاویہ کا پروپیگنڈا یہاں بھی علیؑ کی اس خداداد فضیلت کو مٹانے کے لیے
کام کرتا رہا ہے۔ زبیر بن بکار کی زبانی یہ جھوٹی روایت شتر کی گئی کہ حکم بن حزام کی ولادت
بھی خانہ کعبہ ہی میں ہوئی تھی۔ جو حقیقت میں سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ علامہ
ابن صبار غمالکی کے الفاظ بالا دلحد یولد فی البیت الحرام قبلاً احد (سوائے
علیؑ کے بیت اللہ میں ان سے قبل کوئی پیدا نہیں ہوا) ظاہر ہے۔ اور نیز صاحب میزان الاعتدال
جلد اول صفحہ ۳۷۱ میں لکھتے ہیں کہ زبیر بن بکار، راوی روایت ولادت حکم بن حزام فی حدیث میں
غیر معتبر اور منکر الحدیث ہے اور نیز صاحب اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۵۶۱ میں لکھتے ہیں (باقی صفحہ آئندہ)

جب علی بن ابی طالب نے کافروں کے علمبرداروں کو قتل کر دیا تو رسول اللہ نے
 مشرکین قریش کی ایک جماعت کو دیکھ کر علیؑ سے فرمایا، ان پر حملہ کرو۔ علیؑ نے
 ان پر حملہ کر کے ان کی جماعت کو منتشر کر دیا اور عمرو بن عبد اللہ حمی کو قتل فرمایا۔
 پھر رسول اللہ نے ایک دوسری جماعت کو قریش کی دیکھ کر علیؑ سے فرمایا کہ ہاں اب
 ان پر حملہ کرو۔ علیؑ نے ان کو بھی مار کر بھگا دیا اور شیبہ بن مالک جو بنی عامر بن لوی
 میں سے تھا قتل کر دیا۔ پس جبریلؑ نے اس وقت کہا، یا رسول اللہ یہ ہے مواہبات
 اور یہ ہے جان نثاری و غم خواری۔ جبریلؑ کا یہ کلام سن کر رسول اللہ نے فرمایا۔
 کیوں نہ ہو، علیؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ جبریلؑ نے عرض کی یا رسول
 اللہ میں بھی دونوں میں سے ہوں۔ پھر یہ آواز سنی گئی کہ نہ ذوالفقار جیسی کوئی
 تلوار ہے اور نہ علیؑ جیسا کوئی بہادر جوان۔

صبر نے گرد و ختم فتح گوید آشکار

لافتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار

(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۷۷۔ مدارج النبوة ص ۱۵۳ و ۱۵۴ معارج النبوة ص ۱۷)

ابن ہشام ص ۹۲۔ نور الابصار ص ۷۷)

مولانا شبلی تخریف فرماتے ہیں۔ علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور ابو دھاءؓ

(بقیہ حاشیہ) کہ حکم بن حزام جس کی ولادت خانہ کعبہ میں بتائی جاتی ہے حضرت خدیجہ اور
 زبیر بن العوام کا بھتیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبیر بن بکار نے جو اسی خاندان سے خود حدیث
 وضع کی تھی اس کے علاوہ یہ امر بھی اس روایت کو وضعی ثابت کر رہا ہے کہ اس روایت کا
 راوی یعنی زبیر بن بکار دشمنان آلِ اطہار میں سے تھا۔ حضرت یحییٰ بن عبد اللہ بن
 حسن کے قتل کا باعث یہی بد بخت تھا۔ اس نے علیؑ کی فضیلت کو مٹانے کے لیے
 اس روایت کو وضع کر کے شہرت دی۔

کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پڑ بوش نازنین جو اپنے سر پہ
رجزوں سے سپا ہیوں کے دل ابھار رہی تھیں۔ وہ بھی بندھو اسی کے ساتھ تیچھے
ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ (سیرۃ النبی ص ۲۷۶۔ طبری ص ۱۶۷ کامل ص ۱۷۳۔
اعجاز التنزیل)

لیکن غضب یہ آیا کہ کافروں کو بھاگتا دیکھ کر مسلمانوں کے منہ میں پانی بھر
آیا۔ لڑائی کو چھوڑ کر لوٹ میں پڑ گئے۔ تیر اندازوں کا وہ دستہ بھی جو پشت
کی جانب درہ کوہ پر متعین کیا گیا تھا مورچہ کو چھوڑ کر لوٹ میں شامل ہو گیا۔ عبداللہ
بن جبیز بچا رہے بہت مرارا، روکا، ہٹایا، رسول خدا کا حکم یاد دلایا مگر
کسی نے ایک نہ سنی۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کے مورچے کو خالی پایا
موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً ایک دستہ فوج قریش لے کر تیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا
عبداللہ ابن جبیز جو تھوڑے سے وفا دار سپاہیوں کے ساتھ مورچے پر موجود تھے جم کر لڑے
اور خوب لڑے اور آخر سب کے سب شہید ہو گئے۔ اب راستہ صاف تھا خالد نے
اپنے دستے کے سواروں کو لے کر سختی سے حملہ کیا۔ مسلمان لوٹ میں مصروف تھے کہ
یہ ایک تیچھے سے تلواریں پڑنے لگیں اور ادھر سامنے سے ابوسفیان بھی خالد کے حملہ
کو دیکھ کر بھاگی ہوئی فوج کو لے کر پلٹ پڑا۔ اب مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ بدھوی
کا عالم چھا گیا۔ خود ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتے تھے۔ اس جنگ مغلوبہ میں بڑے
بہادر مسلمان شہید ہو گئے۔ شکست کے آثار نمایاں ہوئے اور فتح کا رنگ بدل گیا
جان نثار مسلمان بہادروں نے پھر تیزی سے جنگ شروع کی۔ مصعب بن عمیر علیہ السلام
محمدی علم کو سنبھالتے تلواریں برسا رہے تھے کہ ابن لہمہ کافرنے ان پر حملہ کیا۔ مصعب
شہید ہو کر گر پڑے۔ رسول اللہ نے علی کو علم محمدی عطا فرمایا اور علی مصروف جنگ
ہوئے (کامل ص ۱۷۳۔ طبری ص ۱۷۳۔ ابوالقداد ص ۱۳۸، واقعی ص ۳۷، خمیس ص ۸۵۔ سیرت

ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۸

قال ابن اسحاق وقاتل مصعب بن عمير دون رسول الله حتى
قتل وكان الذي قتله ابن قيمه الليثي وهو يظن انه رسول الله
فرجع الى قريش فقال قتلت محمداً فلما قتل مصعب ابن عمير
اعطى رسول الله اللواء علي ابن ابي طالب وقاتل علي بن ابي طالب
ومرجال من المسلمين وقال ابن هشام لما اشتد القتال يوم
احد جلس رسول الله تحت رايته الانصار وارسل رسول الله
علي بن ابي طالب ان قدم الراية فقدم علي وقال انا ابوالقضم
ابن اسحاق بيان کرتے ہیں کہ مصعب بن عمیر رسول اللہ کے سامنے جنگ کر رہے
تھے کہ ابن قیمہ نے مصعب کو قتل کر دیا اور یہ خیال کیا کہ اس نے رسول اللہ کو
قتل کیا ہے۔ یہ گمان کر کے وہ قریش کی طرف لوٹا اور اس نے جا کر کہا کہ میں نے
محمد کو قتل کر دیا ہے۔ جب مصعب بن عمیر شہید ہو گئے تو رسول اللہ نے علم علی
کو عطا فرمایا۔ علی نے تھوڑے سے مسلمان سپاہیوں کے ساتھ کافروں پر حملہ کیا۔
ابن ہشام کا بیان ہے کہ جب احد کے روز لڑائی بڑی سختی کے ساتھ ہو رہی تھی رسول
اللہ نے علم کو حکم بھیجا کہ علم بڑھاؤ اور حملہ کرو۔ علی حملہ کے لیے بڑھے اور کہتے
جاتے تھے۔ میں ابوالقضم ہوں (یہ علی کی ایک کنیت ہے) سیرت ہشام۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا ص اس لڑائی میں خود بہ نفس نفیس
جنگ فرما رہے تھے اور شجاعت الہیہ کے جوہر دکھا رہے تھے۔ وقاتل رسول
الله يوم احد قتالا شديداً (کامل جلد ۲ ص ۱۷۸۔ طبری نمبر ۱) جنگ
تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ مشرکین کی ایک جماعت حضرت کی طرف بڑھی اور ایک
بدعت نے آنحضرت کی طرف تیر پھینکا جس سے نیچے کے پیادانے جبرج ہو گئے اور پیشانی اقدس میں بھی زخم ہوئی۔

میدان جنگ سے بعض صحابہ کا فرار :

عبداللہ بن قتیہ وغیرہ کفار قریش سختی کے ساتھ آنحضرت پر حملہ کر رہے تھے۔ تیروں کا مینہ برس رہا ہے تھے۔ اس طرف ابودجانہ اور ابوطحہ سینہ سپر تھے اور کفار کے حملہ سے جیبِ خدا کی حفاظت کر رہے تھے کہ کافروں میں سے ایک شیطان نے پکار کر کہا ”محمد قتل ہو گئے“ اس آواز کے بلند ہوتے ہی چند جان نثار اصحاب کے سوا سب مسلمان بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے نامور صحابی جن کی بہادری اور صداقت اسلامی تاریخ اسلام میں مایہ ناز نمایاں کی جاتی ہے ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ان کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ یہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خود حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں۔ قال عمر لما کان یوم اُحد هزمننا فخررت حتی صعدت الحیل فلقد رایت فی انزو کافی اہودی۔ تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری جلد ۴ ص ۹۶۔ کنز العمال جلد اول ص ۸۸۹۔ تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی جلد ۸ ص ۸۸۔

(ترجمہ) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، جب روزِ اُحد ہم کو شکست ہوئی میں بھاگا، یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اگر تم مجھے دیکھتے تو معلوم کرتے کہ میں پہاڑی بکری کی طرح پہاڑ پر اچکنا جاتا ہوں۔“

نیز تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۰۰ و تفرق عنہ اصحابہ و دخل بعضهم المدینۃ و اطلق فوق الحیل الی الفخزۃ فقاموا علیہا و جعل رسول اللہ یدعو الناس الی عباد اللہ الی عباد اللہ۔ اصحاب آنحضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ شہر (مدینہ) کی طرف چلے گئے۔ کچھ پہاڑ پر چڑھ کر جا بیٹھے اور رسولؐ پکار رہے تھے۔ اے بندگِ خدا، الی الی، میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ۔ پہاڑ پر بھاگ کر چڑھ جلنے کو خدا نے بھی اپنے کلام پاک میں یاد دلایا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے۔

مستدرک حاکم قرۃ العین و تاریخ احمدی وغیرہ۔ اور حضرت عثمان تو بہت

سے مولانا شبلی "الفاروق" حصہ اول بذیل واقعہ جنگ اُحد تحریر فرماتے ہیں :-

"تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر

مشہور ہوئی تو کچھ لوگ ایسے سرا سمیہ ہوئے کہ انھوں نے مدینہ سے ادھر دم ہی نہ لیا

کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہؐ کے بعد دنیا بیکار ہے۔ بعضوں نے

مالوس ہو کر سپردال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ۔ حضرت عمر اس تیسرے گروہ میں

تھے۔ علامہ طبری نے بسند مفصل جس کے رواۃ ابن جمید سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم

بن عبد الرحمن بن رافع میں روایت کی ہے کہ اس موقع پر حبیب انس بن نضر

نے حضرت عمر و طلحہ اور چند ہاجرین و انصار کو دیکھا کہ مالوس ہو کر بیٹھ گئے

ہیں تو انھوں نے پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ

نے تو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟

تم بھی انھیں کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل

کی۔ قاضی ابویوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر

میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ پر کیا گزری؟ میں نے

کہا، میرا خیال ہے کہ آپؐ شہید ہوئے۔ انس نے کہا، رسول اللہؐ شہید ہوئے

تو ہوئے، خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر

لڑے کہ شہادت حاصل کی۔

پھر لکھتے ہیں۔ علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنھوں نے انساب الاشراف

میں حضرت عمرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں موجود تھے جو

اُحد کے دن بھاگے تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ علامہ بلاذری نے

ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہی دور نکل گئے تھے۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۱۔ تین دن کے بعد حبیب واپس آئے
تو رسولؐ نے فرمایا۔ لقد ذهبتم فيها عافى۔ آپ تو بہت ہی دور بھاگ گئے
مدارج النبوة۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۸۔

”ابوبکر و عمر بگوشہ رفتند و عثمان ازاں سر روز بعد سر یوم در آمدند“
حبیب السیر جلد اول جزو دوم ص ۳۷۔ تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۳۔ حضرت ابوبکرؓ بھی
میدان چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے۔ صاحب تاریخ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت
ابوبکرؓ نیتان میں جا پھپھہ تھے۔ صاحب تاریخ خمیس خود حضرت ابوبکرؓ کی زبانی
بیان کرتے ہیں۔ قال ابوبکر لما صرف الناس يوم اُحد عن رسول الله
فكنت اول من جاء النبي۔ تاریخ خمیس۔ ابوبکرؓ فرماتے ہیں حبیب کہ سب
لوگ اُحد کے دن رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو نسب سے پہلے میں
نبیؐ کے پاس آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ جنگِ اُحد کو یاد کر کے
بشدت روپا کرتے تھے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ میں اُحد کے
دن بھاگ گیا تھا۔ پھر دوسری روایت حضرت عائشہؓ سے اسی مضمون کی کثیرالعمال
ص ۲۷۲۔ بے شک حضرت ابوبکرؓ بدلے جنگ میں اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ سے لڑنے کے
لیے تلوار کھینچ کر نکلے۔ تھے مگر آنحضرتؐ کے روکنے پر ہٹ گئے۔ عبدالرحمنؓ حضرت
ابوبکرؓ کے بڑے فرزند ابھی تک ابوسفیان کے ساحتی کا فران قریش کے ہی دین دلت

(البقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت عمرؓ نے جو اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر
کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے
فرزند عبداللہؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا انہیں۔ کیونکہ اس کا باپ اُحد کی لڑائی میں
ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہؓ کا باپ (یعنی خود عمرؓ) ثابت قدم نہیں رہا تھا۔
(دیکھو الفاروق حصہ اول ص ۲۷۵ - ۲۷۶)

میں تھے۔ اُحد کی جنگ میں ابوسفیان کے شریکِ حال اسلام کے مخالف رسولِ کریمؐ سے
 لڑنے کو آئے تھے۔ صفتِ مشرکین سے نکلی کر مبارزہ طلب کیا۔ یعنی مسلمانوں میں سے کوئی
 لڑنے کو آئے حضرت ابوبکر تنواری نکال کر بڑھے۔ آنحضرتؐ نے روک دیا۔ فرمایا۔ ستم
 سيفك والتعنابك (بے شک آنحضرتؐ نے خیال فرمایا ہوگا کہ ہمارے بڑھے
 یار غارِ شمسار ہو جائیں گے) تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۷۔ مگر حبیب میدانِ کارزار گرم
 ہو گیا تو ان کی شمیر آبادار میان سے باہر نہ نکلی، کہیں مشرکین کے سروں پر چمکتی نظر نہ
 آئی۔ بھاگ کر ہی جان بچانا تاریخوں سے ثابت ہے۔

غرض کہ سوائے چند جان نثار انصار و ہاجرین کے کوئی مسلمان رکابِ رسولؐ میں
 دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا تو کوئی شہر کو بھاگ گیا۔ صاحبِ مدارج النبوة
 لکھتے ہیں کہ اصحابِ دریاں حینِ بر چہار قسم شدند۔ حمیے جنگ کردند و شهیدند و گریہ
 در زوایا و شعاب جبل مخفی گشتند و بعضی بہ شہر رفتند و فرار گرفتند و عثمان بن عفان
 از انجمله بود و بعد از اتمام معاملہ و مقابلہ و تسکینِ نائرہ جنگ بخدمتِ شریفِ مراجعت
 نمودند ص ۱۴۸ تیسرے القاری شرح بخاری ص ۵۲ پر بھی یہی مضمون ہے لیکن حضرت علی مرتضیٰؑ
 ایک قدم میدان سے نہ ہرکے، برابر تنواری چلائے، صفوفِ کفار کو برہم کرتے اور حضرت
 رسولِ خدام کی جستجو میں آگے کو بڑھتے رہے۔ چونکہ یہ آواز کان میں پڑ چکی تھی کہ آنحضرتؐ
 شہید ہو چکے ہیں لہذا بہت مضطرب اور سخت طیش میں تھے۔ لڑتے لڑتے آپ نے
 دیکھا کہ مسلمان دوسری طرف ابھی تک لڑ رہے ہیں۔ پس اس طرف کو بڑھے اور
 کافروں کو مارنے لگے گراتے وہاں تک پہنچے جہاں ابودجانہ وغیرہ چند جانباز مجاہد سید
 کیے آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ کو زندہ پا کر علیؑ کی
 جان میں جان آئی اور پہلے سے بھی زیادہ شہادتِ وقت کے ساتھ دشمنوں پر حملہ
 کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ (اعجاز التذلل ص ۳۷)

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ اس ہل چل اور اضطراب میں اکثر ذول نے بالکل ہمت
 ہار دی لیکن جانبازوں کا زور بھی نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا۔ آنحضرت
 کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلا لے اور دشمنوں کی صفوں کو لٹے جاتے تھے
 لیکن کعبہ مقصود رسول اللہ کا پتہ نہ تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ جان نثاران خاص
 برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سردارِ دو عالم کو ڈھونڈتی تھیں۔ سب سے
 پہلے کعب بن مالک کی نظر آپ پر پڑی۔ چہرہ مبارک پر مغر تھا لیکن آنکھیں نظراتی
 تھیں۔ کعب نے پہچان کر پکارا۔ مسلمانو! رسول اللہ یہ ہیں۔ یہ سن کر جان نثار ہر
 طرف سے ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے مہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔
 دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل ٹھٹھک کر
 رہ جاتا تھا۔ (سیرۃ النبی)

صاحب مدارج النبوة ص ۱۵۱ پر لکھتے ہیں :-

”منقول است چوں مسلماناں روئے نہر میت آورند حضرت رسولؐ را تنہا
 گذاشتند حضرت آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشتہ مثال مردار پر دوید
 در آن حالت نظر کرد علیؓ ابن ابی طالب را کہ بر پہلوئے مبارکش استادہ است
 فرمود چوں دست کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی علیؓ گفت عاکفرا بعد
 الايمان ان لی لک اسوۃ یعنی آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی کہ مرا
 بتوافقت است یعنی مرا بشما کار است بایاران و برادران کہ در پی فضیلت
 رفتند و نہر میت نمودند چہ کار دارم۔ دریں حین جمعے از کافران متوجہ

لہ ذوالفقار اور علیؓ کا نام ایسا لازم و ملزوم ہو گیا ہے کہ صرف ذوالفقار کا لکھ دینا ہی کافی ہے۔ اسی ایک لفظ سے
 حضرت علیؓ کی تمام اسلامی جانبازیوں اور شجاعت کا رنارناموں کا پورا مرقع کھینچ جاتا ہے۔ اسی لیے مولانا شبلی نے محض
 ذوالفقار کا لفظ لکھا ہے اور حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔

حضرت علیہ السلام شدت فرمود اے علی! مرا ازیں جمع نگاہ دار و حق خدایت
و نصرت بجائے کہ وقت نصرت است علی مرتضیٰ! متوجہ آل قوم شد
دار اندر روزگار شان برآورد و ایشان را بتفرق گردانید و جمع کثیر را
بدوزخ فرستاد۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

”چوں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ایں مردانگی کرد و نصرت نمود ابوہریرہ
بآنحضرت فرمود کہ ایں کمال مواساة و جوامردی است کہ علی با تو مے برد
آنحضرت فرمود انتہ منی و انا منہ یعنی بدوستیکہ علی از من است
من از دیم کفایت است از کمال اتحاد و اخلاص و یگانگت و آمدہ
است کہ چوں آنحضرت ایں کلمہ فرمود۔ ہر تمل گفت و انا متکما
من از شما بردوام و گویند آوارے شنیدند کہ گویندہ غیبی مے گفت ”لافتی
الا علی لا سیف الا ذوالفقار“ اس کے بعد لکھتے ہیں :-

”باجملہ وے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و محاربت و جادات و شجاعت
بجائے آورد کہ فوق آل تصور متوال کرد۔ روایت است از قیس کہ وے اند
پدرش سعد روایت کرد کہ گفت اند علی مرتضیٰ! شنیدم کہ فرمود در روز احد
شانزادہ عزیمت بمن رسید کہ در پہار عزیمت بر زمین افتاد مردے خورد
خوشبو باز وے مرا مے گرفت و مرا بر پائے مے کرد و مے گفت متوجہ
کافراں شو کہ تو در اطاعت خدا و رسول روی و ایشان ہر دو اند تو را ضی
اند بعد از فراغ جنگ آل واقعہ را با حضرت رسالت عرض کردم آل
مرد فرمود تو اورا مے شناسی۔ گفتم نہ اما بدیہہ کلبی مے دانستم فرمود
علی خدا مے تعالیٰ حقیقہ ترا روشن کناد آل جبرئیل بود۔“ (دارج النبوة ص ۱۵۱)

دمعارج النبوة رکن چہارم ص ۵۱، ۹۵ و ۹۶

اس موقع کا نقشہ ایک ہندی شاعر نے کیا خوب کھینچا ہے

اُحد میں چھوڑ نہی جی کو بھاگے میت کھانے کی لاج نہ آئی

ایک برادر شیر بہادر پاس رہا جن فوج ہسٹائی

منصف ہو کے بچا کر دجو بھڑ پڑے پر نہ ہو سگھ دانی

بھاگنے والوں کو واسکے برابر کیسے امانت دیجیے بڑائی

قرآن اس ذات قدسی کے ، فدا اس مادی دہر کے اور تبار اس نبی رحمت

کے اشاعت دین میں کیسی کیسی سخت سے سخت مصیبتیں بھیل رہے ہیں۔ مخلوق الہی

کو جو ضلالت و گمراہی کے تاریک غار میں پڑے ہیں۔ روشنی میں لانے کی سعی فرما

رہے ہیں۔ طرح طرح کے رنج و تکلیفیں سہتے ہیں۔ زخم کھاتے ہیں۔ دندان مبارک

سے خون جاری ہے۔ پیشانی اقدس مجروح ہے۔ ابو بہرہ اسے مگر یاد الہی میں مشغول ہیں

خدمت دین سے منہ نہیں موڑتے۔ بے درد ظالم اس نور الہی پر نیروں کا مینہ برساتے

ہیں مگر اس پر بھی حضور کی زبان اقدس سے یہی نکلتی ہے۔ رب اعظم قوی فاعلم

لا یعلمون (بار الہامیری نادان قوم کو بخشدے اتیرے نبی اور تیرے دین کی قدر

نہیں جانتے) سیرت النبی ص ۲۷۵ صحیح مسلم۔

سبحان اللہ! یہ ہے سیرت محمدی اود یہ ہے اسوۂ رسول ﷺ او جہد سے

کنڈ کہ برآورد غریق را۔ بیشک رح ہزار جان گرامی ندائے نامش باذر بلا شک

اس رحمۃ للعالمین رسول الہی کا یہ جہاد ملک گیری کی غرض سے نہ تھا بلکہ اشاعت

دین کی غرض سے تھا۔

مشرکین قریش کے ساتھی ابو عامر شقی نے میدان جنگ میں ایک گڑھا کھود

اگر خسر پوش کر دیا تھا کہ مسلمان اس میں گریں اور چوٹیں کھائیں اور زخمی ہوں۔

رسول کریم اس گڑھے کی طرف آجاتے ہیں اور گر جاتے ہیں۔ پس علی فوراً بڑھ کر ہاتھ بٹھارتے ہیں اور طلحہ اٹھا کر باہر نکالتے ہیں (سیرت ہشام جلد ۱ ص ۸۷، معارج ص ۱۱۱) غرض کہ علی اور ان جان نثار اصحاب نے زبردست اور متواتر جھلے کر کے دشمنوں کو لپسا کیا۔ کافروں کا ہجوم ہٹایا اور آنحضرت کو دشمنوں کی زد سے بچا کر ایک محفوظ مقام پر چڑھائے گئے۔ (تاریخ خمیس جلد اول ص ۱۶۹)

وكان سلمان حبل لنفسه وقاية له من وسائر ظهوه من سهام الكفار واداهم وليقول نفسي فدا عن رسول الله والعباس بن عبدالمطلب حمسك لعنان فرسه يقوده وعلي بن ابي طالب معرانه محروس مكسور اليه حمل علي الكفار فهمزهم فباع جبرئيل وقال يا محمد من ذا الذي بارنا الكفار الفأفان الله يباهي به الملائكة قال هو علي فأتوا رذب الى احد لعي ران يصيغون بالفرن حول رحله الى جانب الآخر واعتمد علي منكب علي فانزل عن الفرن وصدوا الجبل - يعني آنحضرت کی پشت مبارک کی طرف سے سلمان فارسی مدینہ منورہ کیے ہوئے کفار کی ایذا رسانی اور تیر بارانی میں رسول اللہ کی حفاظت کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ میری جان رسول خدا پر قربان ہو جائے اور عباس بن عبدالمطلب آنحضرت کے رہوار کی باگ محتسے ہوئے ہانک رہے تھے اور علی بن ابی طالب باوجودیکہ زخمی ہو رہے تھے ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا مگر کافروں کو بھگاتے اور حملہ کرتے ساتھ ساتھ پیچھے آتے تھے۔ جبرئیل امین آئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ کون شخص ہے جو حضور کی حمایت و نصرت میں اس وقت کافروں سے لڑ رہا ہے کہ جس پر خدائے جلیل صفت ملائکہ میں مہمانت فرما رہا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا جبرئیل یہ علی ہیں۔ پس یہ سب لوگ رسول اللہ کو کوہ احد کی طرف لے گئے مگر جب

گھوڑے پر سوار پہاڑ پر نہ چڑھ سکے تو اپنے اپنے مبارک کو دوسری جانب بھرایا
اور علیؑ کے شلنے پر سہارا دے کر گھوڑے سے اترے اور پہاڑ پر تشریف لے گئے۔
دین اسلام ہر در دشمن پھیلائے جانے کا اعتراض کرنے والے اصحاب ذرا
ان سچے اور حقیقی کامل الایمان مسلمانوں اور رسول خداؐ کے سچے فدائیوں علیؑ، سلمان
الودعانہ، حذیفہ، ذقرین، انس، کعب، حنظلہ، ہر شیب، حبابہ، الشدین، جبریکہ
کبارناموں، جوان نثاروں اور خدمت گزاروں پر نظر ڈال کر بتائیں کہ کیا یہ جاننا نہ
بہادر ہوا اپنے پیغمبرؐ کی حقانیت میں جانیں لٹا رہے تھے، تلوار کی آگ میں کودنے
تھے۔ آنحضرتؐ کے قدموں پر جانیں قربان کرتے تھے۔ نیزہ و شمشیر کے زخم پر زخم
کھاتے تھے۔ کیا یہ سب ملک و دولت کے لالچ سے متھا؟ نہیں نہیں۔ بلکہ اسلام
کی صداقت اور رسول خداؐ کی روحانیت کے جلووں سے ان کے ثلویب روشن و
منور ہو چکے تھے۔ اسلام کے نام پر فدا ہو جانا وہ اپنا فرض اور اپنے خدا کی
نو مشنوری کا سبب جانتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو لا کفر بعد الایمان کے الفاظ
ان کی زبانوں سے نہ سنائی دیتے۔ اور انس بن نضر کی زبان سے یہ پُر جوش
فقرے نہ نکلتے کہ اگر محمدؐ قتل ہو گئے ہیں تو پھر دنیا میں کس لیے زندہ رہیں۔ پس
جس دین پر محمدؐ شہید ہو گئے ہیں ہم کو بھی اسی دین پر مرجانا چاہیے۔ اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو محمدؐ
کا رب تو قتل نہیں ہوا۔ بلا شک اگر ان بزرگوں کی سچائی اور صداقت ایمانی میں ذرا
بھی فرق ہوتا تو یہ بھی کافروں کی اس جھوٹی آواز پر کہ محمدؐ قتل ہو گئے بھاگ جاتے۔
رسول خداؐ کے ان سچے جان نثاروں کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ذرا
ان کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بی بیوں کے جوش ایمانی کو دیکھو جو حبیبہؓ، ان
احسد میں لڑائی کی بھڑکتی آگ میں اپنے پیارے رسولؐ کی نفرت کرتی اور ان کی محبت
کادم مہرتی ہیں۔ مجروح ہوتی ہیں۔ اپنے عزیزوں کو قربان کرتی ہیں مگر خدمتِ اسلام

سے ہاتھ نہیں اٹھاتیں۔ ام سلیط اور ام عمارہ کے کارناموں کو دیکھو۔ ان کی جانبازوں پر نظر ڈالو۔ کس طرح جوش ایمانی سے لبریز اور محبت رسولؐ میں محو ہیں۔ صفوں کو چیر کر حضرتؐ کے پاس پہنچتی ہیں۔ نیزہ و شمشیر کے حملوں کو اپنے سینوں پر روکتی ہیں۔ تلواروں سے شانہ گھائل ہو جاتا ہے مگر ان کی چٹوں پر بلی نہیں آتا۔ نصرت رسولؐ سے ہاتھ نہیں اٹھاتیں۔ بہادرانہ حملے کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہٹا دیتی ہیں۔ (سیرت ابنی)

حضرت کعب کی با ایمان بیٹی نسیمہ بزنہ کے حالات پڑھو۔ میدان جنگ میں جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے وہ کس جوش کے ساتھ خدمت رسولؐ کر رہی ہے۔ کفار کے وحشیانہ حملوں کو روکتی ہے۔ رسولؐ خدام کی حفاظت کرتی ہے۔ سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ نامور اصحاب آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ وہ دیکھتی ہے کہ بھاگنے والوں میں اس کا بیٹا بھی ہے۔ دوڑ کر اس کو پکڑ لیتی ہے اور لٹکار کر کہتی ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے؟ واپس لاتی ہے۔ بیٹا جنگ کرتا ہے اور ماں کی آنکھوں کے سامنے تلواریں کھا کر شہید ہو جاتا ہے۔ پھر وہ با ایمان خاتون خود حملہ کرتی ہے اور ایک بھاگنے والے مسلمان کی ڈھال ہاتھ میں لے کر اپنے رسولؐ کی حفاظت کرتی ہے (حیات القلوب مجلی جلد ۲ ص ۶۱)

ایک اور کامل الایمان بی بی کا حال مولانا شبلی سیرت ابنی میں لکھتے ہیں۔ انصار میں سے ایک عقیفہ کے باپؑ بھائیؑ اور شوہر سب اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑی لیکن وہ ہر بار یہ پوچھتی تھی کہ رسول اللہؐ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اس نے پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی۔ آپ کے ہوتے سب مصیبتیں ایچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہر دیں ترسم ہوتے ہوئے کیا چیز میں ہم
(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۷۸)

یہ دینِ خدا کے سچے مجاہد کیا عورت کیا مرد محبتِ ایمانی اور بخششِ اسلامی سے
 سرشار توحیدِ الہی اور روحانیتِ محمدی کے تیلوے دیکھ کر اسلام کے سچے فدائی اور رسولِ
 عربی کے پگے شیدائی بنے تھے نہ کہ تلوار کے زور سے یا ملک و دولت کے لالچ
 سے پس سچے اسلام اور حقیقی ایمان کی ایسی ہی چند مجسمِ تصویریں جو حقیقتاً اپنی نظیر
 آپ میں کر بلا کے جلتے جلتے میدان میں ضرور نظر آتی ہیں۔ جس طرح اُن کے میدان میں
 یہ چند مرد و عورت ہما ہر و انصار اپنے جوشِ ایمانی میں ڈوبے ہوئے حمایتِ دین اور
 محبتِ ختمِ المرسلین میں بے محابا اپنی جانوں کو قربان کرتے دکھلائی دیتے ہیں اسی طرح
 کر بلا کے میدان میں بھی ابوسفیان کے پوستے یزید کی فوجوں کے مقابلہ میں ایمان و
 ایقان کے وہ بے مثال سپر و حانیت کے پتلے وفا کے مجھے اسی رسولِ برحق کے
 جان و جگر، خدا کے پیارے حسینِ مظلوم کی حمایت و نصرت میں اپنی جانیں بڑے
 شوق سے دے رہے ہیں۔ مرگتا رہے ہیں۔ زخم کھاتا رہے ہیں۔ خون میں نہا رہے ہیں
 ان کے ساتھ بھی ایسی راسخ الاعتقاد بی بیاں ایمان کامل کی دیوایاں ہیں جو محبتِ
 دین میں سرشار ہیں۔ وہ فرزندِ رسولؐ کی بلائیں لیتی اور اپنی اولاد کو فاطمہ کے تحت
 جگر پر خوش ہو کر قربان کرتی ہیں۔ کوئی بیٹے کو تلواریں کھاتا اور خون میں نہاتا دیکھ
 کر شکرِ خدا بجالاتی ہے۔ کوئی شوہر کو غلعتِ شہادت پہنے دیکھ کر مسکراتی ہے۔
 جنت کو سدھارنے پر مبارکباد دیتی ہے۔ کوئی جانِ رسولؐ پر سے بھائی کو قربان
 کرتی ہے تو کوئی بیٹے کو نثار کرتی ہے۔ کوئی نیمہ کی طناب نکال کر دشمنوں پر جھلے
 کے لیے بڑھتی ہے۔ گویا زبانِ حال سے کہتی ہے سے

یوں بیٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے

مگر احمدؑ کے گواہ سے کا گھر آباد رہے

ہاں ہاں ایمانِ کمال ایمان اور عشقِ الہی کے امتحان کا ایک درجہ اور بھی بڑھا

ہوا نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ اُحد کے مجاہدوں میں کوئی بھوکا پیاسا نہیں تھا یہی مسلمان
 بی بیاں بولشکر اسلام میں خدمتِ دین کر رہی تھیں، پانی کی مشکیں چشموں سے بھر
 بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلائی تھیں مگر کربلا کے میدان میں حسینی مجاہد ایک دن
 کے نہیں بلکہ تین شب و روز کے بھوکے پیاسے بھی ہیں وہ سب آبِ شمشیر سے سیراب
 ہوتے ہیں۔ وہ وقتِ جنگ پیاس سے بے حال ہیں۔ ان کے گلے خشک ہیں۔ زبانوں
 پتہ کانٹے پڑ گئے ہیں۔ دریا سنا منے لہریں مار رہا ہے مگر کیا ممکن کہ ایک قطرہ بھی ان
 پیاسوں کے خشک گلے تک پہنچ سکے۔ خدا ان کے کمالِ ایمان پر اور ثناء ان
 کے صبرِ عظیم پر ہے

پیاسے ایسے تھے کہ آگئی جاں ہونٹوں پر

صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

آمد م بر سرِ مطلب۔ اس طرف رسولِ مقبولؐ زخمی و مجروح پہاڑ پر تشریف لے
 گئے، اس طرف رسولؐ کے شہید ہونے کی خبر مدینہ میں مشہور ہو گئی۔ فاطمہؑ زہراؑ باپ کی
 شہید بیٹی، اس غمناک خبر کے سنتے ہی بے قرار ہو گئیں۔ روتی پیٹتی گرتی پڑتی پابریہ
 دو چار عورتوں کو ساتھ لے کر باپ کی تلاش میں گھر سے نکل پڑیں۔ وہاں پہنچ کر باپ
 کو زندہ و سلامت پایا تو جان میں جان آئی۔ روتی ہوئی دوڑیں اور باپ سے
 لپٹ گئیں۔ دیکھتی ہیں کہ پیشانی اقدس مجروح ہے۔ چہرہ مبارک سے خون بہ رہا
 ہے۔ علیؑ پاس کے چشمہٴ حرا سے ڈھال میں پانی بھر کر لاتے ہیں۔ وہ پانی ڈالتے
 جلتے ہیں۔ فاطمہؑ زخموں کو دھوتی ہیں۔ خون بہہ رہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے
 بیٹے بیٹے ہی ان لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جو آپ کو زندہ و سلامت سُنکر
 جمع ہو گئے تھے (اعجاز التَّنْزِيل ص ۳۷) مولانا شبلی سیرت النبی میں تحریر فرماتے
 ہیں :-

”آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بیتابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہراؑ نے آکر دیکھا تو ابھی تک ہنر مبارک سے خون جاری تھا۔ پس حضرت علیؑ سپر میں پانی لائے۔ سیدہ دھوئی تھیں لیکن خون نہیں غمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا بھلایا اور زخم پر رکھ دیا۔
 نوں فوراً ختم کیا۔ سیرت النبیؐ ص ۲۴۹، یہی مضمون صحیح بخاری شرح عسقلانی غزوہ احد ص ۲۴۹۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۷۵۔ طبری جلد ۳ ص ۲۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۹، مدارج النبوة ص ۱۶، معارج النبوة رکن چہارم ص ۱۰۹ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۶۔ روضۃ الاحباب ص ۲۴ اور الزہراء ص ۶۶ پر بھی مرقوم ہے۔“

افسوس ہے کہ اس جنگ اُحد میں مسلمانوں کی طمع اور بزدلی دونوں نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔ جس سے شوکت اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر حضرت علیؑ جیسا نامور شجاع اس جنگ میں شریک نہ ہوتا تو دشمنانِ دین شمع رسالت کو اس روز ضرور گل کر دیتے اور پھر مسلمانوں پر وہ بلا نازل ہوتی جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔
 الفرض جب قریش چلے گئے تو حضرت پہاڑ سے اترے اور میدانِ جنگ کا ملاحظہ کیا۔ حمزہؑ کی لاش کو دیکھا کہ ناک کان کٹے ہوئے، کلیجہ چھڑا ہوا پڑی ہے۔ کمال لہجہ ہوا۔ حکم دیا کہ حمزہؑ کی لاش پر چادر ڈال دو۔ کہ ان کی بہن صفیہ (زہیر بن العوام کی والدہ) اس حال سے نہ دیکھیں (ابن اثیر۔ تاریخ خمیس) مقتولین میں سے حمزہؑ کو ایک قبر میں اور باقی اصحاب کو ایک ایک قبر میں دو دو تین تین کر کے دفن کر دیا۔ تاریخ خمیس جلد اول ص ۴۹ پر بحوالہ ذخائر العقبیٰ درج ہے کہ امیر حمزہؑ کے کفن کی چادر اسی جھوٹی تھی کہ اگر پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا اور اگر سر کی ڈھانکھا جاتا تھا تو پاؤں کھلے رہتے تھے۔ آخر سر کی چادر سے ڈھانک کر پاؤں اذخر گھاس اور پتوں سے

دھانپ دیے۔ پھر رسول اللہ نے جنازے پر پکڑے ہو کر فرمایا۔ ”یا حمزہ، یا اسد اللہ اسد رسولہ یا حمزہ یا فاعل الخیرات یا حمزہ یا کاشف الکربات یا حمزہ یا ذات عن رسول اللہ فطل بکا وہ“ یہ رسول اللہ کا رونا اور نوحہ نہیں تو اور کیا ہے ؟

مولانا شبلی سیرت النبی ص ۲۸۳ میں لکھتے ہیں کہ جنگ اُحُد کے بعد آنحضرت مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو غیرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ ام الحمزہ فلا بواکئی لہ، لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ سنا تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ رسالت پر جا کر حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی پھیر مٹی اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ حضرت نے شکر گزاری کا اظہار فرمایا۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کیا کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہ کے ماتم سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہ کی حقیقی محبت۔ ”تاریخ کامل، تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے۔ حسینؑ کو اسلئے رسولؐ کی شہادت پر ماتم اور نوحہ خوانی اور آہ و بکا کو منع کرنے والے حضرات اس پر غور کریں۔

مدینہ کی تاریخ میں امام تاج الدین سیکی نے شفا السقام سے نقل کیا ہے کہ جب معاویہ نے ہرنکالی اور شہیدوں کو ان کی قبروں سے نکالنے کا حکم دیا تو ایک مچھاؤڑا حضرت حمزہ کے قدم میں لگا اور خون اس سے جاری ہوا۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۹۸) اور منهاج النبوة جلد ۲ ص ۲۹۴ میں ہے کہ جب معاویہ نے اُحُد میں نہر

نکلنے کا حکم اپنے عامل مدینہ کے پاس بھیجا ہے تو معاویہ کو لکھا گیا کہ یہ نہ کسی طرح جاری نہیں ہو سکتی، جب تک شہدائے اُحد کی قبروں پر سے نہ گزرے۔ معاویہ نے لکھا کہ قبریں کھود ڈالو اور شہیدوں کو چڑھیوں پر اٹھا کر دوسری جگہ لے جاؤ۔ یہ تھا بنی امیہ کے بایہ ناز سردار معاویہ بن ابوسفیان کا اسلام۔ اول تو بیش قبر کو یہی حرام ہے اور پھر شہدائے اُحد کی قبروں کا کھودنا وہ بھی محض نہر نکالنے کی غرض سے۔ قفس ہے اس اسلام پر، لکھا ہے کہ جب شہیدوں کو قبروں میں سے نکالا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورہ ہے ہیں۔ قبر کے کھودنے میں ایک چھاؤڑا حضرت حمزہ کے پاؤں میں لگ گیا تھا، فوراً اس سے خون جاری ہو گیا۔ یہ ہے شہیدانِ راہِ خدا کا مرتبہ کہ مرنے کے بعد بھی ان کے اجسام اسی حالت میں رہتے ہیں جس طرح حالتِ زندگی میں تھے۔ زمین کی کیا تاب کہ ان کو گامِ مٹا سکے۔ یہ واقعہ جنگ سے ۶ سال بعد کا ہے۔

جنگِ خندق: اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ بنی نضیر (یہودیوں کا ایک قبیلہ) حبلا وطن ہو کر خیبر کے قلعوں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور ان کے بعض سردار مثلاً حنی بن اشتب، سلام بن ابی اور کنانہ بن ربیع وغیرہ ہر وقت انتقام لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ آخر میں آدمی ان میں سے لگے اور ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے مخالفت رسول پر معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ ابوسفیان چار ہزار قریشیوں کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ راستہ میں چھ ہزار یہودی اور اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

آنحضرتؐ کو اس پر ڈھائی کی خبر پہلے ہی لگ گئی تھی۔ ایک تو مسلمان جنگِ اُحد میں نیک پاچے تھے دوسرے اندیشہ تھا کہ قریش کے پوشیدہ معاون مدینہ میں بھی ہوں گے۔ یہاں کے یہودیوں اور منافقین پر بالکل بھروسہ نہ تھا (دمی

تو تھے جو میدانِ احد میں رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ آئے تھے، منافق تعداد میں زیادہ بھی تھے اور طاقتور بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی ان کا سردار تھا۔ اب شہر مدینہ کے بچانے میں بہت کوشش کی گئی۔ حضرت رسولؐ خدام نے شہر سے باہر نکل کر رطنا مصالحت نہ سمجھا۔ مدینہ کے اور اطراف تو شہر بنیاء اور دیگر عمارتوں سے مضبوط تھے، صرف کوہِ سلع کی طرف سے جبکہ خالی تھی۔ وہیں سے غنیم کے حملہ کا اندیشہ تھا بس اس کے سامنے سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودنے کا حکم دیا۔ عرب کے لوگ اب تک خندق کھود کر رٹنے کے فن سے ناواقف تھے۔ عرب میں اس کے موجد حضرت سلمان ہی تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ سلمان رٹائی میں آنحضرتؐ کے شریک ہوئے۔ حکم ہونا تھا کہ سلمان خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ سلمان سب سے دگنا کام کرتے تھے اور بریاتِ روضۃ الاحباب دس گنا، اور کبھی حضورؐ کا ثبات خود بھی خندق کھودنے میں شریک ہوتے تھے چنانچہ چھ دن میں خندق تیار ہو گئی۔ خندق کا تمام ہونا تھا کہ دشمن بھی قریب کی پہاڑیوں پر آ موجود ہوا۔ آنحضرتؐ ابنِ مکتوم کو مدینہ کی حکومت پر چھوڑ کر بنی نزار آدمیوں کے ساتھ میدان میں تشریف لائے۔ اور اس طرح صفت باندھی کہ خندق سامنے رہے اور کوہِ سلع پشت پر۔ غنیم پہلے تو خندق دیکھ کر بہت حیران ہوا پھر انھوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ سے مسلمان بہت پریشان ہوئے۔ خندق کھودنے کی تکان، بھوک کی تکلیف، دشمنوں کا مقابلہ، ادھر سردی کی شدت تھی۔ دامنِ کوہ

سہ روضۃ الاحباب تاریخِ کامل اور تاریخِ طبری میں ہے کہ خندق کا کام حضرتؐ نے مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا تھا۔ سلمان کے بارہ میں مہاجرین و انصار میں جھگڑا ہوا۔ انصار کہتے تھے ہم میں سے ہے اور مہاجرین کہتے تھے ہم میں سے ہے۔ اس پر رسولؐ خدائے نے فرمایا۔ سلمان صفا اہل البیت (سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے)

اور رات کی سردی ہوا برہنہ کی طرح لگتی تھی۔ ادھر ایک مصیبت یہ تھی کہ رات کو جاگتا بھی پڑتا تھا کہ کفار شب کو دھاوا نہ کریں۔ بلکہ یورش کے خوف سے دن کو بھی مسلمان پتھر لیے مستعد رہتے تھے۔ ایک آفت یہ تھی کہ بعض منافق مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ مدینہ میں پھر حلو، اپنی جانیں کیوں دیتے ہو۔ انھیں راتوں میں سے آخری رات کی بابت معارج النبوة، روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب، مدارج النبوة اور تاریخ خمیس میں حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ بخدا اس رات کو بھوک اور سردی نے ہمیں ایسا ستایا تھا کہ خدا ہی جانتا ہے۔ کسی قدر رات گزرے حضرت خواب سے بیدار ہوئے اور چند رکعت نماز ادا کر کے یاروں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تم میں سے کون ایسا ہے کہ جا کر ان لوگوں کی خبر لے آئے تاکہ خدا اس کو بہشت میں میرا رفیق قرار دے۔ کسی نے حضرت کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب تین مرتبہ یہ فرما چکے اور کسی نے جواب نہ دیا تو صحابہ کرام میں سے تین چار کا نام لے کر بھی کہا۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے اس مشقت سے معاف رکھا جائے اور کہیں نہ بھیجا جائے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ حذیفہ کو بھیج دیجیے (سیرۃ محمدیہ - سیرۃ الحلبیہ) اس کے بعد میرا (حذیفہ) نام لیا۔ میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہؐ۔ فرمایا تجھ سے ہو سکتا ہے کہ آج رات کو ہماری حراست کرے تاکہ قیامت کے دن تو ہمارے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہؐ مگر بھوک اور سردی نے مجبور کر رکھا ہے۔ حضرتؐ نے دعا کی، میری بھوک اور سردی جاتی رہی اور میں حضرتؐ کے حکم سے مخالفین کے لشکر کی خبر لایا تو پھر وہی سردی معلوم ہونے لگی۔

صاحب روضۃ الصفا اور معارج النبوة نے اس طرح نقل کیا ہے کہ

حیب مخالفوں کے لشکر نے مسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جلتے رہے۔ بہت دڑتے۔ ایک تو لشکر کی کثرت دوسرے اس میں عمر ابن عبدود جیسا نامی پہلوان موجود تھا جسے اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر سمجھتے تھے ہجرت و شجاعت کے ساتھ آلات حرب کے استعمال میں کمال رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس موقع پر بیان کیا کہ ایک دن ہم طائفہ قریش کے ساتھ کہ جن میں عمر بن عبدود بھی تھا بہت سا مال تجارت لے کر شام کی طرف جا رہے تھے کہ ناگاہ ہزار کے قریب رہنروں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ اہل قافلہ نے جان و مال سے ہاتھ دھوئے اسی اثناء میں عمر ابن عبدود نے ایک شتر بچہ بجائے سپر ہاتھ میں لے کر شیر زباں کی طرح مخالفوں پر حملہ کیا۔ اس کا ان کی طرف منہ کرنا تھا کہ وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور قافلہ سلامتی سے گزر گیا۔ حضرت عمر سے یہ باتیں سن کر مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ بُردی چھا گئی۔ یہ عمر ابن عبدود بدر کی لڑائی میں زخم کھا کر جنگ سے بھاگ گیا تھا۔ اُنہ میں کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا تھا اب تلافیِ مافات کے لیے آیا تھا۔

اسی اثناء میں جاسوس خبر لائے کہ ابوسفیان نے جی بن اخطب کو بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس بھیج کر یہود ان بنی قریظہ کو بھی جن کا مضبوط قلعہ شہر کے قریب تھا اور آنحضرت سے معاہدہ صلح کیے ہوئے تھے اپنے سے ملا لیا۔ فوج تھوڑی تھی اور تمام خندق کی حفاظت اس سے دشوار تھی۔ بنی قریظہ کے بے ایمانی کے حملے سے بچنا اور شہر میں امن قائم رکھنا بہت مشکل تھا۔ لہذا حضرت نے مشورہ کیا اور ان کے حمایتیوں کو ہٹانا چاہا۔ قوم عطفان اور فزارہ کے بہت سے لوگ قریش کے ہمراہ آئے تھے آنحضرت نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ قریش سے الگ ہو جائیں تو میں مدینہ میں ایک سال کے اندر جتنی کھجوریں پیدا ہوں گی اس کا

ایک ثلث ان کو دے دوں گا۔ وہ راضی ہو گئے تھے لیکن انصار نے خصوصاً سعد بن معاذ نے کہا کہ ہمارے میہوؤں پر ان کو کبھی جرأت نہ ہوگی۔ حبیب ہم مسلمان نہ تھے اور مثل ان کے کافر تھے تب تو بنی غطفان بغیر دام دیے ہماری کھجوریں لے ہی نہ سکے، اب تو ہم سچے دین پر ہیں اور آپ ہمارے سردار ہیں، اب ہم کہاں دینے والے ہیں۔ قسم خدا کی اگر وہ کھجوروں پر دانت رکھتے ہیں تو تلوار سے لیں۔ حضرتؑ نے بھی اس رائے کو مان لیا اور بات گئی گزری ہوئی۔ (ابن اثیر و روضۃ الاحباب)

خندق درمیان میں تھی۔ کفار کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ایک دم سے محمد کر کے مسلمانوں کو کچل ڈالیں۔ لیکن پھر بھی کوئی دن لڑائی سے خالی نہ جاتا تھا۔ جہاں کفار نے خندق بچاندنے کا قصد کیا اور مسلمانوں نے پھر مارنے شروع کیے۔ بیس دن سے زیادہ یہی حال رہا۔ ایک روز کفار نے خندق کا ایک تنگ حصہ دریافت کر لیا اور عکرمہ بن ابی جہل اور عمر بن عبدود اور نوفل بن عبد اللہ و ضار بن الخطاب، بمرہ بن ابی لہب و مرد اس وغیرہ چند نامی جنگجو خندق سے گھوڑے کودا کر اس پر آگئے اور مبارز طلب کیے۔ لڑائی کی کیفیت دیکھنے کو ابوسفیان مع خالد بن ولید بہت سے آدمیوں کا پراجمائے کھڑا تھا۔ عمر بن عبدود بڑا ہی شجاع تھا۔ ایک معرکہ میں اکیلے نے پچاس آدمیوں کو ہلاک کیا تھا مسلمانوں میں سے کسی نے اس کے مقابلے کی بہت نہ کی اور بروایت روضۃ الاحباب ■

حبیب السیر و تاریخ خمیس و روضۃ الصفا وغیرہ ان کی حالت کا تھا علیؑ رؤسہم الطیبر کی ہو گئی یعنی بالکل بے حس و حرکت ہو گئی۔ آنحضرتؑ نے تین مرتبہ اپنے اصحاب سے کہا کہ کون اس کے مقابلہ کو جاتا ہے۔ تینوں مرتبہ صرف حضرت علیؑ ہی بولے کہ یا رسول اللہ میں اس سے لڑوں گا۔ دو دفعہ تو حضرتؑ نے

فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، مگر تیسری مرتبہ حضرت بولے کہ اے علیؑ یہ عمر ابن عبدود ہے۔ حضرت نے عرض کی کچھ پروا نہیں۔ میں بھی تو علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ پس آنحضرت نے اپنی تلوار یعنی ذوالفقار علیؑ کی کمر سے باندھی، اپنی زرہ پہنائی۔ عمامہ اپنا ان کے سر پر رکھا اور دعا کی۔ بار اہلہا۔ عبیدہ جنگ بدر میں مجھ سے جدا ہوئے۔ حمزہ اُحد میں مارے گئے۔ صرف ایک علیؑ رہ گئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔ الغرض علیؑ پیدل میدان میں آئے۔ عمرو ابن عبدود سے مقابلہ ہوا۔ عمرو کی تلوار علیؑ کی سپر کاٹتی ہوئی ستر تک پہنچی۔ علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو کا سر کئی قدم پر جا کر گرا۔ مسلمانوں کو اس لڑائی کی بڑی فکر تھی۔ ہر ایک دست بدعا تھا۔ دونوں میں سخت گتہ پتہ ہوئی۔ دونوں گرد کے بادلوں میں چھپ گئے۔ گرد میں ہاتھوں کی صفائی تو نظر نہ آئی لیکن حضرت علیؑ کی تکبیر سن کر مسلمانوں نے کہا، وہ مارا۔ عمرو مارا گیا تو پھر لقیہ کفار سے لڑائی ہوئی۔ طرفین سے چند آدمی مارے گئے۔ سعد بن معاذ سخت زخمی ہوئے۔ آخر وہ کفار جو خندق پھانڈ کر آئے تھے بھاگے۔ بھاگتے ہوئے نوفل کا گھوڑا خندق نہ پھانڈ سکا اور خندق میں جا گرا۔ علی مرتضیٰؑ نے خندق میں کود کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر دشمنوں کا تعاقب کیا گیا۔ عکرمہ علیؑ کے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ ضار بن خطاب بن مرداس فہری حضرت علیؑ کی صورت دیکھتے ہی بھاگا۔ حضرت عمرؓ نے بھاگتا دیکھ کر پیچھا کیا، وہ پلٹ پڑا اور نیزے کا وارہ کرنا چاہا۔ پھر یہ کہہ کر کہ اگر میں نے عہد نہ کیا ہوتا کہ کسی قریشی کو نہ ماروں گا تو قتل کر ڈالتا، رک گیا اور سر پر چھو کر کہا، یہ نعمت مشکورہ ہے کہ میں نے تم پر ثابت کی۔ جاؤ یاد رکھنا، احسان نہ بھولنا (روفتہ الاحباب) ازالۃ الخفا، خمیس وغیرہ)

عمرو کو مار کر حضرت علیؑ نے اس کی زرہ جو نہایت قیمتی تھی نہ اتاری اور اس کا

سرا کر آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس وقت حضرتؐ نے فرمایا: ”ضررتہ علیٰ
یوم الخندق افضل من عبادة الثقلين“ (علیؑ کی ضرب جنگ
خندق میں جو عمرو کے سر پر پڑی عبادتِ دو جہان سے بہتر ہے) ابن اثیر
نے علی مرتضیٰؑ اور عمرو ابن عبدود کی لڑائی کو اس طرح بیان کیا ہے۔ عمرو
جنگِ خندق کے دن علم لیے ہوئے اپنا مرتبہ دکھانے کو بڑے تزک و احتشام
کے ساتھ نکلا۔ جب وہ اور اس کے ہمراہی میدان میں آکھڑے ہوئے تو پکار
کر کہنے لگا۔ کون شخص میرے مقابلہ کو نکلے گا؟ یہ سنکر علی مرتضیٰؑ میدان میں
آئے۔ عمرو نے دیکھ کر کہا، تم ابھی کمسن ہو۔ اس قابل نہیں کہ مردانِ جنگ کے
سامنے آؤ۔ اٹے پھر جاؤ۔ ابو بکر یا عمر کیوں نہیں آتے جو تم سے بڑے ہیں۔
(روضۃ الصفا) حضرت علیؑ نے کہا، مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں۔ میں ابھی
دم بھر میں تیرا غرور سر سے نکالے دیتا ہوں۔ پھر فرمایا، میں نے سنا ہے کہ تو نے
خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر قریش کا کوئی آدمی دو باتوں میں سے کسی
ایک کی درخواست کرے تو میں ضرور مان لوں گا۔ عمرو نے کہا بے شک میرا
یہی عہد ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا، میں تجھے خدا اور اس کے پیغمبر اور اسلام کی
طرف بلاتا ہوں۔ تب عمرو نے کہا۔ مجھے اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ حضرت علیؑ
نے کہا، میں تجھے میدان میں اتارنے کے واسطے بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا میں تجھیں
قتل کرنا نہیں چاہتا کیونکہ میری تیرے باپ سے دوستی تھی، (حبیب السیر
روضۃ الاحباب، روضۃ الصفا) حضرت علیؑ نے فرمایا، خدا کی قسم میں تو تجھے
قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ اس پر عمرو کو جوش آیا اور گھوڑے سے اتر کر کھڑا ہوا
اور اس کی کوئی کاٹ ڈالیں اور منہ زخمی کر دیا اور حضرت علیؑ کی طرف متوجہ
ہوا۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ (عمرو نے تلوار کا وار کیا۔ علیؑ نے سپر

پرو کا مگر توار سپر کو کاٹ کر سر پر بیٹھی۔ اس وقت شاہِ ولایت پنا نے ضربِ ذوالفقار سے اسکو دو ٹکڑے کر ڈالا۔ (جلیب السیر) آخر کار جب علی مرتضیٰ نے اس کو قتل کر ڈالا اس کے ہمراہی شکست کھا کر خندق سے بھاگتے ہوئے تکل گئے۔ اسی طرح مسلمانوں اور کفار میں کئی مرتبہ مقابلہ ہوا اور گو کہ مسلمانوں ہی کا بول بالا رہا۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ کفار محاصرہ کیے رہے۔ اتنے میں خبر آئی کہ کفار مدینہ پر حملہ کریں گے۔ اس لیے کچھ لوگ میدانِ جنگ سے مدینہ کی حفاظت کو بھی گئے۔ مسلمانوں کی عورتیں مدینہ کے قلعوں میں پناہ گیر تھیں۔ خندق کی لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت مصیبت تھی۔ اتفاقاً اسی رات کو آندھی آئی اور وہ بھی صحرا کی طرف سے نہایت سخت سردی کے ساتھ مدینہ بھی برسائیے اکھڑ گئے۔ کمپ کی آگیں بجھ گئیں۔ کفار میں شور مچ گیا کہ محمدؐ نے جادو سے یہ طوفان برپا کیا ہے اور اب فوج لے کر حملہ کرتا ہے۔ ان میں بڑا اضطراب اور ہچل مچ گئی۔ ابوسفیان کا جی چھوٹ گیا۔ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بازگشت کا حکم دیا۔ کچھ رات رہے دشمن کی فوج میں سے قریش مکہ کی طرف اور ان کے مددگار اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسلمان یہ خبر سنکر مسرور ہوئے اور ایک طور پر اپنے کو فوجیاب سمجھے اور خوشی خوشی مدینہ واپس آئے۔

ایرودنگ لکھتا ہے کہ ابوسفیان نے غم و غصہ کی حالت میں آنحضرتؐ کو لکھا اور ملامت کی کہ یہ کیا بزدلی ہے کہ کھائی کے پیچھے سے لڑے اور یہ وہ چیز ہے کہ عرب لوگ جنگ میں اس سے واقف نہیں۔ یہ بھی لکھا کہ آئندہ کبھی بدلہ لوں گا جب جنگِ اُحد کی طرح کھلے میدان میں مقابلہ ہو گا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں لکھا کہ مرد ہے تو میدان میں آ جا، اور پیشینگوئی کی کہ عنقریب دن آتا ہے کہ قریش کے بتوں کو پارہ پارہ کرتا ہوں۔ صاحبِ روضۃ الاحباب اور صاحب مدارج النبوة جلد ۲

نکلتے ہیں کہ اس غزوہ میں خاص کر حیدر کرار صاحبِ ذوالفقار علی مرتضیٰ سے ■
 مبارزت و مقاتلت واقع ہوئی کہ حدِ قیاس اور احاطہ عقل سے باہر ہے جیسا کہ
 اخبار میں وارد ہوا ہے۔ لمبارزۃ علی یومہ الحندق افضل من اعمال
 امتی الی یومہ القیامۃ (علی بن ابی طالب کا خندق کی لڑائی میں جنگ
 کرنا میری امت کے اعمال نیک سے جو قیامت تک ہوں گے بہتر ہے) ایک
 روایت میں بجائے اعمال امتی کے عبادۃ الثقلین (جن و انس کی عبادت سے) واقع
 ہوا ہے۔ اور بعض روایات میں لمبارزۃ علی کی جگہ بغیرۃ علی وارد ہوا
 ہے اور صاحب سیرۃ المحمدیہ اور حیوۃ الحیوان ناقل ہیں کہ جمہور اہل سیر روایت کرتے
 ہیں کہ حبیب جناب امیر عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لیے نکلے تو آنحضرتؐ نے
 فرمایا بذر الایمان کلمہ الی الشریک کلمہ یعنی پورا پورا ایمان پورے پورے
 کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے۔ (حیوۃ الحیوان نعمت حیدر) نیز اس روایت کو حاکم
 نے صحیح میں، دیلمی نے فردوسی میں، خوارزمی نے مناقب میں، امام فخر الدین رازی
 نے اربعین میں اور جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب ص ۳۲۶ بڑے وثوق
 سے درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جناب علامہ عینی شاہ صاحب نظامی حیدر آبادی
 کا مضمون مندرجہ اخبار منادی دہلی ۵ و ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء جو اہل سنت کے
 نہایت مستند علماء سے ہیں۔

کشف الغمۃ میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے اس مجلس میں اکٹھے کر حضرت علیؑ
 کے سر کو چوم لیا اور عبداللہ بن مسعود نے پڑھا کفی اللہ المؤمنین القتال
 بعسائی وکان اللہ عن سیزاً حکیم (منقول از تاریخ اسلام مولفہ ماسٹر
 ذاکر حسین صاحب مرحوم)

غزوہ حدیبیہ ﷺ : حضرت نے خواب میں دیکھا کہ اعماب کے

ساتھ چ کر رہا ہوں۔ صبح کوچ کا ارادہ کیا۔ ذیقعد کا مہینہ تھا جس میں علاقہ حرم میں دشمنوں کو بھی لڑنا منع ہے۔ کچھ تو زیارت کعبہ کا شوق، کچھ وطن جانے کی خوشی، اکثر ہاجر اور انصار بھی سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ یحییٰ ذیقعد کو ۱۴-۱۵ ہجری مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ستر اونٹ قربانی کے واسطے ساتھ لے گئے۔ قریش کو خبر ہوئی، وہ مزاحمت کے لیے آمادہ ہوئے۔ آنحضرتؐ کو قریش کی مزاحمت کا حال معلوم ہوا تو مکہ سے ایک منزل پر چاہ حدیبیہ کے پاس ٹھہر گئے۔ یہاں سے ایچیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ قریش کا ایک ایچی عروہ بن مسعود ثقفی جو اہل طائف کا سردار تھا آنحضرتؐ کے پاس آکر کہنے لگا کہ اب کے سال قریش نے لڑائی کا بڑا سامان کیا ہے۔ آپ مکہ تشریف نہ لے جائیں۔ اثنائے گفتگو میں عروہ کا ہاتھ حضرتؐ کی ڈاڑھی کو لگ گیا۔ ایک صحابی نے عروہ کے ہاتھ پر چمڑہ مار کر ہٹایا اور کہا: یہ کیا گستاخی ہے؟ علاوہ اس کے عروہ کو بڑا تعجب ہوا جب اس نے دیکھا کہ اصحاب آنحضرتؐ کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ ایوان کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی بھی اتنی تعظیم ان کی رعیت نہیں کرتی۔ بروایت ابوہریرہ جب آپؐ وضو کرتے تو آب وضو کو اصحاب متبرک کر لیتے۔ تھوکتے تو تھوک اٹھا لیتے۔ کوئی بال جھڑپاتا یا ناخن کترا جاتا تو تبرک سمجھ کر اٹھا لیتے۔ عروہ نے کمال ہیرت کے ساتھ قریش میں واپس آکر یہ حال بیان کیا۔

بروایت ابن اثیر روضۃ الاحباب اور حبیب السیر عروہ کی واپسی کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا کہ تم قریش سے جا کر کہو کہ رسول اللہؐ تم سے لڑنے کو نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادے سے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ قریش میرے دشمن ہیں مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ وہاں میرا کوئی حمایتی نہیں۔ اگر عثمان کو بھیجے تو بہتر ہوگا کیونکہ قریش ان کو عزیز رکھتے ہیں۔ پس

حضرت عثمان کو شرفائے قریش کے پاس روانہ کیا گیا۔ قریش نے عثمان کی بڑی خاطر داری کی کیونکہ آپ ابوسفیان کے رشتہ کے بھتیجے بنی امیہ سے ہی تھے۔ اور کہا اسے عثمان اگر تیرا ارادہ رچ کر نہ لے لے تو بیشک طواف کر جا۔ حضرت عثمان نے کہا میں بغیر رسول اللہ کے کس طرح طواف کروں۔ قریش نے خفا ہو کر ان کو گرفتار کر لیا۔ بروایت ابن اثیر ایک کبیر کے درخت کے نیچے تمام صحابہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی جان دے دیں گے، کنار کو ماریں گے خود مر جائیں گے مگر اس مقام سے ہرگز نہ ٹھکیں گے۔ اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ جابر نے کہا ہے کہ یہ بیعت ہم نے اس لیے کی تھی کہ بھاگیں گے نہیں اور کبھی لڑائی سے منہ نہ موڑیں گے۔ اس بیعت کے کرنے والے اصحاب شجرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی تعداد طبری نے ۴۱ سو یا ۱۵۲۵ لکھی ہے۔ حبیب السیر نے ۴۱ سو ہی کی روایت نقل کی ہے۔ الغرض جب صحابہ مرنے پر تیار ہو گئے تو قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کی غرض سے حضرت رسول خدام کی خدمت میں بھیجا اور عثمان کو بھی لے کر کے سہیل کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت نے ان کی شرائط کو مان کر صلح کر لی۔ حضرت عمر اس پر بہت بگڑے۔ عرض کی یا رسول اللہ یا تو آپ خدا کے رسول نہیں ہیں یا ہم لوگ مسلمان نہیں۔ حضرت نے فرمایا، کس طرح۔ عمر نے کہا آپ دین اسلام کی کیوں عزت کھوتے ہیں۔ ان لوگوں سے لڑنا ہی مناسب ہے۔ حضرت نے فرمایا، میں ایک خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا مگر اتنا مانتا ہوں کہ مجھ کو تباہ اور منافع نہ کرے گا۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۱ ص ۹۹

قال رسول الله يا عمر قد رضيت و تابی انت یعنی صلحنامہ مدینہ کے موقع پر آنحضرت نے عمر سے فرمایا، عمر میں بہ تحقیق راضی ہوں اس پر اور تم انکار کرتے ہو۔ نیز بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰ باب الشرائط بجہاد والمصالحة مع اهل عرب۔ قال

عمر ابن الخطاب فاتیت النبی فقلت الست نبی اللہ حقاً قال بلی قلت
 السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی قلت فلم لعلنی
 الدنئیة فی دنیا اذن قال اتی رسول اللہ ولست اعصیہ وهو
 ناصری۔ یعنی حضرت عمر خود بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہ کی
 خدمت میں آیا اور عرض کی، کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا
 ہاں میں سچا نبی ہوں۔ پھر میں نے کہا کیا ہم مسلمان حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن
 جھوٹ پر؟ آپ نے فرمایا ہاں اسی طرح ہے۔ پھر میں نے کہا تو پھر ہم اپنے دین کی
 اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں! (استغفر اللہ) شکریہ کرتے ہوئے کفار سے صلح کر
 رہے ہیں) رسول اللہ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا
 دیگر روایتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی عرض کی، کیا آپ نے
 نہیں فرمایا تھا کہ مکہ فتح ہو جائے گا۔ رسول اللہ نے فرمایا سچ ہے۔ مگر میں نے یہ
 نہیں کہا تھا کہ اسی سال فتح ہوگا۔ یہ صلح حدیبیہ بھی خدا کے حکم اور مرضی کے مطابق
 کی جا رہی ہے۔ اس پر بھی حضرت عمر کی تسلی نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکر کے پاس گئے
 اور ان سے کہا کہ کیا یہ خدا کے سچے نبی نہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ سچے ہیں۔
 فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے ذیل میں درج ہے۔ خود حضرت
 عمر کا بیان ہے۔ قال عمر لقد دخلنی امر عظیم وراجعت النبی را جعة
 ما راجعته مثلها قط قال الراوی فرجع عمر متشیظاً فلم یصبر
 حتی جاء ابان بکراخ حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس دن میرے دل میں بہت بڑا
 خدشہ پیدا ہوا۔ میں نے بار بار نبی سے دریافت کیا اور اس قدر تکرار کیا کہ اس سے
 پہلے کبھی میں نے رسول اللہ سے ایسا تکرار نہیں کیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر بھی
 حضرت عمر کی تسلی نہ ہوئی اور صبر نہ ہو سکا۔ غیظ و غصہ میں بھرے ہوئے حضرت

الربکہ کے پاس پہنچے اور یہی کہا، کیا یہ نبی اللہ کے بچے نبی نہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ بچے نبی ہیں۔ نیز مدارج النبوة جلد ۲ ص ۲۸۔

حضرت عمر کا یہ قول ماسککت اسلمت الا لیومعین
اسلام لانے کے بعد سے مجھے کبھی ایسا شک نہیں ہوا جیسا کہ اس روز، تفسیر
در منثور جلال الدین سیوطی جلد ۶ ص ۷۹۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲ ص ۲۸۵ زاد المعاد
نظامی جلد ۳ ص ۳۷۶۔ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۷۶۔ معالم التنزیل لغوی جلد ۱ ص ۷۸۔
الغرض حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا، یا علیؑ ایک صلحنامہ تحریر کرو۔ اس طور پر
کہ اول میں اس کے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔ تہلیل نے کہا اہم یہ نہیں جانتے۔ لبیک اللہم
لکھو جو قریش لکھا کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، خیر یونہی لکھ دو۔ جب یہ لکھ
چکے تو فرمایا، اے علیؑ اب لکھو یہ صلحنامہ ہے جو محمد رسول اللہؐ نے قریش سے کیا۔
تہلیل نے کہا کیا خوب۔ اگر ہم آپؐ کو رسول جانتے تو آپؐ سے لڑتے ہی کیوں۔ آپؐ
اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے۔ حضرتؑ نے یہ بھی منظور کیا (ابو الفدا) اور برداریت
صاحب تذکرۃ الکرام اور حبیب السیر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہؐ
کو محو کر کے محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علیؑ نے لفظ ادب فرمایا کہ یہ کام ہم
سے نہیں ہو سکتا کہ وصف رسالت کو محو کر دیں (عبدالحق محدث دہلوی جلد ۲
مدارج النبوة ص ۲۲۳۔ میں لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر علیؑ اپنا ہاتھ قبضہ شمشیر پر لے گئے
انکار کرنا حضرت علیؑ کا لفظ رسول اللہؐ محو کرنے سے بلحاظ ترک حکم نہ تھا بلکہ
عین استلزام حکم برداری اور ادب ہے۔ اور غایت عشق و محبت رسولؐ پر مبنی تھا
اس پر حضورؐ نے خود محو کر دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھوا دیا۔ مدارج النبوة
شواہد النبوة۔ مدارج النبوة۔ تاریخ خمیس۔ تاریخ کامل۔ حبیب السیر اور روضۃ الاحباب
میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، اے علیؑ تم کو بھی ایک زمانہ میں یہی دن

پیش آنے والا ہے (چنانچہ جنگ صفین کے بعد صلح نامہ لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ ہے
امیر المومنین علیؑ کا معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ۔ تو معاویہ کی طرف سے عمرو عاص
نے کہا کہ لفظ امیر المومنین کو محو کر دو اور اس کے بدلے علی بن ابی طالب لکھو۔
حضرت علیؑ نے فرمایا سچ کہا تھا رسول اللہؐ نے اور عمرو عاص کے کہنے
کی بموجب منظور کیا)

صلح نامہ حدیبیہ کے تحریر ہونے کے بعد ابوسفیان نے بہت بغلیں بجائیں
اور قریش کے مجمع میں کہا، اب ہم نے مجھ کو دبا لیا ہے۔ عنقریب ہم ان کی
تمام قوت کو توڑ دیں گے لیکن اس کی یہ مراد پوری نہ ہوئی بلکہ اس کے
برخلاف خدا نے اس کی ہی ناک رگڑ وادی جلیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آتا ہے۔
قریش مکہ سے یہ صلح نامہ ملے ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو
قربانی کرنے اور سرمنڈانے کا حکم دیا لیکن حضرت عمرؓ کی ناراضی و ناپسندیدگی اور
انہما شک کی وجہ سے اس صلح نامہ کے متعلق اور لوگوں میں بھی کچھ بے دلی و ناراضی
پیدا ہو گئی تھی۔ اس لیے لوگوں نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنے میں دیر و درنگ
اور پہلو ہتی کی تو آنحضرتؐ غضبناک و ناراض ہو کر جناب ام سلمہؓ کے خیمہ میں
تشریف لے گئے اور ان سے مسلمانوں کی اس حرکت کے متعلق شکایت فرمائی۔
حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ آپ باہر تشریف لے جا کر خود قربانی
فرادیں اور میرا قدس منڈوالیں۔ پھر یہ سب حضورؐ کے اتباع میں قربانی بھی کر لیں
گے اور سر بھی منڈالیں گے۔ ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۵۔

حضرت رسول خداؐ کے مدینہ میں پہنچنے کے

بعد دین الہی نے ترقی کی۔ اسلام کا زور ہوا۔

جو حق و لوگ آ کر دین خدا میں داخل ہونے لگے۔ یٰٰذَا خُلُوْنِ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ

اُفواجِ آجاء مسلمان روز بروز طاقت و قوت پکڑتے جاتے تھے۔ بدر و احد کی لڑائیوں میں بھی قریش مکہ شکست کھا کر بھاگ چکے تھے مگر پھر بھی مکہ معظمہ ابھی کفر کا گھر بنا ہوا تھا۔ خانہ کعبہ میں ابھی بتوں کا دور دورا ہے۔ بیت اللہ بیت الصنم بن رہا ہے۔ خدا کا حبیب مناسب وقت کو تلاش کر رہا تھا تا کہ حرمتِ کعبہ بھی قائم رہے اور مکہ معظمہ بلا جنگ و جدل فتح ہو کر بتوں سے پاک ہو جائے۔ اسلام کا پھر یہاں، توحیدِ الہی کا جھنڈا بغیر فساد و خونریزی کے خانہ الہی پر لہرائے۔ استشهد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ کی پڑا اثر صد کعبہ کی چھت سے بلند ہو کر حجاز کی پہاڑیوں میں سے گونجنے اور حجازِ دانگِ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا دے۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا کہ ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی قحطافہ، توحیدِ اسلام کا مبلغ، دین الہی کا بانی، حبیبِ رب العالمین اپنے محبوب کے گھر کی عظمت و قار کو قائم رکھتا ہوا بلا قتل و غارت مکہ معظمہ اور حرمِ خدا میں داخل ہوتا ہے۔

اسلام کی فوج ظفرِ موجِ دس ہزار مسلمانوں کا لشکرِ جرّار مکہ کی طرف بڑھتا ہے اور مکہ کے قریب پہنچ کر لشکرِ نبوی کا پٹاؤ ہوتا ہے۔ سرورِ عالم کے حکم سے الگ الگ ہر ایک رسالہ نے فوج کے کیمپوں میں آگ روشن کر دی ہے جس سے مکہ کا جنگل وادیِ امین بن گیا ہے۔ سردارانِ قریش مشرکین مکہ ابوسفیان وغیرہ پہلے ہی شکستیں کھا کر دل مار چکے تھے۔ اسلامی لشکر کے اس ہیبتناک نظارہ کو دیکھ کر جو سمندر کی طرح لہریں مار رہا تھا اور کوکبہ نبوی کو دیکھ کر جو چاند کی طرح توحیدِ الہی کا نور برسا رہا تھا، اور بھی خائف ہو گئے۔ ابوسفیان، حضرت عباس کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بظاہر اسلام کا اقرار کیا (تفصیل کے لیے دیکھو مدارج النبوۃ حبیب السیر وغیرہ) اب لشکرِ اسلام سمندر کی طرح موجیں مارتا اسلامی پھر یہی اڑاتا

توحیدِ خدا کے ڈنکے بجاتا، تکبیر کے نعرے لگاتا، مع شہنشاہِ دو عالم سرورِ کونین خُلق
 مجسمِ رحمت اللعالمینؐ کے مکہ معظمہ میں داخل ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائناتؐ خُلق
 محمدی کے پھول برساتے ہوئے عفو و بخشش کے فرمان جاری کرتے ہوئے، اُردت
 احسان کا حکم سناتے ہوئے خانہ محبوب کی طرف جاتے ہیں اور عظمتِ خانہ کعبہ
 اور اپنے عہد کو برقرار رکھتے ہوئے یہ اعلان فرماتے ہیں کہ جو شخص بیت اللہ میں پناہ
 لے یا خانہ ابوسفیان میں داخل ہو جائے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے
 یا ہتھیار ڈال دے۔ امان میں ہے۔ یہ ہے رحمِ محمدی۔ یہ ہے خُلقِ نبوی۔ دیکھو
 تاہم ابو رسالت نے یہ رعایت اس ابوسفیان کے ساتھ ملحوظ رکھی ہے جو اسلام کا
 سب سے زیادہ دشمن، رسولِ خداؐ کے خون کا پیاسا اور بقول مولانا شبلی وہ شخص
 تھا کہ اس کے گزشتہ اعمال کی ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام
 کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائلِ عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل
 کی سازش۔ غرض ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ (سیرت النبی ص ۳۶۶)
 ایسے شخص کو امان دینا بلکہ اس کے گھر میں داخل ہونے والے کو بھی امان بخشنا اسی
 رسولؐ کا کام تھا۔ مگر افسوس اس احسانِ محمدی کا بدلہ ابوسفیان کے پوتے
 یزید نے رسولِ عربیؐ کے جان و جگر حسینؑ کو اسی مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ کے
 اندر اس طرح دیا کہ ان کے قتل کا عین خانہ کعبہ میں حکم صادر کیا اور مکہ میں
 ان کے رہنے کو ممنوع قرار دیا۔

الغرض ہر ایک قبیلہ کا سردار اور ہر فوج کے افسر کو حکم دیا گیا کہ کوئی تلوار
 نہ چلائے، کسی کو قتل نہ کرے، کسی کا گھر نہ لوٹے۔ حضرت عباسؓ، رسول اللہؐ کے
 ایما سے ابوسفیان کو لیے ہوئے ایک ٹیلے پر پہنچے اور اسلامی شان کا مظاہرہ کرایا
 مسلمانوں کا ہڈی دل دیکھ کر ابوسفیان کے چھکے چھوٹ گئے۔ دیکھا کہ رسالہ پر سالہ

اپنے اپنے سردار کی ماتحتی میں اسلامی تنظیم کے مطابق بڑھ رہا ہے۔ علموں کے پھولنے ہوئے ہیں اور رہے ہیں۔ اللہ اکبر کی صدائیں آ رہی ہیں۔ ابوسفیان ہر فرس کو عباس سے پوچھتا جاتا تھا اور شوکت اسلام سے حد درجہ خائف و ترساکہ بنا ہوا تھا۔

سعد بن عبادہ لشکر انصار کے سردار حبیب قبیلۃ انصار کا لشکر جوار لے کر اس طرف سے گزرے تو ان کی نظر ابوسفیان پر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ نلکا کر گیا۔ ایوم یوم الملحمہ ایوم لتقتل الکعبہ۔ آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ کو حلال کر دیا جائے گا۔ اس آواز سے ابوسفیان کے ہوش بولنے لگے۔ حیرت سے ایک ایک کا منہ کھڑا تک رہا تھا کہ سب سے آخر میں پرچم محمدی کو کعبہ نبوی آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نظر آیا۔ آسمان سے نور کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ رحمت و برکت کی بارش ہو رہی تھی۔ نگہ رشک و طور سینا تھا۔ ہر طرف حبالِ ایزدی کا جلوہ تھا۔ ابوسفیان نے شانِ محمدی کو دیکھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ حضور نے سنا کہ سعد بن عبادہ انہی کیا کہتے ہوئے گزرے ہیں؟ حضرت نے فرمایا، نہیں نہیں۔ ابنِ عبادہ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا دن ہے اور حکم دیا کہ علم کو سعد سے لے لیا جائے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سعد کے بیٹے قیس کو وہ علم دلوا یا گیا۔ (حبیب السیر۔ مدارج النبوة۔ سیرۃ النبی) عرض کہ برابر بارگاہِ اہلسنت سے یہی تاکید اور فمائش رہی کہ کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ کوئی تلوار نہ چلائی جائے۔ چنانچہ نہ مالکین و امیر (یوان) سے پہلے مسلمان ہو چکا تھا، کا دہشتہ فرج حبیب داخل ہوا اور ان کی بڑ بڑ قریش سے ہوئی اور تلوار چل گئی تو رسول اللہ نے یہ سنکر اظہارِ ناراضی فرمایا اور فوراً حکم دیا کہ تلوار کشتی کو روک دیا

ہمائے۔ مکہ میں داخل ہوئے۔ مکہ اور اہل مکہ آج سب تاجدارِ نبوت کے زیرِ حکم تھے۔ حضورِ سرورِ عالم سب کی جان و مال کے مالک تھے۔ جس طرح چاہتے ان سے سلوک فرماتے، مگر قربانِ رحم و عفو نبوی کے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا تشریب علیکم الیوم وافتحہم طلقاء۔ میں نے اپنے قصور تم کو معاف کیے اور تم کو آزاد کر دیا۔ اس بخششِ محمدی اور عفو نبوی کا یہ اثر ہوا کہ جوق جوق لوگ آتے تھے۔ بیعت کرتے تھے اور مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ اللہ اللہ عجب وقت ہوگا اور عجب نظارہ ہوگا۔ جب رسولِ عربی مدینہ کا والی مکہ کا وارث خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ کی طرح ایک ایک بُت کو توڑتے اور جہاں الحق و زہق الباطل کے نعرے مارتے جاتے ہوں گے۔

قریش نے خانہ کعبہ کی چھت پر بہت سے بت لگا رکھے تھے جن میں پہل سب سے بڑا تھا۔ جس کو جنگِ اُحد کے موقع پر ابوسفیان اٹھا کر شکرِ کفار کے سامنے اپنی حمایت اور کفارِ مکہ کو جوش دانے کے لیے لے گیا تھا۔ یہ بھی کعبہ کی چھت پر ہی رکھا ہوا تھا۔ حضرت نے اپنے بھائی نفسِ رسول زورِ جہاں بولے۔ یا علی انت متی وانا منک کے مصداق علی بن ابی طالب کو اپنے دوہن مبارک پر چڑھا کر اور

علیٰ بد دوش احمد چشم بد دور

عیال شد معنی نور علی نور

کا جلوہ دکھا کر اس بڑے بُت پہل اور دوسرے بتوں کو دستِ بید اللہ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نیچے گرا دیا اور اس خانہ کو حید کو شرک و کفر سے پاک و صاف بنا دیا (مدارج النبوۃ - حبیب السیر) حضرت بنیٰ مؤذن رسولؐ نے حکم نبوی سے اسی خانہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ اللہ اللہ جہاں دن رات لات و منات

اہل کی درج کے راگ لگائے جاتے تھے آج وہاں سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آواز سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں۔

جناب عجم بزرگوار حضرت وزیر الدولہ بہادر مرحوم دمعفیہ راس واقعہ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں :- "اب چند ثبوت کعبہ کی دیواروں پر باقی رہ گئے تھے جہاں ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پس جناب علی مرتضیٰؑ نے عرض کیا کہ میرے کاندھے پر پائے مبارک رکھ کر ان کو بھی توڑ ڈالیں۔ مگر آپؑ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم میرے کاندھے پر چڑھ کر ان کو توڑ دو جس سے ظاہر مقصود یہ تھا کہ جناب موسیٰؑ کا خلیفہ وزیر اور شریک فی الامر ہونا ہر کسی کو معلوم ہو جائے۔ بس وہ صاحبِ ولایت کبریٰ جو محمد رسول اللہؐ کے ساتھ وہی نسبت رکھتا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کو تھی۔ بخاری اور مسلم نے بالاتفاق سعد بن ابی وقاص کی سند پر روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو فرمایا انت منیٰ بمنزلة ہارون من موسیٰ اَلَا اِنَّہٗ لَانبِیْ بَعْدِی۔ یعنی "تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ یعنی نبوت کے سوا تمام کمالات روحانی جیسے مجھ کو حاصل ہیں ویسے ہی تم کو بھی حاصل ہیں اور جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے ساتھ خدا کے حکم کی بجا آوری میں شریک تھے ویسے ہی تم میرے ساتھ شریک ہو۔ وَکَفٰی هٰذَا لَکَ فَصْلًا۔ (اعجاز التنزیل صفحہ ۱۵۱)

الغرض اس قبلہ انام کے دوش مبارک پر پاؤں رکھ کر کعبہ پر چڑھ گیا اور بتوں کو زمین پر ٹپک کر اس مشکل خدمت کو پورا کیا۔ جس کی بجا آوری کا وعدہ کوہ صفا کی دعوت کے موقع پر کیا تھا (یعنی دعوت ذوالعشرہ کا واقعہ) (حاشیہ اعجاز التنزیل)

اب جب کہ اسلام محمدی، دین نبوی کی دن دہنی اور رات جو گنی ترقی ہونے لگی۔ آفتاب رسالت کی بڑھتی ہوئی نورانی شعاعوں نے بنی امیہ، قریش مکہ کی کفر و ضلالت کی کالی گھاٹوں کو بھڑا دیا۔ ابوسفیان کے قوت بازو، عزیز رشتہ دار کفار قریش کے بڑے بڑے نامی سردار حضرت سید الشہداء امیر حمزہ کی تلوار شہر بارہ اور نقشب رسولؐ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذوالفقار متعلہ بارہ سے خاک سیاہ ہو کر دنیا سے اٹھ گئے۔ اب فتح مکہ کے بعد امیر ابوسفیان کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو ان کو اور ان کی بیوی اولاد عشرہ قبیلہ کے لوگوں کو طوعاً کرہاً اسلام النبی دین محمدؐ کا بظاہر اقرار کرنا پڑا کیونکہ بلا اقرار اسلام بظاہر شرک و کفر کی حالت میں رہ کر احکام اسلامی کی زد سے بچ نہیں سکتے تھے۔ گو اسلام کا اقرار کر لینے اور مسلمان ہو جانے پر اسلام سے مخالفت اور حسد و عناد کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے لیکن نفاق کی راہ میں چھپی ہوئی (دین محمدی) اسلام الہی بنی ہاشم سے عموماً اور آل محمدؐ سے خصوصاً بغض و عداوت اور حسد و عناد کی چنگاریاں سلگتی رہیں اور آل محمدؐ سے دشمنی و حسد کا ناپاک دھواں ان کے سینوں سے اٹھتا ہی رہا۔

روز فتح مکہ ابوسفیان اور ہندہ بنت عتبہ (مادر امیر معاویہ) کے اسلام لانے اور مسیحیت کرنے کی جو کیفیت و صورت مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ ۳۷۷، ۳۷۸ اور ۳۷۹ پر درج فرمائی ہے ہم بھی اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لیے بحسبہ درج ذیل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو شبلی صاحب لکھتے ہیں:-
 ”صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ہی ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن طبری وغیرہ اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مبالغہ لکھا ہے:-“

رسول اللہؐ: "کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟"
ابوسفیان "کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔"

رسول اللہؐ: "کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟"
ابوسفیان: "اس میں تو ذرا شبہ ہے۔"

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا۔ سیرۃ النبی ص ۴۴-۴۵۔
پھر بعد فتح مکہ عورتوں کے مسلمان ہونے اور بیعت کرنے کے ذکر میں درج کرتے ہیں:-

"ان مستورات میں ہند بھی آئی۔ یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عقبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی۔ حضرت حمزہ کو اس نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی۔ شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اس نے نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں:-

ہند: یا رسول اللہؐ، آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟
رسول اللہؐ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔
رسول اللہؐ: پوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہؐ: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: رہنا ہم صفاراً وقتلتم کباراً فانتم دہم اعلیٰ یعنی ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان

کو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔ (سیرۃ النبی ص ۸۲-۸۱) علامہ شعبی تہذیب بن علیہ کے اسلام لانے اور بیعت کرنے کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ قال شعبی قد اشار رسول اللہ الی ہند یوم فتح مکہ لبشی من ہذا فانہما لما جاء عنہما لتبایعہ فقالت علی ما ابایک فقال ان لا تزینین فقالت هل ترضی الخمرۃ فعرفنا رسول اللہ الی عمر فتبسم۔ یعنی شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فتح مکہ کے دن بعض ایسی ہی چیزوں کا اشارہ کیا تھا جبکہ تہذیب حضرت کی خدمت میں بیعت کے لیے آئی تھی۔ تہذیب نے کہا کس چیز پر آپ کی بیعت کروں۔ آپ نے فرمایا اس امر پر کہ زنانہ کرنا۔ تہذیب نے کہا کیا آزاد عورتیں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ سن کر رسول اللہ نے اس کو پہچانا اور حضرت عمر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔ (رسالہ معاویہ ص ۱، دائرۃ الاصلاح لاہور) تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی۔

جب فتح مکہ کی خبر اطراف عرب میں پھیلی تو بنی ہوازن، بنی ثقیف،

بنی جشم، بنی سعد اور دیگر صحرائی قوموں نے آنحضرتؐ کے لڑنے کے واسطے آپس میں اتحاد کیا۔ یہ بنی سعد وہی ہیں جن کے پاس آنحضرتؐ کا بچپن جلیہ سعودیہ کے ساتھ گزرا تھا اور بنی ثقیف وہی ہیں جنہوں نے طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ بدر سلوکی کی تھی اور پھر برسائے تھے۔ اس اجتماع کو سکر آنحضرتؐ بھی بارہ ہزار یا بروایت سولہ ہزار فوج لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ان میں دس ہزار مہاجر و انصاری تھے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔ حسب معمول اس جنگ میں بھی حضرت علیؑ علیہ السلام تھے اور دو ہزار باشندگان مکہ تھے جن میں سے بعض ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ کا فر بھی ہمراہ تھا۔ اس

سے ایک سو زورہ حضرت نے اس جنگ میں عاریت لی تھی۔ تاریخ خمیس
 میں ہے کہ اسی مشرکین آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ ۶ سوال کو آنحضرتؐ مکہ
 سے باہر آئے۔ مسلمان وادی حنین تک پہنچے تھے۔ غنیم کی فوج پہلے ہی آ
 موجود ہوئی۔ وہ جابجا پہاڑ کے دروں میں چھپ گئے تھے۔ مسلمان اس سے
 واقف نہ تھے۔ صبح کو راستے کی تنگی کی وجہ سے متفرق ہو کر آگے بڑھے۔
 اس متفرق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فتح مکہ سے اور اپنی تعداد کی زیادتی
 سے مسلمانوں کے دلوں میں کچھ نخوت بھی آگئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب
 اور تاریخ خمیس اور حایب السیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کا
 یہ شاندار لشکر دیکھ کر کہا تھا کہ آج ہم کئی لشکر کے سبب سے شکست پائی
 گے۔ اس نخوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن کہیں گاہ سے
 نکل پڑے اور ایسے نکلے کہ مسلمان حیران رہ گئے۔ مارے تیروں پتھروں اور نیزوں
 کے بوکھلا گئے اور راہ فرار اختیار کی۔ سب سے پہلے خالد بن ولید جو سیف اللہ
 کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں بھاگے۔ اس کے بعد کفار قریش کہ قریب العهد بجاہلیت
 تھے بعد ازاں باقی اصحاب ہاجر والنصار نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت ابو بکرؓ
 عمر بھی قدم نہ جما سکے۔ بہت سے مسلمان مارے گئے۔ کئی زخمی ہوئے۔ حضرتؐ
 نے بہت پکارا کہ اے اصحاب بیعت الرضوان تم اپنے رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر
 کہاں جاتے ہو مگر ایک نہ سنی۔ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ نفسی نفسی کی پڑی ہوئی تھی
 اس طرح مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

اس موقع پر کفار مکہ اور منافقین کے بغض و کینے خوب ظاہر ہو گئے۔
 ابوسفیان بن حرب جو فتح مکہ کے موقع پر ظاہر میں مسلمان ہو چکا تھا اپنے ترکش
 کو بتوں سے بھرے ہوئے مستعد کھڑا تھا اور ہنس ہنس کر کہتا تھا، ابھی کیا ہے

یہ مسلمان تو سمندر تک بھاگیں گے۔ صفوان بن امیہ کے بھائی کلدہ نے بھی پکار کر کہا کہ اب محمد کے جادو کا اثر جاتا رہا (عسقلانی۔ شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۲)۔ معارف ابن قتیبہ ص ۵۰۔ روضة المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ ض ۱۵ تاریخ ابوالفدا ص ۱۵۰) حبیب السیر میں ہے کہ حبیب سب مسلمان بھاگ گئے تو آنحضرتؐ نے ناپار ہو کر اپنا حجر لڑنے کے لیے آگے بڑھایا۔ مگر عباس نے لنگام مقام کی اور لڑنے سے روکا۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے مفروہ مسلمانوں کو لٹکار کر کہا۔ اے گروہ انصار! اے اصحاب الشجرہ! اے اصحاب سورۃ بقرہ! کہاں جاتے ہو؟ یہ آواز سن کر مسلمان جمع ہونے لگے اس اثنا میں دشمن بلندی سے اتر آئے تھے۔ میدان میں خوب جنگ ہوئی اس لڑائی میں ستر کافر اور چار مسلمان مارے گئے۔ حبیب السیر اور سیرت ابن مشام میں ہے کہ منجملہ ستر مقتول کفار کے چالیس حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مواہب لدنیہ۔ تاریخ خمیس اور فتح الباری میں ہے کہ صرف حضرت علیؑ، عباس، ابوسفیان بن حارث، عبداللہ بن مسعود یہ چار شخص اس جنگ میں ثابت قدم رہے اور آنحضرتؐ کو دشمن کی زد سے بچاتے رہے۔

باوجودیکہ ابوسفیان اور اس کے بیٹے معاویہ اور یزید وغیرہ نے مسلمانوں کا سخت ہتھکڑا دیا تھا اور کسی طرح کی مدد حضرتؐ کو نہ دی تھی مگر اس پر بھی حضرتؐ نے محض ان لوگوں کی تالیفِ قلب کے لیے غنیمتِ حنین میں سے حصہ دیا۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے بیٹوں یزید و معاویہ تینوں میں سے ہر ایک کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

جب رحمتہ للعالمین رسول اللہؐ کے اس بخشش و عطیہ سے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹوں

معاویہ و یزید کو ملی تو ان کی باچھیں کھل گئیں اور کہنے لگے یا رسول اللہ
 آپ تو جنگ و صلح دونوں حالتوں میں صاحبِ کرم ہیں۔ (مدنِ اسلام
 جرجی زندان عیسائی مؤرخ ص ۵۴ و ۵۵۔ حالات مؤلفۃ القلوب)
 اور جب انصار میں اس عطیہ کے متعلق کچھ ناخوشی پیدا ہوئی اور
 چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آنحضرتؐ اس عطیہ کی مصلحت اور اس تالیفِ قلوب
 کی لم اور ان بنی امیہ البوسفیان و معاویہ و یزید فرزند ان البوسفیان کے قریب کفر
 ہونے کو ظاہر فرما دیا۔ دیکھو صحیح بخاری شرح القاری جلد ۸ ص ۱۵۹-۱۶۰ و ۱۶۱
 اور شرح عسقلانی جلد ۶ ص ۲۵ و ۲۶۔

رسول اللہؐ نے انصار سے فرمایا۔ اِنّی اعطی رجالاً حدّث الکفر بالفہم
 میں نے ان لوگوں کو جو قریب بہ کفر ہیں ان کی تالیفِ قلوب کے لیے ان کو یہ عطا کیا
 ہے (یہ لوگ دولتِ دنیا کے حوصلے اور مال کے لالچی ہیں) کیا اے انصار تم اس امر
 راضی اور خوش نہیں ہو کہ تم لوگ تو اپنے نبیؐ کے ساتھ رحمتِ الہی میں گھروں کو وہیں
 ہو اور یہ لوگ جو قریب بہ کفر ہیں دنیا کا مال و دولت بھیڑ بکریاں لے کر اپنے
 گھروں کو جائیں۔ شارح القاری نے اسی ضمن میں یہ بھی لکھا ہے، کہ یہ
 مؤلفۃ القلوب وہ تازہ مسلمان ہیں جو فتح مکہ کے بعد مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔
 البوسفیان و معاویہ وغیرہ (روضۃ المناظر ص ۱۵۲۔ تاریخ البقاء ص ۱۵۵)
 اب ہم عمدرِ رسالت کے ان واقعات کو ختم کریں کہ جن کا تعلق بنی امیہ
 یا البوسفیان سے تھا دوسرے ابواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔



باب دوم

مناقب اہلبیت و فضائل امیر المؤمنین علیؑ

عہد رسالت میں بنی امیہ کے مختصر حالات سلسلہ وار ذکر کرنے کے بعد اب پھر حضرات اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب پر مختصر سی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایسی برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ بنی امیہ نے کیا کیا بدسلوکیاں کیں نیز یہ کہ بنی امیہ نے ہوا و ہوس کا غلام اور بد نفسی کا شکار ہو کر دین اسلام کو کیا تباہ و برباد کیا۔

تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ کا گھر وہ گھر تھا جس کے رہنے والے اہل بیت النبوةؑ کہلاتے تھے اور رسول خدا کی طرح ہر عیب ہر حس اور ہر نجاست سے پاک و پاکیزہ۔ آیہ تطہیر انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ یہی لوگ بُرج رسالت و امامت کے وہ روشن ستارے تھے جو اہل زمین کے لیے باعث ابرقرار دیے گئے تھے۔ یہی معصوم و مقدس ہستیاں نجات آخرت کے لیے کشتی نوح کی مثل بتائی گئیں (یتابیع المودۃ ص ۱۷۴ - ۱۷۸، ارجح المطالب ص ۲۲۹ مشکوٰۃ ص ۵۶۵، صواعق محرقة ص ۵)۔

بس یہی وہ گھر ہے جو مشکوٰۃ نبوت اور مصباح رسالت کہلایا۔ ضبط جبریلؑ

میکائیلؑ قرار پایا۔ اسی گھر میں جبریلؑ نے حسنینؑ کے جھولے کی ڈوریاں ہلائیں۔ اسی گھر میکائیلؑ نے فاطمہ زہراؑ کی چکیاں پیسیں۔ اسی برج نبوت کے درختاں کو اکب فلک امامت و آسمان خلافت پر چمکے اور علوم محمدی اور نور الہی کے جلوے دکھا کر دنیا کو روشن اور منور فرما گئے۔ اور عالم کو حکیم الہی کی نورانی شعاعوں سے جگمگا گئے۔ یہی نبوت و امامت کا وہ گھر ہے جس سے توحید الہی اور اسلام محمدی کی صدائیں اٹھیں اور یہی وہ بیت الشرف رسالت ہے جس سے صبح و شام ذکر تسبیح و تقدیس الہی تحمید و تمجید خداوندی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ سورۃ نور کی آیۃ مبارکہ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح سے فی بیوت اذن اللہ تک بلکہ بیہم فیہا بالعدو والامال تک اور من لیشاء بغیر حساب تک اس نور ہدایت خانہ میں رہنے والی مقدس مہبتوں کے فضائل و مراتب پر روشنی ڈال رہی ہے۔ علامہ سیوطی اور ابن مردودیہ انس و بریدہ کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ فی بیوت الخ فقال رجل ای بیوت ہذہ یا رسول اللہ قال بیوت الانبیاء فقال ابوبکر ہذا البیت منها و اشار الی بیت علی وفاطمۃ علیہما السلام قال نعم من افاضلہا راجح المطالب ص ۴۵-۴۶ عن ابن مغازلی و در منثور سیوطی جلد ۵ ص ۵۵) یعنی ”رسول اللہؐ نے اس آیۃ مقدسہ ”فی بیوت“ کو تا آخر تلاوت فرمایا۔ تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہؐ یہ کون سے گھر ہیں؟ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ خانہ ہائے انبیاء ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے عرض کی کیا یہ گھر بھی انہیں گھروں میں سے ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بلکہ ان سے افضل و بہتر ہے۔ یہی وہ عصمت و طہارت والا گھر ہے جس کا دروازہ خدا کے گھر میں مسجد رسولؐ میں اسی طرح کھلا رہا جس طرح بیت الشرف رسالت کے دروازے

مسجد نبوی میں کھلے ہوئے تھے۔ تاریخ و حدیث کی کتابیں بتا رہی ہیں کہ ابتدائے ہجرت میں محض ان اصحاب کے دروازے جن کے گھر مدینہ میں مسجد رسول سے ملحق تھے مسجد میں اسی طرح کھلے ہوئے تھے جس طرح رسول اللہ کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جنگ اُحُد سے پہلے حکیم الہی نازل ہوا کہ تمام اصحاب کے دروازے جو مسجد میں کھلتے ہیں وہ ایک دم بند کر دیے جائیں سوائے علیؑ کے دروازے کے۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آنحضرتؐ نے حکم صادر فرمایا کہ سب لوگ اپنے اپنے دروازوں کو مسجد کی طرف سے فوراً بند کر لیں۔ بس سوائے علیؑ کے کسی کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلا نہ رہا۔ بے شک خدا کے گھر میں وہی دروازہ کھلا رہ سکتا ہے جو بابِ مدینہ علم کھلانے کا مستحق اور باب اللہ کے جلنے کا مستحق ہے۔

اس واقعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اگر علیؑ کی طرح اور اصحاب کے دروازے بھی مسجد نبوی کی طرف کھلے رہتے تو کیا خرابی پیدا ہوتی، کولسا ضرر اسلام کو پہنچ جاتا۔ بلکہ اس کے خلاف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایسا حکم نہ ہوتا تو اصحاب کبار کی دل شکنی نہ ہوتی اور ان کو رنج و ملال کرنے کا موقع نہ ملتا۔ لیکن ذرا گہری نظر ڈالو تو معلوم ہو کہ حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہے۔ جن کے دروازے مسجد نبوی کی طرف کھلے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسجد کا احترام بالائے طاق رکھ کر اس کو چوپال سا بنا لیا تھا۔ خدا کو یہ ناگوار ہوا۔ چونکہ علیؑ سے یہ فعل سرزد نہ ہوا تھا لہذا ان کا دروازہ کھلا رہا۔ اس کے علاوہ کیا بعید ہے کہ اس حکم و عمل سے مسلمانوں کو بتایا گیا اور عملاً دکھایا گیا ہو کہ خدا تک پہنچنے اور رسولؐ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے طریق محمدیؐ پر چلنے اور

حقیقی اسلام حاصل کرنے کے لیے صراطِ مستقیم ایک ہی ہے اور اس کا ایک ہی دروازہ ہے۔ بس یہی دروازہ صراطِ مستقیم دکھلائے گا۔ جدا جدا دروازوں سے نہ تم خدا تک رسائی حاصل کر سکتے ہو نہ اس کے رسول تک سے

ہرگز نہ رسی یہ کعبہ اے اعرابی

کیں رہ کہ تو میری بہتر کتاں است

اگر تم حقیقی اسلام تک پہنچنا اور اصلی تعلیم محمدی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اسی دروازے سے آؤ اور اسی سے صراطِ مستقیم تک پہنچو۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی یہی تفسیر ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کی یہی تشریح ہے۔ واتوا البیوت من ابوابہا کے حکم پر یہی واقعہ روشنی

ڈالتا ہے۔ یعنی اگر خدا کے گھر میں اسی کے بتائے ہوئے دروازے سے آؤ گے تو رسول تک پہنچو گے اور خدا کو پاؤ گے۔ اور اگر اس کے مقرر دروازے کو چھوڑ کر دیواروں کے اوپر سے داخل ہوتے کی کوشش کرو گے تو پورے کھلاؤ گے۔ اور سزا پاؤ گے۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے انا مدینۃ العلم وعلیٰ

بابہا فمن اراد العلم فلیات من بابہا (ترجمہ لغوی - طبرانی۔

حاکم۔ ابن حجر عسقلانی۔ ترمذی۔ حافظ ابو نعیم۔ راجع المطالب۔ جامع ترمذی ص ۱۲۸)

اسی کے لیے ارشاد ہوا ہے۔ انا دار الحکمتہ وعلیٰ بابہا (مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

مطالب السؤل ص ۴۵-۴۵۔ ینایع المودۃ ص ۴۲، ۴۳۔ اسعاف الراغبین

ص ۱۵۱۔ عمدۃ المناقب ص ۱۵۱۔ زیادہ تفصیل کے لیے دیکھو عبقات الانوار)

اسی ذات گرامی کو کبھی "بابِ حطہ" کہا جاتا ہے تو کبھی "باب اللہ" کا

خطاب دیا جاتا ہے۔ (راجع المطالب ص ۲۲۹) قال رسول اللہ مثل اہلبیتی

فیکم کمثل باب حطۃ فی بنی اسرائیل من دخل غصا لہ
 (میرے اہل بیت تم میں ایسے ہی ہیں جیسے بنی اسرائیل میں باب حطۃ تھا کہ
 جو اس میں داخل ہوا بخشا گیا) اور ینابیع المودۃ وغیرہ میں یوں بھی نقل ہوا
 ہے۔ قال علیؑ باب حطۃ من دخل منہ کان مومنًا و
 من خرج منہ کان مومنًا ومن خرج منہ کان کافرًا
 (دارقطنی عمدۃ المطالب ص ۶۸) کبھی کہا جاتا ہے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے
 اور علیؑ حق کے ساتھ ہے، خدا یا حق کو اسی طرف پھرا جس طرف علیؑ پھرتے۔
 کبھی اس حدیث کو ام سلمہ بیان کرتی ہیں۔ کبھی ابوذر غفاری دیکھو ارجح المطالب
 ص ۹۸-۹۹-۵۹۹-۱۰۵-۱۰۴-۳۲۹۔ ینابیع المودۃ ص ۹۔ صواعق محرقة
 ص ۵۵۶۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۶۔ مسند امام احمد حنبل ص ۲۵۵۔ تذکرہ خواص الامہ
 سبط ابن جوزی ص ۲۵۔ نیز تفسیر کبیر باب رابع تفسیر سورۃ فاتحہ۔ مسائل فقہ
 شرح ابن ابی الحدید۔ ازالۃ الخفاء۔ جامع الصغیر سیوطی ص ۱۹۰ تاریخ الخلفاء
 ص ۱۴۲۔ دراسات البلیب ص ۷۱۲ وغیرہ میں ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا
 علیؑ اور آل محمدؑ ہی رسولؐ تک رسائی کا ذریعہ اور خدا تک پہنچنے کا وسیلہ
 ہیں۔ یہی میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ حق ان کے ساتھ ہے یہ قرآن
 کے ساتھ ہیں۔ یہی صراط مستقیم دکھانے والے اور راہ حق پر چلانے والے
 ہیں۔ حق نہیں ملے گا مگر ان کے در سے۔ قرآن نہیں پاؤ گے مگر ان کے
 گھر سے

گفت است پیغمبر کہ علیؑ باب من است

تا در نہ کشائی بسرائے نہ رسی

مستشرق امتی علی ثلاث و سبعین فرقتہ الخ (رسول اللہؐ)

کی مشہور مستند حدیث (آنے والے خوفناک زمانے کی خبر دے کر غلاّت و گمراہی کے جہنک مرض سے نجات و شفا پانے کے لیے ہی راستہ اور اس کا دروازہ بتا دیا کہ اسی باب الشفاء سے دوا لو گے تو ہلاک نہ ہو گے۔ اسلام کے ابدی آب حیات کے چشموں کا راستہ محمد عربیؐ کے لازوال علی خزانوں کا دروازہ رسول الہی کی بے مثال حکمتوں اور دین الہی کا روشن باب وہ یہی ہے کہ جس کا دروازہ بحکم خدا خانہ الہی مسجد نبویؐ میں کھل رہا ہے۔

بے شک علیؑ کے اس شرف اور اس فضیلت سے ان کے دشمن بھی انکار نہ کر سکے۔ امیر معاویہ کے بھرے دربار میں علیؑ کا دشمن اور امیر معاویہ کا مشیر خاص عمرو عاصؓ علیؑ کو باب اللہ بتاتا ہے اور علیؑ کی مدح میں یہ شعر پڑھتا ہے

هو البکاء فی الدحراب لیلاً هو الضحاک فی یوم الضراب
هو البناء العظیم ذلک نوح و باب اللہ والقطع الخطاب
(علیؑ اگر رات کو خوف الہی سے محراب عبادت میں روتے ہیں تو جہاد کے وقت میدان کارزار میں ہنستے نظر آتے ہیں)

علیؑ ہی بنائے عظیم ہے (دیکھو تفسیر محی الدین عربی جلد ۲ صفحہ ۱۷۸) البناء العظیم هو القیامت الکبریٰ وذلک فیل فی امیر المؤمنین علیؑ هو البناء العظیم (بنائے عظیم قیامت کبریٰ ہے اور اسی لیے امیر المؤمنین علیؑ کے بارہ میں کہا گیا ہے وہ بناء عظیم ہیں) علیؑ کشتی نوح کی مثال ہیں۔ مثل اهل بیتی کمثل سفینتہ نوح من رکبھا نجی ومن تخلفا عنها هلك۔ دیکھو اسعاف الراغبین ص ۱۱۱۔ اسلام کے علمائے

جلیل نے سد البواب کے واقعہ کو کہ سوائے علیؑ کے سب کے دروازے مسجد رسولؐ میں بند کر دیے گئے نہایت صحیح احادیث و روایات سے تواتر کے ساتھ مختلف راویوں سے اپنی اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے۔ مولوی عبد اللہ امرتسری اس حدیث علامہ طبرانی امام احمد حنبل، ابن معاذی، علامہ بیہقی، جامع ترمذی، بزار ابن مردودہ، خصائص نسائی، علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری وغیرہ مستند اور جلیل القدر علماء کی اسناد سے تقریباً بیس طریقوں سے اس حدیث کو درج فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام قندوزی نے ینا بیع المودۃ میں چودہ پندرہ طریق سے روایت کی ہے۔ دیکھو ینا بیع المودۃ ص ۸۷-۸۸، نیز خصائص نسائی ص ۲۷، صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱، مشکوٰۃ ص ۵۵۷-۵۵۸، سند احمد حنبل ص ۲۵۵، صواعق محرقة ص ۷۷، عمدۃ المناقب، تذکرہ ابن جوزی ص ۲۵ میزان الاعتدال۔

مولانا شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب حذب القلوب میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر بحث فرمائی ہے۔ اور جس طرح کہ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم فرمایا ہے۔ اسی طرح خود بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث ابی بکر ازہمت طحتش واجب القبول است و حدیث علیؑ از راہ صحیح و کثرت طرق ممتنع الانکار است (حذب القلوب ص ۱۹۳-۱۹۸۔ و عسقلانی شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۶۸-۶۹) ان احادیث و روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علیؑ کا یہ ثروت کہ ان کے دروازے کے سوا سب کے دروازے بند کر دیے جائیں حتیٰ کہ سوراخ تک بھی مسجد کی طرف نہ رکھا جائے اصحاب کو سخت شاق گزرا۔ چہروں کی رنگتیں بدل گئیں۔ ناراضی اور غصے کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپس میں سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ رسول اللہؐ نے

اس کو محسوس فرمایا۔ منبر پر تشریف لے گئے۔ خطبہ کے بعد اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: ”ایہا الناس! نہ میں نے کسی کے دروازے کو بند کیا ہے نہ علیؑ کے دروازے کو کھولا ہے۔ جو حکم خدا نے مجھے دیا ہے میں نے اس کی تعمیل کی اور تم کو پہنچا دیا۔“ (عقلا فی جلد ۶ صفحہ ۶۹) زید بن اسلم صحابی رسولؐ بیان کرتے ہیں کانت من اصحاب رسول اللہ ابواب شاردة فی المسجد فقال یومئذ سددوا هذه الابواب الا باب علی قال فتکلم الناس فی ذلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہہ واثنا علیہ فقال اما بعد فانی قد امرت بسد هذه الابواب الا باب علی فقال فیہ سددت شیئا ولا فتحتہ وامرت بشیء فاتبعتہ (خصائص نسائی صفحہ ۲۵۰ راجع المطالب ص ۴۰۰۔ آخر جہ الاحمد والکام)

”یعنی بعض اصحاب کے دروازے مسجد رسولؐ میں آمد و رفت کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ ایک روز رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیے جائیں مگر علیؑ کا دروازہ کھلا رہے۔ لوگوں میں پتہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ رسول اللہؐ یہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حمد و ثنائے الہی بیان فرما کر کہا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ سوائے علیؑ کے دروازے کے سب دروازے بند کر دیے جائیں پس اس معاملہ میں نہ میں نے کچھ کھولا ہے اور نہ بند کیا ہے۔ میں نے تو وہی کیا ہے جو خدا نے مجھے حکم دیا ہے۔“

در منثور سیوطی ص ۱۱۱ جلد ۶ میں ہے کہ جب رسول اللہؐ نے مسجد میں کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو ناگوار ہوا۔ راوی کہتا ہے اب تک میری نظروں میں وہ سماں پھر رہا ہے کہ حمزہ ابن عبدالمطلب سرخ پٹکا باندھے آنکھوں میں آنسو بھرے رسول اللہؐ سے آکر عرض کرتے ہیں۔ آپ نے

اپنے چچا (نور حضرت حمزہ) اور ابو بکر و عمر اور عباس کو تو مسجد سے نکال دیا ہے اور اپنے چچا زاد بھائی کو مسجد میں رکھ لیا ہے۔ رسول اللہؐ نے سمجھا کہ یہ امر لوگوں کو ناگوار ہوا ہے۔ آپؐ نے مسجد میں نماز جماعت کے اعلان کا حکم دیا۔ بعد نماز منبر پر تشریف لے گئے۔ ایسا فصیح و بلیغ خطبہ حمد الہی میں فرمایا کہ اس سے پہلے نہیں سنا گیا تھا۔ پھر فرمایا۔ ایتھا الناس! خدا کی قسم نہ میں نے کسی کا دروازہ کھولا ہے نہ کسی کا بند کیا ہے اور نہ میں نے تم کو نکالا ہے اور علیؑ کو رکھا ہے۔ پھر آیہ والتجم اذا هوى ما ضل صاحبكم وما غوى کو تلاوت فرمایا۔

امام احمد حنبل ابو یعلیٰ اور حاکم مستدرک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا۔ علیؑ کو ایسی تین فضیلتیں حاصل ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ہم کو حاصل ہو جاتی تو وہ ہم کو سرخ بالوں والے اونٹوں کو ملنے سے بھی بدرجہا زیادہ محبوب ہوتی۔ پوچھا گیا، وہ کیا صفات ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ علیؑ سے فاطمہؓ بنت رسولؐ کی تزویج۔ علیؑ کا رسولؐ کے ساتھ مسجد رسولؐ میں قیام و سکونت۔ یحییٰؑ لا مال یحل لغيرہ، علیؑ کے لیے وہ حلال ہے جو دوسروں کے لیے نہیں۔ روزِ خیر علیؑ کو حکم کا دیا جانا۔ ارج المطالب ص ۱۴، صحیح ترمذی ص ۲۱۴۔ رسولؐ کا ارشاد، یا علیؑ بجز میرے اور تمہارے کسی کے لیے جائز و حلال نہیں کہ اس مسجد میں بحالت جنب داخل ہو۔

اسی طرح جنگِ طائف میں آنحضرتؐ نے حکم خدا علیؑ سے خاص معاملہ میں مرگوشتیاں فرمائی تھیں تو اس وقت بھی بعض اصحاب کو ناگوار ہوا تھا۔ جس کو رسول اللہؐ نے محسوس فرما کر اپنے اصحاب سے ایسا ہی فرمایا تھا کہ میں

علیؑ سے مشورہ اور سرگوشی نہیں کی ہے بلکہ خدا کے حکم سے کیا گیا ہے۔ ینا بیع المودۃ
 ص ۵۵۔ تذکرہ خواص الامہ ص ۱۱۱ پر نزول آیہ بخوی یا ایہا الذین امنوا
 اذا جاءکم الرسول فقد موا بین یدی بخواکم۔ صد قد کے
 متعلق لکھا ہے کہ یہ علیؑ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۷ اور
 ترمذی ص ۲۱۱۔ اور ارجح المطالب ص ۱۱۱ پر حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ قال
 ثلاث کس بعلی اذا کان لی واحدہ منہم احب الی من
 حم النعم تزویجہ عن فاطمہ واعطاء الرایتہ دایمہ البخوی
 اخرجہ ابن مردودہ (علیؑ کی تین فضیلتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں
 سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو وہ میرے نزدیک ہر خ اونٹوں سے
 زیادہ بہتر ہوتی۔ اول فاطمہؑ سے ان کی تزویج۔ دوسرے خیر کا علم ملنا،
 تیسرے آیہ بخوی کا ان کی شان میں نازل ہونا) تذکرہ خواص الامہ ص ۱۱۱
 در مشورہ جلد ۲ تفسیر محی الدین عربی جلد ۲ ص ۳۱۱۔ میں آیہ اذا جاءکم الرسول
 کی تفسیر میں لکھا ہے لان الاتصال بالرسول فی امر خاص لا یكون
 الا لقرب روحانی او مناسبتہ قلبیۃ او جنسیۃ لفسانیدہ
 یعنی رسولؐ سے اتصال کسی امر خاص میں نہیں ہو سکتا۔ جب تک قرب
 روحانی یا مناسبت قلبی یا جنسیت لفسانی نہ ہو، تفسیر کبیر ص ۱۸۸ ازیشا پوری
 معالم التنزیل، پھر وہی حضرت عمرؓ والی بات تحریر کی ہے۔

سید سلیمان قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ اپنی کتاب ینا بیع المودۃ
 ص ۸۸۔ ۸۹ پر علامہ ابن مغازلی کی سند سے درج فرماتے ہیں کہ خذلفہ غفاری
 سعد ابن ابی وقاص، برابر بن حازب، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر
 سب متفق علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ مسجد میں تشریف لائے اور

فرمایا کہ خدا نے اپنے نبی موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ میرے لیے ایک ایسی پاک و پاکیزہ مسجد بنا کہ جس میں سولے موسیٰؑ و ہارونؑ کے کوئی نہ رہے۔ پس اسی طرح خدا نے جلیل نے مجھے وحی فرمائی کہ میں بھی ایسی پاک مسجد بناؤں کہ نہ رہیں اس مسجد میں مگر میں اور میرا بھائی علیؑ فقط۔

پھر دوسری روایت مناقب سے درج کی ہے کہ ابو طفیل اور حذیفہ نے بیان کیا۔ ان النبی قام خطیباً قال ان رجلاً یکتون فی الفسہم شیئاً اتی اسکت علیاً فی المسجد واخرجتہم واسکتہ بل اللہ اخرجہم واسکتہ ان اللہ عز وجل اوحی الی موسیٰ و اخبرہ ان بنو لقومکما بہصر بیوتاً و اصلو بیوتکم قبلۃ و اقبموا الصلوۃ ثم امر موسیٰ ان لا یسکن مسجدہ ولا ینکم فیہ ولا یدخلہ جنب الا ہارون وزریتہ وان علیاً متی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ دہواخی لا یحل لاحد ان ینکم فیہ النساء الا علی وزریتہ فمن اساءۃ ہذا و اشار بہ نحو المشاعر (در منثور جلد ۳ ص ۳۱۴) یعنی نبیؑ نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ لوگ اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہیں کہ میں نے علیؑ کو مسجد میں رکھا ہے اور ان کو نکالا ہے۔ قسم ہے خدا کی نہ میں نے ان کو نکالا اور نہ علیؑ کو رکھا بلکہ خدا نے ان کو مسجد سے نکالا اور خدا نے علیؑ کو مسجد میں رکھا ہے تحقیق خدا نے عز وجل نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کو وحی فرمائی کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے گھر بناؤ اور اپنے گھر وں کو ان کے لیے قبلہ قرار دو اور نماز کو قائم کرو۔ پھر موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اس مسجد میں کوئی شخص رہائش نہ کرے اور نہ اس میں ٹھہر کر مہمانگاہت کرے اور نہ جنب اس میں داخل ہو سوائے

ہارون اور اس کی ذریت کے۔ پس ان کو اجازت ہے۔ بیشک علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ اور علیؑ میرا بھائی ہے اور ایسے ہی کسی دوسرے کو جائز نہیں ہے مگر علیؑ کو، پس جو علیؑ کے ساتھ برائی کریں گے وہ ہیں اور دستِ مبارک سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ (یہ اشارہ معاویہ اور بنی امیہ کی طرف تھا جو علیؑ سے دشمنی کرنے والے تھے)

پس اب یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ علیؑ وفا طمہ کا گھر رسولِ خدا کا گھر ہے اور یہی خدائے جلیل کا خانہ رحمت اور یہی اس کا بیتِ معرفت ہے۔ یہ شرف و بزرگی نہ کسی اور بیٹے کے گھر کو ملی اور نہ کسی داماد کے واسطے قرار دی گئی۔ علیؑ وفا طمہ اور ان کی ذریت نے جس طرح یہاں دنیا میں رسولِ خدا کے ہم خانہ ہونے کی عزت حاصل کی اور ان کا گھر رسولؐ کا گھر کہلایا، مگر افسوس اس گھر کو معاویہ کے آتشِ حسد نے جلا کر خاک کر دیا اور بنی امیہ کے دستِ ظلم نے ویران و برباد کر کے مٹا دیا ہے

اسقی علی بیت الریالۃ قد خلی من ذکرہم ومن الصلوۃ والمجد
وقبورہم شئی بکل محلۃ ویو تقہم للیوم بھام وقد
اسی طرح اس دنیا کے بعد عالمِ آخرت میں بھی ان بزرگواروں نے جناتِ عدن اور بہشتِ ربی میں بھی رسولِ الہی کی ہم نشینی کا شرف حاصل فرمایا۔ قیامت کے دن بھی ذریتِ محمدی کی یہ مقدس ہستیاں رسول اللہ کے ساتھ ایک ہی درجہ اور ایک ہی گھر میں ہوں گے۔ بلکہ ان کے دوست بھی روزِ قیامت ان کے ساتھ ہوں گے (دیکھو احادیثِ نبوی مندرجہ مستند احمد تمسبل ص ۱۰۷)
ان رسول اللہ اخذ بیدی حسن وحسین فقال من احببنی واجہبھا
راباھا وامہما کان معی فی درجتی یوم القیامہ (یعنی رسول اللہ

نے حسن و حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، جس نے مجھے اور ان دونوں کو اور ان کے
 ماں اور باپ کو دوست رکھا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ
 میں ہوگا) یہی مضمون صواعق محرقة ص ۸۲ پر ہے۔ دوسری روایت حضرت علیؑ کی
 زبانِ امام احمد حنبل نے ص ۱۳۸ پر یوں نقل کی ہے۔ فایم علی المناقب
 فاستسقی الحسن والحسین قال کہ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہؐ
 اپنے گھر میں آئے، میں اس وقت اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ پس حسنؑ نے پانی
 مانگا۔ آنحضرتؐ اٹھے اور ہماری ایک بکری کے پاس آئے جس کا دودھ خشک
 ہو گیا تھا۔ حضرتؐ نے اس کو دودھا تو اس نے خوب دودھ دیا۔ حسنؑ کو آپ
 نے وہ دودھ پلایا۔ فاطمہؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ کیا حسینؑ کی نسبت آپ کو
 حسنؑ زیادہ عزیز ہے؟ فرمایا یہ بات نہیں۔ حسنؑ نے حسینؑ سے پہلے پانی مانگا
 تھا اور پھر فرمایا، میں اور یہ سولے والا اور یہ دونوں بچے اور تم قیامت کے
 دن ایک ہی مکان میں ہوں گے۔

صاحب ازالۃ الخفاء ص ۲۶۳ اور علامہ ابن حجر صاحب صواعق محرقة تحریر
 فرماتے ہیں۔ امام احمد حنبل سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ
 اے علیؑ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ جنت میں ہو گے اور حسنؑ
 و حسینؑ اور ہماری ذریت ہمارے پیچھے ہوگی اور ہماری ازواج ہماری اولاد
 کے بعد ہوں گی اور ہمارے دوست اور محبت ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔
 عمدة المناقب ص ۹۷۔ صواعق محرقة ص ۹۷۔ اسعاف الراغبین ص ۱۲۸-۱۲۹ میں ثعلبی
 نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ ہم نے ایک بار لوگوں کے حصار کرنے کی نہایت
 حضرت رسولؐ خدام سے کی۔ فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ سب سے پہلے
 چار شخص جو جنت میں داخل ہوں گے ان میں ایک تم ہو۔ وہ چار ہیں، حسنؑ و

حسین ہیں ہماری بی بی یاں داہنے بائیں اور ہماری ذریت ان کے پیچھے ہوگی اور بروایت طبرانی یہ فرمایا کہ ہماری ازواج ہماری ذریت کے پیچھے ہوں گی۔ اور ہمارے دوست اور شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

مرسید احمد خاں اپنے ایک خط میں عماد الملک بلگرامی کو ذیل کی عبارت لکھتے ہیں :-

” ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آؤ اور حق گوئی کے آگے سر خم کرنا خلاف نفسی کی دلیل سمجھو اور دیکھو کہ علی کا حق ان کو تقسیم کا یہ خلافت پر کیونکر مجبور کرتا ہے۔ خلافت کی نسبت بہ حیثیت انتظام ملکی کے کیا لکھا جائے اور کون لکھ سکتا ہے۔ میں تو ان صفات کو جو ذات نبوی میں تھیں دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ ایک سلطنت دوسری قدوسیّت اول کی خلافت حضرت عمر کو ملی دوسری خلافت حضرت علیؑ اور آئمہ اہل بیتؑ کو۔ یہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر کس کو جرات ہے کہ اس کو لکھے کہ حضرت عثمان نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔ حضرت ابو بکر تو برائے نام بزرگ تھے پس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخاۃ تحریرات کا نہ یہ مشق بنانا نہایت نامناسب ہے۔ جو ہوا سو ہوا، جو گزرا سو گزرا“ (فخر قوم لو اب سر اس مسعود بہادر مرحوم و مغفور (نمبر۴ مرسید مرحوم) نے مکتوبات مرسید مرحوم شائع فرمائے ہیں)

علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ حضرت علیؑ کے ساتھ کوہ حرا پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ کو زلزلہ آیا حضرتؐ نے فرمایا اثبت حرا فمأ علیک الانیؑ اور صدیق اور شہید۔ اے حرا ٹھہر جا تجھ پر تو میرا نبی اور صدیق اور شہید بیٹھے ہوئے ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے

کہ ایسی ہی ایک حدیث بخاری میں کوہ ثبیر کے متعلق اس طرح نقل کی گئی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر و عمر و عثمان حضرت رسول خدا کے ساتھ کوہ ثبیر پر چڑھے پہاڑ کو زلزلہ آیا۔ حضرت نے فرمایا۔ ٹھہر جا، تیرے اوپر سوائے ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہیدوں کے کوئی دوسرا نہیں۔ نبی جو رحمة للعالمین ہو، اس کے ہوتے دوسروں کی فضیلت کے اظہار کی کیا ضرورت تھی۔ مساکان اللہ لیعد بہم و انت فیہم اس پر دال ہے کہ وجود ختمی مرتبت خود رحمت ہے، اس کی موجودگی میں کوئی عذاب نہیں آسکتا۔ پھر دوسروں کے شمول کی ضرورت کیا۔ دوسرے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان معصوم نہ تھے۔ غیر معصوم کو ہم رتبہ معصوم قرار دیتا اور وہ بھی نبی کی زبان سے نہایت ہی تعجب خیز امر ہے۔

مسٹر آکلے اپنی تاریخ اسلام ص ۳۰۳ پر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد اس امر کی مدعی ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے اسلام قبول کیا تھا اور جب تک حمل میں رہے اپنی ماں کو کسی بت کے سامنے جھکنے نہیں دیا۔ اسی وجہ سے جب مسلمان علیؑ کا نام لیتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ یعنی خدائے ان کے سپرد ہو کر بزرگی اور عظمت والا بنایا۔ انھوں نے کبھی نہ خود بتوں کو سجدہ کیا اور نہ اپنی والدہ کو کرنے دیا۔ ان کے سوا اور کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے بتوں کو سجدہ نہ کیا ہو۔ اس لیے علیؑ اس دعا (کرم اللہ وجہہ) کے ساتھ مخصوص کیے گئے اور مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ اور علیؑ کی منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔ میں ایک شہر ہوں جس میں تمام علوم بند ہیں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ اگر شجاعت، خوش طینتی، زہد، پارسائی، عقل و دانائی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو علیؑ ہی ایسا شخص تھا کہ اس قوم میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہے۔

علامہ مسعودی بیان فرماتے ہیں کہ علی بن ابی طالب کے بارے میں لوگوں نے جھگڑا کیا اور بحث اٹھائی ہے لیکن محققین کی ایک جماعت کثیر نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ علیؑ نے کبھی شرک باللہ نہیں کیا۔ علیؑ کبھی مشرک تھے ہی نہیں۔ اسلام کی ابتدا ہی علیؑ سے ہوتی ہے۔ علیؑ ہر ایک امر میں، جملہ افعال میں رسول اللہؐ کے قدم بقدم اور ان کے تابع اور مقتدی تھے۔ بچپن ہی سے آنکوش رسالت میں تربیت پائی تھی۔ نعل نے ان کو معصوم بنایا۔ کفر سے بچایا اور اپنے نبیؐ کی پیروی و اتباع کی توفیق ان کو کرامت فرمائی۔ دونوں بزرگوار اطاعت خداوندی کے لیے منظر و مجبور نہ تھے بلکہ دونوں خود مختار و قادر تھے۔ پس انھوں نے اپنے رب کی اطاعت اختیار کی اور حکیم الہی کی موافقت کو برضا و رغبت و بحالت اختیار مقدم سمجھا۔ علیؑ ہمیشہ تابع احکام خدا و رسولؐ تھے اور تمام منہیات اور لغزشوں سے پاک و صاف تھے۔

تمام محققین نے بیان کیا ہے کہ علیؑ ہی وہ اول شخص ہیں جن کو حضرت رسول خداؐ نے سب سے پہلے دعوت اسلام دی اور وہ خدا کے اس قول کے مطابق **وَأَنذَرْتُكَ الْآقْرَبِينَ** بحالت طفلی بھی مکلف تھے۔ اسلام کی ابتدا انہی سے ہوئی کیونکہ عام لوگوں میں علیؑ ہی رسول اللہؐ سے زیادہ قریب اور آنحضرتؐ کے سب سے زیادہ پیرو اور مقتدی تھے۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ علیؑ کے بعد اسلام لائے اور انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی طرٹ بلایا (مروج الذهب مسعودی جلد ۱ ص ۲۷۸)

پروفیسر ایم۔ جی رنالڈ اپنی مشہور کتاب "روحانیت اور اسلام" کے تیسرے باب کے آخر میں لکھتے ہیں۔ جو مرتبہ دنیا میں علیؑ کو ملا ہے وہ آج تک کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ حضرت علیؑ نے روحانیت کے ساتھ دنیا پر حکومت

کی اور اہل دنیا کو امن و سلامتی کے ساتھ حکومت کرنے کا طریقہ سکھایا۔ ان کی شہادت کے روز جہاں کوفہ کے کلمہ گو روئے دہاں سب سے زیادہ عیسائیوں نے بکا کی۔ علیؑ کے مرنے پر ہزاروں یہودی اور عیسائی عورتیں اور بچے بولے وارثی کے عالم میں بخش ان کے دست فیض سے پرورش پاتے تھے محروم ہو گئے اور بھوکے پیاسے مارے مارے پھرنے لگے۔ جب بیت المقدس میں بطریق اعظم کو شہادت علیؑ کی خبر پہنچی تو دودن تک اس مبارک شہر کے گلی کو چوں میں افسوس و حسرت چھائی رہی۔ بطریق اعظم کی آنکھوں سے اس سانحہ میں آنسو نہ تھتھے۔

۱۱۰۰ء میں رپورٹ میجران ہال نے حضرت علیؑ کی شہادت پر تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے: "حضرت علیؑ کے اٹھ جانے سے دنیا بے روحانیت حکومت سے خالی ہو گئی۔ حضرت علیؑ تمام عالم کے لیے مشعل ہدایت تھے۔ ان کا وجود دوسری اقوام کے لیے بھی امن و سلامتی اور رحمت کا باعث تھا افسوس ایک باغی کی تلوار نے دنیا کی امن و سلامتی کو آغوشِ لحد میں سلا دیا۔ دنیا میں حضرت علیؑ سے بڑھ کر ہر دلعزیز کوئی دوسرا نہ ہو سکا۔ اگرچہ ان کا جنازہ رات کو اٹھا مگر اس وقت بھی کوفہ کے تمام گلی کوچے، عیسائی یہودی آتش پرست سوگ نشینوں سے بھرے پڑے تھے اور ہمیشہ اس طرح روتے رہے جیسے کوئی اپنے باپ کو روتا ہے۔"

علیؑ سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص دین محمدی کا محافظ اور کشتی اسلام کا ناخدا اور قانون الہی کا حقیقی محافظ نہ تھا۔ علی مع القرآن والقرآن مع علیٰ سن یفترق حتیٰ یبتردا علی الخوض اس پر شاہد ہے۔ پس دین اسلام کی بنیادی کا صدمہ علیؑ سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا تھا۔ علیؑ

جس طرح قیام بنائے اسلام میں شریک اعظم ہیں۔ اسی طرح بعد پیغمبر اسلام کے بھی دین کی حفاظت ان کا فرض اولین ہے۔ حضرت رسول خدا نے یہ پیشینگوئی کر دی تھی کہ اے علیؑ ہمارے بعد زمانہ تم سے آنکھیں بدل لے گا۔ اور تم کو تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا ہوگا اور وہاں محمداً الرسول قد خلت من قبلہ الرسول افاں مات او قتل فالقلیتہم علیٰ اعقابہم (آیہ) کا نقشہ کھینچنے لگے گا۔ مگر دیکھنا تم دل تنگ نہ ہونا۔ صبر کے جلوے دکھانا اور میرے دین کو ٹٹنے سے بچا لینا۔ میرے بعد اس کی بقا کے تم ہی ذمہ دار ہو۔

دعوت ذوالعشرہ کے موقع پر رسول خدا نے کھلم کھلا علیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ فرمایا اور اپنا شریک کار قرار دیا (دیکھو تفسیر ثعلبی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل اور ابوالفداء) مفسرین اور مورخین نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ درج فرمایا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی سیرت النبی میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے مگر اپنی عادت کے مطابق بہت ہی حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اور رسول کریم کے مبارک الفاظ ان ہذا اخی و وصیتی و خلیفتی ذیکم قاسم عوالم و اطیعوہ کو ترک کر دیا ہے لیکن ہمارے اس بیان کی تصدیق کے لیے اتنا وہ بھی درج فرما گئے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ پس کون اس میں میری مدد کرے گا۔ علیؑ نے کھڑے ہو کر کہا، میں۔

علیؑ نے دعوت ذوالعشرہ کے موقع پر رسولؐ کا کام بٹانے کا وعدہ کر کے دین اسلام پر وہ گراں قدر احسان کیا ہے جس سے کبھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ بے شک علیؑ نے قائم مقام رسولؐ بن کر وہ سچی سیاست دنیا والوں

کے سامنے پیش کی۔ اس نے عالم کی بہتر سے بہتر سیاستوں پر پانی پھیر دیا۔ جس طرح
 باقی اسلام تاجدار رسالت حضرت محمد عربی کا یہ فرض تھا کہ تبلیغ اسلام فرما کر دنیا میں
 شریعت محمدیہ کو قائم کریں اسی طرح علی کا جو رسول کریم کے آغوش پروردہ اور شاگرد
 و خلیفہ تھے۔ یہ فرض تھا کہ اس دین محمدی کی بقا اور حفاظت میں ایسی مستعدی
 سے کام لیں کہ اگر جان بھی چلی جائے تو مضائقہ نہ ہو۔ علی ابتدائے وقت سے ہی ہدایتی
 کاموں میں رسول خدام کے معین و مددگار رہے اور انہی دونوں کی کوششوں سے
 اسلام دنیا میں پھیلا۔

ارجح المطالب ص ۵۱۶ اور بیابج المودۃ ص ۱۸۷ پر ہے کہ حضرت رسول خدام
 نے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی
 اور جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی۔ خدا اس کو جہنم میں ڈالے گا اور
 اس کو سخت آفات والا عذاب ہے۔ غمزدہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے معاویہ
 کا ٹھکانا کہاں ہوگا جس نے بیسویں برس منبر حضرت علی علیہ السلام پر تبرا کرایا۔
 جس طرح دریا کو کوزہ میں بند کرنا، دنیا کا اندرے میں سما جانا اور اونٹ کے
 سوئی کے ناکے سے نکلنا ناممکن ہے اسی طرح جناب علی المرتضیٰ کے فضائل
 مناقب کو عاطفہ تحریر میں لانا بھی ناممکن ہے۔ چنانچہ علامہ سید علی ہمدانی
 نے اپنی کتاب مودۃ القرنی کے ص ۱ پر حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت
 رسول خدام نے فرمایا لو کان البحر مداداً ولریاض اقلاماً والانس
 کتاباً والجن حساباً احصو فضائلک یا ابا الحسن (اے علی اگر
 دنیا کے دریا روشتائی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں اور انسان لکھیں اور
 جن شمار کریں تب بھی تمہاری فضیلتوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا)
 تفسیروں اور احادیث نبوی کی کتابوں کو دیکھو۔ تاریخ و سیر کی کتابوں پر

نظر ڈالو جہاں تاریخ اسلام کے لہہ لہاتے چمنوں میں محبوب الہی کے فضائل و مناقب کے گلہ سستے مہک دیتے ہیں۔ ہدایت و رہبری کے چشتے ابلتے اور خلق و احسان کے پھول برستے ہیں۔ وہاں ہر جگہ نفس رسولؐ کے لازوال مراتب و مناقب کے صدا ہمارے پھول کھلتے اور علم و حکمت کے دریا بہتے ہیں۔ اگر ایک زمانہ میں بعثت نبویؐ سے پہلے عرب کی سنگلاخ سرزمین پر شہر مکہ میں خدا کی ایک برگزیدہ مہستی محمد عربیؐ کے نام سے ہکاری جاتی تھی جس کو خدا کا رسولؐ اور محبوب ہونے کا شرف حاصل ہے تو ہم دیکھتے ہیں اسی کی گود میں ایک ایسا بچہ پرورش پا رہا ہے جو ہر وقت تعویذ کی طرح اس کے سینے سے لپٹا ہوا ہے۔ اس کی زبان چوستا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو اپنے اسی محسن و مربی کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح کعبہ کی طرف چلا آ رہا ہے۔ راستہ میں کافروں کے بچے مشرکوں کے لونڈے جب اس محبوب الہی پر پتھر مارتے اور خاک برساتے ہیں تو یہی بچہ حیدر صفدرؑ ان پر چھبٹتا ہے اور ایک ایک کی گردن کپڑ کر زمین پر پٹخ دیتا ہے۔ اور اپنے مربی سے ان کے شر کو دور کرتا ہے۔ پھر اگر وہ خدا کا عاشق و حبی کا متوالا غارِ حرا میں بیٹھا عبادت الہی میں مشغول ہوتا ہے تو یہ رسولؐ کا فدائی اور خدا کا شیلانی بھی اس کے ساتھ ذکرِ خدا کرتا نظر آتا ہے۔ کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ آفتاب رسالت نصف النہار سے ڈھل چکا ہے اور ایک نوجوان مقدس بڑے سکینہ و وقار سے خائے الہی میں داخل ہوتا ہے۔ آسمان پر نظر ڈالتا ہے۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک لڑکا آتا ہے جو اس نوجوان کے پیچھے دہنی جانب اسی طرح نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک مقدس بی بی آتی ہے وہ بھی ان کے پیچھے اسی طرح کھڑی ہو جاتی ہے اور یہ تینوں خدا کے عاشق خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت اس وقت ادا کرتے ہیں جب سوائے ان کے کوئی چوتھا عبادت کرنے والا نہ تھا۔ جو آگے ہے وہ آفتاب رسالت محمد عربیؐ ہیں جو پہلو میں مثل باہتاب جلوہ گر ہے وہ علیؑ ہے۔

جس کو رسولؐ نے اپنی آغوش میں پالا ہے۔ ان کے پیچھے وہی بی بی ام المومنین حضرت خدیجہ
ہیں جو اسلام کی سب سے بڑی محسن ہیں۔ کبھی فانذر عشیرتک الاقربین
کے دربار کا منظر نظر آتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ شہنشاہ رسالت حکیم الہی کی تعمیل میں کھڑا
فرما رہا ہے کہ میں تمہارے پاس دنیا کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں اور خدائے مجھے
حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی اطاعت کی طرف بلاؤں۔ کون شخص تم میں ایسا ہے
جو اس کام میں میرا شریک ہو۔ میرا ہاتھ بٹلے اور میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ
قرار پائے۔ سب مجمع پر سکوت ہے۔ اس وقت بھی یہی نوجوان کھڑا ہو جاتا ہے
اور عرض کرتا ہے، یا رسول اللہؐ میں ہوں حضور کا خادم و جاں نثار۔ میں اس
خدمت کو بجا لاؤں گا اور رسولؐ دست شفیقت علیؑ کے سر پر رکھ کر فرماتے ہیں۔
بس یہ میرا بھائی میرا خلیفہ اور وہی ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت
کرو۔ پھر دیکھتے ہیں کہ جب شب ہجرت کفار و مشرکین مکہ کی اذیتوں سے تنگ آ
کر رسولؐ اسی مکہ کو چھوڑتے ہیں اور مدینہ کو ہجرت فرماتے ہیں تو یہی جاں نثار یہاں
بھی تلواروں کے سائے میں سنبھرا رسولؐ پر رسولؐ کی سبز چادر اوڑھے بجائے رسولؐ
آرام کرتا نظر آتا ہے اور اس کے بعد ہی علیؑ کفار و مشرکین کی سختیاں جھیل کر
مچبوس ہونے کی تکلیفیں اٹھا کر کفار کی امانتیں اس نبی صادق و امین کی جانب
سے ادا کر کے پاسیادہ ننگے پاؤں پتھر لی زمین کو روندتا مکہ سے مدینہ کی کڑی منزلوں
کو طے کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پاؤں پر ورم ہو گیا ہے۔ چھلے پڑ گئے ہیں
مگر پیارے رسولؐ کی محبت ہے کہ کھینچے لیے چلی جا رہی ہے۔ اس طرف
آنحضرتؐ اپنے پیارے بھائی کے انتظار میں مدینہ سے باہر ہی مقیم ہیں۔ مدینہ
میں داخل نہیں ہوتے جب تک نہیں پہنچتے۔

مدینہ میں پہنچ کر غزوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو کبھی بدر میں علیؑ

کی تیغ چمکتی نظر آتی ہے تو کبھی اُحد میں ذوالفقار حیدری کی بجلیاں گرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر بدر میں عقاب ثانی نشان محمدی کا پھر یا علیؑ کے شانے پر اڑتا نظر آتا ہے تو اُحد و خندق و خیبر و فتح مکہ کے عظیم الشان معرکوں میں بھی پرچم محمدی علیؑ ہی کے سر پر لہراتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی علیؑ کی تلوار ولید و حنظلہ وغیرہ قریش کے نامی پہلوانوں کے سروں پر بدر و اُحد میں پڑتی نظر آتی ہے۔ تو کبھی خندق و خیبر میں عمرو بن عبدود اور مرحبہ و حارث و عنترہ جلیہ پہلوانوں کے سر کاٹ کر خاک و خون میں لٹاتی ہے۔

اگر اُحد و حنین کے میدانوں میں سلمان ہر میت اٹھا کر رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگتے نظر آتے ہیں تو علیؑ وہاں چند جان نثاروں کے ساتھ نہایت ثابت قدمی سے دشمنوں کو ہٹاتے اور رسولؐ عربیؐ کو بچاتے نظر آتے ہیں اور عاکف بعد الایمان کہتے سنائی دیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کے دندان مبارک اُحد میں شہید ہو جاتے ہیں اور ناسپ زخموں کے خون سے تر نظر آتے ہیں تو علیؑ ہی اس وقت ڈھال میں پانی لٹے اور زخموں کو دھالتے ہیں۔ حضرت مشرکین کی جماعت کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر علیؑ بڑھتے ہیں۔ ذوالفقار حیدری اٹھتی ہے۔ سروں کی جھڑی لگتی ہے۔ خون کا مینہ برستا ہے اور دم کے دم میں میدان صاف ہو جاتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ دوسری طرف حملہ کا حکم دیتے ہیں۔ علیؑ ان نامردوں کو بھی بھکا کر آجاتے ہیں۔ اتنے میں جبریلؑ یہ بشارت سناتے ہیں کہ اے خدا کے رسولؐ یہ ہے حقیقی مواساة۔ رسولؐ کریمؐ خوش ہو کر فرماتے ہیں۔ کیوں نہ ہو، علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبریلؑ عرض کرتے ہیں اور میں آپ دونوں سے ہوں پھر ماہین زمین و آسمان آواز بلند ہوتی ہے۔ "لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی" (ملاحظہ ہو تاریخ کامل جلد ۲ ص ۷)

اگر حدیبیہ میں مشرکین کے ساتھ رسول اللہ کی صلح ہو رہی ہے تو علیؑ معاہدہ صلح تحریر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے وقت فتح مکہ میں بھی یہی علیؑ رسولؐ کے ساتھ شریک کار نظر آتے ہیں۔ رسولؐ کے مبارک مثالوں پر سوار ہو کر ہر نبوت پر قدم رکھ کر خانہ کعبہ کو نبوتوں سے پاک کرتے ہیں۔ جب سورہ برأت کی تبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے تو یہی علیؑ اس کے لیے بھی منتخب ہوتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب حضرت نے اصحاب کے درمیان مواخات قائم کی تو سب سے آخر میں علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، یہ میرا بھائی ہے۔ رسول اللہؐ جو سب رسولوں کے سردار متقیوں کے امام اور رب العالمین کے رسول برحق ہیں اور جن کی مثل و نظیر تبدیل میں نہیں ہے، بس وہ اور علیؑ دونوں بھائی بھائی ہیں (کیسا مرتبہ ہے علیؑ بن ابی طالب کا، بے شک علیؑ نفس رسولؐ و دنیا و آخرت میں رسول خدام کا بھائی ہے۔ علیؑ ہی تمام صفات کمالیہ و جمالہ محمدیہ کا آئینہ ہے۔ اگر رسولؐ علم کے شہر میں تو علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔ انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا انہی کی شان میں ہے۔ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ ہی کی شان میں ہے من عندہ علم الکتاب۔

(ارج المطالب ص ۱۱۱)

حضرت رسول خدام نے فرمایا ہے اے علیؑ جس طرح میں تنزیل قرآن پر جہاد کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے بعد تم تاویل قرآن پر جہاد کرو گے (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۲ ارج المطالب ص ۶۰) امام احمد حنبل، نسائی، بخاری، حافظ ابو نعیم دیلمی اور حاکم وغیرہ علماء نے بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور صحیح بتایا ہے (علیؑ ہی کو رسول خدائے کتاب الہی اور اپنی سنت کا وارث بنایا۔ پس علیؑ ہی وارث علم محمدی ہیں (ازالۃ الخفا ص ۲۱۳)

علمائے فریقین نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ علیؑ سے بہتر اور علیؑ سے بڑھ کر کسی کا اسلام و ایمان نچتہ اور راسخ نہ تھا۔ علامہ دہلوی، خوارزمی، حاکم سلغی، ابوالقاسم محمود زنجشیری وغیرہ نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار دو شخص حضرت عمرؓ کے سامنے حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آپ کنیز کی طلاق کے متعلق کیا فرماتے ہیں حضرت عمرؓ یہ سن کر اس مجمع کی طرف چلے جہاں حضرت علیؑ بیٹھے تھے اور حضرت علیؑ سے اس مسئلہ کو پوچھنے لگے۔ ان دو شخصوں میں سے ایک نے کہا یا امیر المؤمنین (عمر) ہم تو آپ سے پوچھنے آئے تھے۔ آپ یہاں ان سے دریافت کرنے چلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ویلک ماتتدري من هذا۔ واسئم ہو تجھ پر تو نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہے۔ یہ علی بن ابی طالب ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت رسول خداؐ سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر تیرا زو کے ایک پلہ میں ساتوں زمین و آسمان کو رکھا جائے اور دوسرے پلہ میں علیؑ کے ایمان کو رکھا جائے تو البتہ علیؑ کے ایمان کا پلہ ہی بھاری رہے گا۔ الرج المطلب ۴۷۶

اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر معاویہ اور بتی امیر نے علیؑ کے فضائل مٹانے کے لیے سیکڑوں جعلی روایتوں کو بنوا کر اور شائع کر کے اپنے جلعے دل کے پھپھو لے پھوڑے۔ بس یہی وجہ ہے کہ تالیف و تالیف و سیر کی کتابوں میں اختلافی صورت نظر آنے لگی یعنی انہی جعلی روایتوں کی بناء پر مصنفین و مورخین نے فضائل علیؑ کو بالاختلاف لکھنا شروع کر دیا۔ خصوصاً سبقت اسلام کے واقعہ پر تو اچھی طرح ہی پانی پھیرا گیا۔ کسی نے کہا ابو بکر پہلے ایمان لائے کسی نے لکھا، علیؑ کا ایمان اس وقت صحیح نہیں تھا۔ اس کے ساتھ عمرؓ میں اختلاف ہوا کسی نے آٹھ برس کی بتائی کسی نے ۹ سال کی، کسی نے دس سال کی۔ چنانچہ طبری جلد ۱۱ ص ۱۱۰ پر ہے کہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ کے بعد کون پہلے اسلام لایا۔ سلف سے

دنیا کے اسلام میں ایک اختلافی مسئلہ چلا آتا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۱۶ روایات حضرت علیؑ کے اسلام لانے، نماز پڑھنے اور حضرت کی تصدیق کرنے کے متعلق درج کی ہیں۔ اس کے بعد حادث اور ابن سعد اور واقدی کے قول کے مطابق لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہؐ نے اظہار رسالت فرمایا تو اول علیؑ نے اسلام قبول کیا۔ پھر لکھتے ہیں بعض کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد اول ابو بکر اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام کے متعلق پانچ یا چھ روایتیں درج کی ہیں۔ جن میں محض اسلام لانے کا ذکر ہے۔ حضرت کے ساتھ نماز پڑھنے کا تذکرہ نہیں۔ روایات کے بعد چند روایتیں ایسی بھی درج کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکر سے پہلے ایک جماعت اور مسلمان ہو چکی تھی یعنی پچاس آدمی ان سے پہلے داخل اسلام ہو چکے تھے۔ پھر زید بن حارثہ کے متعلق لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بعد اول زید مسلمان ہوئے اور ان کی سبقت اسلامی کے متعلق بھی چار روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں مردوں میں اول شخص زید ہے جن نے علیؑ کے بعد اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی۔ پھر زید کے بعد حضرت ابو بکر مسلمان ہو گئے (طبری جلد ۲ از ص ۲۱ تا ۲۱۵) اب اجماع کے قائل حضرات ذرا انصاف کریں کہ زیادہ دوٹوکس کی طرف جارہے ہیں اور اس سبقت اسلامی کے شرف پانے کا حقدار کون زیادہ ہے۔

مولانا شبلی نے بھی اس واقعہ پر اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۵ میں روشنی ڈالی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ”ایک دفعہ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالبؓ نکلے۔ ان کو اس جدید طریقہ پر عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب میں کھڑے ہو گئے اور بتور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا یہ کون دین ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ

کامیابی دین تھا۔ ابوطالب نے کہا، میں کھتم کھلا اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔ یقیناً حبیباً کہ مستند علماء و محققین کا بیان ہے علیؑ کی عمر اعلان رسالت اور اسلام کے وقت تیرہ، چودہ سال سے کم تھی۔ مولانا شبلی دعوتِ عشیرہ کے واقعہ میں علیؑ کو سیزدہ سالہ جوان تحریر فرماتے ہیں (سیرۃ النبی ص ۱۵۱) لکھتے ہیں جب کھانے کے بعد آنحضرتؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ پیرے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کیفیں ہے تو اس بارگاہ کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعۃً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا، گو مجھ کو آشوبِ چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتی ہیں اور گو میں سب سے کم عمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ قریش کے لیے یہ ایک جرأت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ لڑکا جو ان ہے، دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چل کر نمانہ نے بتا دیا کہ ہر ایک سچ تھا۔

مولانا شبلی نے سابقین اسلام کی جو ترتیب قائم کی ہے اقل ہی اقل حضرت خدیجہ کا نام ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ کا، پھر زبیر کا، پھر ابوبکر کا۔ جن لوگوں نے اسلامی بیت المال کو اپنا جیب خرچ سمجھ لیا ہو۔ بندگانِ خدا کے حقوق کو اپنی ہوا ہو، بس پر قربان کر دیا ہو۔ بدستِ حکومت ہو کر اپنے نالائق قرابت داروں اور غیر مستحق ستم پیشہ لوگوں کو اپنی داد و دہش اور گوریلوں اور صوبوں کی حکومتوں کو عطا کر کے مالِ مفت دل بے رحم سمجھ کر مال کر دیا ہو، ایک ایک عزیز کو بات بات پر پچاس پچاس ہزار درہم بخشے جاتے ہوں، دوست دایانِ اہل بیت کے قاتلوں کو اس کام کے صلہ میں سرکاری خراج معاف کر دیا جاتا ہو، وسیع دستِ خوالوں کو خدائی مال خرچ کر کے

شراب و کباب اور رنگ برنگ کے کھانوں سے سجا یا جاتا ہو وہ اس سیاست الہیہ اور سیاست نبویہ کی قدر کیا جان سکتے ہیں؟ جن کا بہترین مظاہرہ رسول م کے بعد علی بن ابی طالب نے کرایا۔ انھوں نے دکھا دیا کہ کس طرح فاقہ پر فاقہ کر کے، بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اپنی ضرورتوں کو روک کر اپنے بچوں کو فاقہ سے رکھ کر کس طرح دوسروں کی خبر لی جاتی ہے۔ علیؑ نے روزہ پر روزہ رکھ کر بچوں کے ستون سے افطار کر کے اسوۂ رسولؐ کا کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ خلافت ظاہری کے زمانہ میں جب کوہ میں تشریف فرما تھے اور بیت المال مسلمین کے آپ مالک تھے اس وقت بھی کبھی ایک پانی حق مسلمین کی اپنے خرچ میں نہیں کی۔ اور اسی طرح فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے جس طرح ظاہری خلافت سے قبل کرتے تھے۔

علیؑ اپنی سلطنت کے زمانہ میں اس شان سے رہتے ہیں کہ درپردہ کوئی نگہبان ہے نہ چوہدار۔ گھر میں کوئی دنیوی سامان نہیں البتہ زبد فی اللہ اور توکل علی اللہ کی پروردگاری سے سارا گھر جگمگا رہا تھا۔ خلق اللہ کی سہروردی اور مواسات کے لورانی قیمتی ضیاء باری کر رہے تھے۔ چادرِ تطہیر کی پوشش تھی اور علم و حکمت کی آرائش۔ جلالت الہی کی جلوہ نمایاں تھیں اور شان رسالت کی کار فرمایاں۔

حضرت رسول خداؐ نے اپنے بعد دنیا کو یوں ہی بغیر کسی مادی ورہنہ کے چھٹکتا ہوا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بعد ایک سچے مادی اور حقیقی رہبر کا پتہ بتا گئے ہیں اور یہ بھی کہ گئے ہیں کہ اگر تم اس کی پیروی نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ امام احمد منہبلی نے مسند حیدر اول ص ۱۵ پر لکھا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ان تو مروا علیاً حجتاً وہ ہادیا مہدیاً یاخذکم الطريق المستقیم اگر تم علیؑ کو امیر بناؤ گے تو تم اس کو ہدایت کرنے والا اور صراطِ مستقیم

پر چلانے والا پاؤں گے،

بعد رسول حضرت علیؑ کو محض اس لیے خلافت نہیں دی گئی کہ انھوں نے بدر و
 اُحُد وغیرہ میں ان قریش کے جواب دائرۂ اسلام میں داخل تھے بہت سے عزیزوں
 کو قتل کیا تھا۔ قریش کی نظر میں علیؑ کی شجاعت اور دینداری کانٹے کی طرح کھٹک
 تھی اور ان کی خداداد فضیلتیں ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ مولانا شبلی بھی
 الفاروق حصہ اول ص ۲۰۰ میں اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ
 کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے
 سر نہ جھکاتے تھے۔ پھر عبداللہ بن عباس اور حضرت عمرؓ سے جو مکالمہ ہوا ہے
 اس کو طبری کے حوالے سے درج کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس سے
 پوچھا کہ علیؑ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوتے۔ عبداللہ نے کہا میں نہیں جانتا۔
 پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا، تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم آنحضرتؐ کے
 چچیرے بھائی ہو، پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟ انھوں نے کہا مجھے
 کیا معلوم۔ عمرؓ نے فرمایا، میں اس کی وجہ جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا
 گوارا نہیں کرتی، ■ نہیں چاہتی کہ ایک ہی خاندان میں نبوت و خلافت دونوں آجائیں
 (قوم کا اگر بس چلتا تو نبوت بھی نہ آتے دیتی) رسول اللہؐ نے بھی اپنے ایک ارشاد
 میں علیؑ سے اس بغض و حسد رکھنے کی تصدیق فرمائی ہے۔

حضرت رسول خداؐ نے غدیرہٴ تم کے میدان میں حضرت علیؑ علیہ السلام کی
 خلافت کا لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں اعلان فرما دیا تھا اور کہہ دیا تھا، من
 کنت مولاً فهذا مولیٰ۔ لیکن دشمنانِ علیؑ نے جب کسی طرح بس
 نہ چلا تو مولائے معنی ہی میں کلام کرنا شروع کر دیا اور بجائے اولیٰ بالنسب کے
 یا، ناصر و مددگار کے معنی لگانے لگے۔ حالانکہ واقعہ کی صورت اس کے بالکل

خلاف ہے۔ دوپہر کی سخت دھوپ میں تمام مسلمانوں کو روک کر ایک ایسے مقام پر جہاں کو رسول درخت کا سایہ نہ تھا دربار منعقد کرنا اور خطبہ پڑھ کر علیؑ کے مولا ہونے کا اظہار کرنا، پھر حستان بن ثابت کا جو دربار رسولؐ کے نامی شاعر ہیں تہنیت میں قصیدہ پڑھنا، حضرت عمرؓ کا مبارکباد دینا یہ سب قرینے اسی کے ہیں کہ مولا بمعنی اولیٰ بالتصرف اور حاکم و فرماں روا ہے ورنہ دوستی کے اعلان پر اس قدر مسرت کی کیا ضرورت تھی اور تبلیغ میں کیوں اتنا اہتمام کیا جاتا کیونکہ موافق آیت انما المؤمنون بعضهم اولیاء بعض پہلے ہی ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دوست بن چکا تھا۔ حستان کے قصیدہ میں صاف امام و ہادی کا لفظ موجود ہے۔

فقال لہ قم یا علی فانتی

رحمتک من بعدی اماماً و ہادئاً

یقیناً تمام اصحاب نے یہی مطلب سمجھا تھا جب ہی تو مبارکبادیں پیش کیں۔ استیعاب میں عبداللہ بن عباس سے یہ حدیث مروی ہے جو اس واقعہ کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ یا علی انت ولی کل مومن و مؤمنۃ من بعدی (اے علی تم میرے بعد ہر مومن و مومنہ کے اوپر حاکم ہو) لفظ من بعدی خود بتا رہا ہے کہ یہاں اس ولی کے معنی دوست کے نہیں بلکہ وہی اولیٰ بالتصرف یا مالک و آقا کے ہیں۔ کیونکہ اگر دوست کے معنی لیے جائیں تو یہ ہوئے کہ علیؑ، رسول اللہؐ کی حیات میں تو کسی مومن و مومنہ کے دوست نہ تھے بعد رسولؐ البتہ ہو جائیں گے۔

تاریخوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ آنحضرتؐ کی حیات میں اور نہ آنحضرتؐ کے بعد علیؑ کے سوا اور کوئی صحابی ایسا نہیں جس نے ہر مسئلہ کا سلی بحسب جواب دیا ہو اور کبھی اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہی نہ ہو۔ یہ علیؑ ہی کی ذات تھی جس نے

سیرتیر بالا اعلان یہ کہا سلونی سلونی قبل ان تفقدونی (جس بات کو چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اہل انجیل کو انجیل کے موافق جواب دے سکتا ہوں اور اہل توریت کو توریت کے مطابق اور اہل زبور کو زبور کے موافق اور اہل قرآن کو قرآن کے موافق) (ارج المطالب ص ۱۱۱ ازالة الخفاء ص ۲۶۹ - کنز العمال جلد ۷ ص ۲۶۶)

قرآن کی جس آیت کے متعلق چاہو مجھ سے پوچھو۔ کون سی آیت ہے جو مجھے معلوم نہیں کہ رات کو اتری ہے یا دن میں۔ پہاڑ پہ نازل ہوئی ہے یا زمین پر (تاریخ الخلفاء صواعق محرقة ص ۷۷، تفسیر القان جلد ۲ ص ۱۸۷، ثروت الموبد ص ۱۱۳ - شرح مواقف ص ۴۳، کنز العمال - ارج المطالب) پس یہ علیؑ ہی کی زبان حق تہ جمان ہے جس سے علوم محمدی کے چٹے بہتے اور دیا کو سیراب کرتے ہیں۔ علیؑ ہی وہ عالم ہیں جن کے آگے سیاسی امور اور علمی و فقہی مشکلات میں بڑے بڑے صحابہ کے سر جھکتے ہیں صحابہ ہمیشہ علمی مشکلات حل کرنے کے لیے علیؑ کے دروازے پر آتے تھے۔ حضرت عائشہ جو سب سے زیادہ عالمہ اور محدثہ دنیائے اسلام میں شمار ہوتی ہیں۔ خود علیؑ کی علمیت کا اقرار کرتی ہیں اور فرماتی ہیں۔ انھا اعلم من بقیہ بالسنة (۱) بقیہ اصحاب محمدؐ میں سب سے زیادہ سنت کے جاننے والے ہیں) دیکھو تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱۔ حضرت عمر جو صحابہ میں اعلم و افضل مانے جاتے ہیں لولا علیؑ لهلك عمر اور کہیں نعوذ باللہ من معضلة لبس لها ابا الحسن (یعنی میں پناہ مانگتا ہوں ایسی علمی مشکل سے جس کے حل کرنے والے علیؑ نہ ہوں) کہہ کر ان کی علمیت کا اقرار کرتے ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱ ازالة الخفاء ص ۲۶۸ - ۲۶۹ - صواعق ص ۷۷ - شرح مواقف ص ۴۳ - ارج المطالب ص ۱۲۳ - استیعاب)

جبکہ تمام مہاجر و انصار بڑے بڑے اصحاب کبار عمار یا سر، ابوالیوب انصاری اور خلیفہ بمانی وغیرہ حضرات و مشرقائے مدینہ اور بزرگان اسلام باتفاق کامل حتیٰ کہ طلحہ و زبیر بھی علی علیہ السلام کے انکار کرنے پر بھی باصرار بیعت کرتے ہیں اور علیؑ لظاہر خلیفہ اور صاحب سلطنت قرار پاتے ہیں تو ایسے وقت میں بھی بنی امیہ اور ان چند لوگوں سے جنہوں نے قدیمی عداوت و حسد کی بنا پر علیؑ سے بیعت کرنا قبول نہ کیا تھا آپ کوئی باز پرس اور مخالفت نہیں کرتے اور ان کو اطاعت و بیعت کے لیے مجبور نہیں کرتے بلکہ مالک اشتر اور عمار یا سر کو جو ایسے لوگوں سے یہ جبر بیعت لینا چاہتے تھے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ جانے دو ان کو۔ ان ہی کے حال پر چھوڑ دو، ہم کو زبردستی اور مجبور کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جانتے نہیں ان لوگوں کو مجھ سے قدیمی حسد اور ذاتی کاوش ہے۔ یہی لوگ جب خلافت علیؑ کے متعلق فتنہ و فساد برپا کرنے اور شور و شین پھیلانے کے لیے شام اور مکہ کی طرف جاتے ہیں تب بھی ان کو نہ تو زبردستی روکا جاتا ہے نہ قید کیا جاتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ جنگ جمل کے واقعہ کے بعد بھی جب بنی امیہ اور مردان وغیرہ اسیر ہو جاتے ہیں اور حضرت عمار یا سر اور دیگر سرداران لشکر امیر المومنین ان کے قتل کی رائے دیتے ہیں تو بھی علیؑ فرماتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ ہے سیاستِ الہیہ کا ایک نمونہ۔ چونکہ قرآن میں لا اکراہ فی الدین ہے اس لیے علیؑ اس کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ علیؑ کی سیاست ان لوگوں کی سی سیاست نہیں جو بعد رحلت رسولؐ، علیؑ کو بیعت پر مجبور کر رہے تھے اور انکار کی صورت میں قتل کرنے اور خانہ سیدہ جلائے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

یہ ہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا کجا

صاحب سیرۃ ہشام اور علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو حضرت رسول خدام علیؑ کو ساتھ لے کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور دونوں وہاں پھپھپ کر نماز پڑھتے تھے اور شام کو وہاں سے واپس آتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۵ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۱۳)

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی غیبت سے پچھو اور علیؑ کا ذکر برائی سے نہ کرو۔ علیؑ میں تین منزلیں ایسی ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی حاصل ہوتی تو تمام دنیا کی دولت و نعمت سے اور ہر اس چیز سے جس پر آفتاب اپنی روشنی ڈالتا ہے زیادہ محبوب ہوتی۔ ایک روز حضرت رسول خدام کی خدمت میں تین اور ابوبکر اور ابو عبیدہ جراح وغیرہ چند اصحاب حاضر تھے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یا علی انت اول المسلمین اسلاماً (یا علی تم مسلمانوں میں اول اسلام لائے ہو) وانت اول المومنین ایماناً (اور تم مومنوں میں اول مومنین ہو)

سعد ابن ابی وقاص کو معاویہ حکم دیتا ہے کہ علیؑ پر معاذ اللہ سب کرو۔ الزنائب پر لعنت کرو۔ سعد بگڑ کر کہتے ہیں اے معاویہ سن! مجھے علیؑ کے متعلق تین باتیں ایسی یاد ہیں جو رسول اللہؐ نے علیؑ کے متعلق فرمائی ہیں کہ اگر میرے متعلق ان میں سے ایک بات بھی فرمائی ہوتی تو خدا کی قسم سرخ مو اذنیوں کے ملنے سے زیادہ محبوب اور عزیز ہوتی (عرب سرخ بالوں والے اذنیوں کو دنیا کی سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے) ایک تو رسول اللہؐ نے علیؑ کو انت اخي بمنزلتي هارون من موسى الا لا نبی بعد نبی فرمایا۔ یعنی تمہاری منزلت میرے ساتھ ایسی ہی ہے جیسی موسیٰ کے ساتھ ہارون کی مگر میرے بعد نبوت نہیں۔ دوسرے جنگ خیبر میں علیؑ کو علم عطا فرمایا اور کہا لا اعطین

الراية عنداً رجلاً كراماً غير فرار خيب الله در رسولاً و حجة الله و
 الرسول (بے شک یہ خصوصیت بھی شہر خدا نفس رسول علی بن ابی طالب ہی
 کی ہے کہ کسی جنگ میں علیؑ بھاگتے اور فرار ہوتے نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ اور حضرت
 نظر آتے ہیں۔ کوئی شخص کسی تاریخ سے کسی حدیث سے نہ ثابت کر سکا ہے اور نہ کر
 سکتا ہے کہ ایک موقع پر بھی علیؑ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں) تیسرے
 مباہلہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے علیؑ و فاطمہ اور حسن و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا
 اللہم ہولاء اہل بیعتی (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸ صحیح ترمذی ص ۲۱۴ مرقع
 الذہب جلد ۲ ص ۲۴ وغیرہ)

طبری ابن السماں نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ
 جھوٹا ہے وہ شخص جو یہ گمان کرے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے۔ درآنحالیکہ تمھارا
 دشمن ہو (ارج المطالب)



باب سوم

فضائل جناب سیدہ

مناسب مقام معلوم ہوتا ہے کہ شہزادی کوئین تختِ جگر رسول الثقلین کی نورانی زندگی کے حالات پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ ناظرین معلوم کر سکیں کہ رسول کریمؐ کی بی بیؑ کس پایہ کی تھی۔

جس طرح رسولِ عربیؐ تمام رسولوں کے سردارِ انبیاء کے شرف، فخرِ عالم و عالمیان سید الانس و الجان ہیں اسی طرح محبوبِ الہی کے جگر کا ٹکڑا، عصمتِ الہیہ کا مجسمہ النسبۃ المحررا باپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہرا بھی اسلام کی شہزادی مہربان کی نورانی خاتون بہت مریم کا شرفِ خدیجہ کا فخرِ سردارِ زنانِ عالم و عالمیان ہے۔ یہ رسولِ الہی کا قولِ مسلمہ علمائے فریقین ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری شرح عسقلانی جلد ۹ و ۱۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۔ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۴۔ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۵، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳، ینابیع المودۃ صفحہ ۱۸۶، مودۃ القربی صفحہ ۹ و ۲۲ و ۲۵۔ ارجح المطالب صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵۔ مدارج النبوة صفحہ ۵۴۸، خصائص نسائی صفحہ ۴۱، ۴۲، ۴۳۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۵۔ تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۱۳۔ نور الابصار صفحہ ۶۷، ۶۸ و ۶۹۔ صاحب مدارج النبوة حضرت ام المؤمنین سیدہ ازواجِ مطہرات محسنِ اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ کے فضائل میں لکھتے ہیں "بس است از فضیلت دے کہ فاطمہ زہرا

از شکم دے بود۔ (مشکوٰۃ ۵۶۵) یعنی جناب خدیجہؓ کے لیے ہی سب سے بڑی فضیلت کافی ہے کہ فاطمہ زہراؓ جیسی بیٹی ان کے لطن سے پیدا ہوئی۔ علامہ شیخ عماد الدین یحییٰ بن ابی بکر بن محمد عامری اپنی کتاب عالیہ بوجہ المحافل ص ۱۸۴ میں بذیل ذکر ازواج مطہرات رسول کریمؐ جناب خدیجہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں ومن ھب الدھحقین المھا افضل من عائشۃ وان الفاطمة افضل من الجمیع یعنی علمائے محققین کا مذہب یہی ہے کہ جناب خدیجہ حضرت عائشہ سے درجہ فضیلت میں بالا ہیں۔ اور فاطمہ زہراؓ سب سے افضل و برتر ہیں۔ حضرت فاطمہ زہراؓ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رسول خداؐ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ یہی بی بی ہیں جو سب سے پہلے حضرت پرایمان لائیں۔ اور دین اسلام پر اپنا دھن دولت لٹایا۔ بیشک اسلام کی حقیقی محسن کہلانے کی مستحق نبی بی بی ہیں۔ ازواج مطہرات میں بس ہی ایک بی بی اس عظمت و شان کی ہے کہ خدا اس پر سلام بھیجتا ہے۔ دیکھو ینابیع المودۃ ص ۵۶۹۔ تذکرہ خواص الامہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۴ مشکوٰۃ ص ۵۶۵۔ رحمۃ للعالمین ص ۱۸۰۔ مدارج النبوة ص ۵۲۹۔ تذکرہ خواص الامہ ص ۱۰۰۔ یہ شرف بھی اسی مقدس بی بی سے مخصوص ہے کہ اس کی حیات میں کوئی دوسری عورت آنحضرتؐ کی بی بی بننے کا شرف حاصل نہ کر سکی اور پھر ان کے بعد بھی یہ خصوصیت کسی اور بی بی کو حاصل نہ ہوئی۔ جناب خدیجہؓ کے بعد آنحضرتؐ نے اور بھی شادیاں کیں اور ایک ایک وقت میں متعدد بی بیاں زوجیت رسولؐ کا شرف حاصل کرتی رہیں۔ جو قبائلی عرب اور اصحاب کی محض تالیفِ قلوب یا سیاسی مصلحتوں اور تمدنی پہلوؤں کی بناء پر ہوتی رہیں لیکن یہ خصوصیت اور جو شرف جناب خدیجہؓ کے لیے ہے وہ کسی دوسری بی بی کو حاصل نہ ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی فضیلت و عظمت میں بس آنحضرتؐ کا وہ ارشاد ہی کافی ہے جو حضرت عائشہؓ کی زبانی اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں درج ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ خدیجہؓ کے

بارہ میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا۔ واللہ ما ابذلنی اللہ خیراً منها امتی
 جی اذا کفر فی الناس وصدقنی اذا کذب فی الناس واستغنی
 لہا اذا حرّ منی الناس وهرقنی اللہ منہا الولد دون غیرہا
 من النساء (منقول از زہراؑ) یعنی اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کے بدلے میں
 خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بی بی نہیں دی ہے۔ خدیجہ وہ بی بی ہے کہ جو اس وقت
 مجھ پر ایمان لائی جب لوگ میری رسالت سے انکار کرتے تھے اور اسی نے میری
 اس وقت تصدیق کی ہے کہ جب لوگ میری تکذیب کرتے تھے اور اس بی بی
 نے اپنے مال سے میری اس وقت مدد کی ہے جب لوگوں نے مجھے مالی امداد سے
 محروم رکھا تھا اور بس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بی بی سے نعمتِ اولاد کرامت
 فرمائی جو کسی دوسری بی بی سے نہیں دی گئی۔

علامہ ابن عبد البر نے بھی کتاب استیعاب جلد ۲ ص ۲۷۱ پر اس حدیث کو نقل
 فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ کی یہ عادت تھی
 کہ جب تک جناب خدیجہ کو یاد نہیں کر لیا کرتے تھے گھر سے نہیں نکلتے تھے اور ہمیشہ
 ان کی طرح دشنا فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک روز خدیجہ کا ذکر فرمایا۔
 مجھے غیرت آئی اور بڑا معلوم ہوا۔ میں نے کہا، خدیجہ ایک بڑھیا عورت تھیں
 اللہ نے ان سے بہتر بی بی آپ کو دی ہے (یعنی عائشہ) یہ سن کر حضرت غضبناک
 ہوئے اور غصہ سے حضرت کے بال کھڑے ہو گئے اور فرمایا، قسم ہے خدا کی
 خدیجہ سے بہتر بی بی مجھے نہیں ملی۔ تا آخر حدیث۔

تذکرہ خواص الامہ ص ۱۱ میں بھی مضمون یہی ہے اس میں شک نہیں کہ رسول خدا
 کی تمام ازواجِ مطہرات قابلِ تعظیم و تکریم ہیں۔ کسی مقدس بی بی کو فرمایا گیا انت
 علی الخیر (حضرت ام سلمہ کے متعلق دیکھو نزول آیت تطہیر کسی پیاری

بی بی کی فضیلت میں ارشاد ہوا کفضل الثريد على سائر الطعاه
 (عائشہ کے متعلق دیکھو ترمذی ص ۲۲۸) صحیح بخاری شرح عسقلانی جلد ۶ ص ۱۱۶
 نیز جلد ۵ ص ۳۱۲۔ شارح نے ترمذی کی اعلیٰ غذا ولذت کی بھی تشریح کی ہے کسی
 بی بی کی نسبت کہا گیا ہے۔ اِنَّكَ لَابْنَتُهُ بِنْتِي وَاَنْ عَمَّكَ نَبِيٌّ وَاَخْلَكَ
 تَحْتَ نَبِيٍّ (صفیہ بنت حنی سے ارشاد ہوا جبکہ عائشہ و حفصہ نے ان کو طعنہ
 دیا تھا۔ دیکھو ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۹ و مشکوٰۃ ص ۵۶۶) لیکن خدا کی برگزیدہ عورتوں
 مریم بنت عمران اور جناب آسیہ زن فرعون کی ہم پلہ بلکہ ان سے افضل و اعلیٰ
 خیر النساء کہلانے کی مستحق دنیا کی تمام عورتوں میں اگر کوئی بی بی ہو سکتی ہے۔ تو
 وہ بھی دونوں ماں بیٹی حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ زہراء ہیں۔ سیر و حدیث کی
 کتابوں کو دیکھ لیجیے۔ کسی بی بی یا کسی بیٹی کو حضرت مریم فاطمہ کے ہم پلہ نہیں
 بتایا گیا۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں۔ فضيلة خديجة على النساء النبي
 کہا فضيلة مريم على لساء العالمين (خدیجہ کو ازواج رسول
 پر ویسی ہی فضیلت ہے جس طرح حضرت مریم کو زنان عالم پر فضیلت ہے)
 دیکھو نیا بیع المودة القرنی ص ۲۳ کبھی ارشاد ہوتا ہے خیر النساء خدیجہ
 بنت خویلد خیر النساء مریم بنت عمران (خدیجہ بنت خویلد اور
 مریم بنت عمران دنیا کی بہترین عورتوں میں سے ہیں) دیکھو نیا بیع المودة ص ۱۱
 ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۹۔ کبھی فرمایا جاتا ہے۔ افضل النساء الجنة يا خیر
 لساء العالمين امرجة مریم و آسیہ و خدیجہ و فاطمہ۔ اس
 کے راوی ابن عباس، علی مرتضیٰ اور انس بن مالک ہیں۔ دیکھو نیا بیع المودة ص ۱۱
 ص ۱۴۳، مودة القرنی ص ۹ و ۴۵۔ ارج المطالب ص ۴۴ مدارج النبوة ص ۵۴۹ و
 ص ۵۵۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۲۰۔ اصحابہ و نوز الابرار ص ۶۸۔ نیز صحیح بخاری، مشرح

صحیح بخاری عسقلانی جلد ۶ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷۔ خداوند عالم کا سلام خدیجہ پر اور حضرت عائشہ کا سوتیا ڈاہ اور عصفہ و غضب حضرت خدیجہ کی فضیلت اور رسول اللہ کی محبت اور خدیجہ کی یاد وغیرہ۔

جناب خدیجہ اور جناب سیدہ کی وہ بے نظیر فضیلتیں اور بے مثال منتقبتیں ہیں کہ ان پر ازواج رسولؐ نے ہمیشہ رشک فرمایا۔ (ترمذی ص ۲۲۹، نیابیع المودۃ ص ۱۷، مدارج النبوة ص ۵۲۹، مشکوٰۃ ص ۵۶۵، استیعاب جلد ۲ ص ۷۲۔ نیز صحیح بخاری کے حوالہ جات مندرجہ بالا اور ص ۵۵ و ص ۱۱۵-۱۱۶۔ جلد ۶ ص ۹۵ و ۹۶۔ مناقب سیدہ۔)

بیان کیا جاتا ہے کہ حضور سرور عالم کی صلیبی بیٹیاں اور بھی تھیں لیکن جب آنحضرتؐ کی سیرت اور سیدہ کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت اور فاطمہ پر خدا کے اعزاز و اکرام کا حال پڑھا جاتا ہے تو بے شک ہم کو فاطمہ عیسیٰ کوئی دوسری بیٹی نظر نہیں آتی۔ بس یہی وہ بیٹی ہے جس کو آنحضرتؐ کبھی سردارِ زنانِ بہشت فرماتے ہیں کبھی سردارِ نساءِ عالمین، کبھی افضل النساء کے لقب سے یاد فرماتے ہیں کبھی صدیقہ کہہ کر پکارتے ہیں (ارج المطالب ص ۲۴۳۔ خصائص نسائی ص ۷۱ و ۷۲ وغیرہ) ابتدائے عالم سے تا ایں دم تمام دنیا کی مسلمہ اصول اور مرقوم و مذہب کا حل درواج یہی چلا آتا ہے۔ کہ سلسلہ نسل کو اولادِ مذکور ہی میں سمجھا جاتا ہے یعنی بیٹے اور پوتے وغیرہ ہی کسی شخص کی نسل میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر یہ شرف اسی بیٹی کو حاصل ہے کہ حضرت رسولؐ خدام کی نسل اس کی اولاد سے چلی اور بنی فاطمہ کو اولادِ رسولؐ اور سیدہ کھلانے کا شرف حاصل ہوا۔ اگر زینب اور رقیہ جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے حضرت رسولؐ خدام کی صلیبی بیٹیاں ہوتیں تو یہ فخر ان کو انسان کی اولاد کو بھی حاصل ہوتا۔ وہ بھی حضرت رسولؐ خدام کی حیات میں

صاحب اولاد تھیں اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی ان کی اولاد موجود رہی ہے جیسا کہ حضرت امام بنت زینبؑ بعد وفات رسولؐ موجود تھیں اور صاحب اولاد تھیں اور حب و صیت جناب سیدہ بعد وفات جناب سیدہ حضرت علیؑ سے عقد ہوا اور پھر امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مرقہ کے جہانہ عقد میں آئیں اور اس سے بھی اولاد ہوئی لیکن نہ تو بدع ابتاعنا وابتاعکم ولساعتنا ولساعتکم میں ان کو اور ان کی اولاد کو شرکت کا ثروت بخشا گیا اور نہ کسی وقت میں فاطمہ اور ان کی اولاد کی طرح ان کو اور ان کی اولاد کو آل محمدؐ کی رسولؐ کہلانے کا فخر حاصل ہوا۔ بس یہ ثروت و بزرگی تو خدا نے فاطمہؑ ہی کی اولاد کو عطا فرمایا۔ آیہ مباہلہ اس پر گواہ ہے اور احادیث رسولؐ اس پر شاہد ہیں۔ علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ اسی ذریت طاہرہ کی بناء پر حضرت رسولؐ خدام ابتر کہلانے کی طعنہ زنی سے بچے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسی رسولؐ زادی کی اولاد کو خدا نے وہ برکت عطا فرمائی اور ایسی کثرت بخشی کہ آج دنیا کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے۔ انا عطیناک الکثیر فصل لربک واعتر۔ انا شانک ہو الا بتر ہم نے تم کو کثرت یا کثرت سے اولاد بخشی۔۔۔ اور بیشک تمہارا دشمن ہی ابتر یا مقطوع نسل ہے (علامہ ابن اثیر اسد الغابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھتے ہیں انقطع نسل رسول اللہ الا منها یعنی رسول اللہؐ کی نسل منقطع نہ تھی مگر سیدہ عالم سے قائم رہی (اسد الغابہ وارجح المطالب ص ۲۵۹)

علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ میں اور حاکم مستدرک میں حضرت عمارؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ لعل اب عصبۃ ینتمون الیہ الا ولد فاطمہ انا ولیہم وانا عصبیتہم وہم عترتی وخلفوا

من طینتی (ارج المطالب ص ۲۶۱) ینا بیع المودة ص ۲۶۶) یعنی ہر ایک باپ کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے لیکن فاطمہ کی اولاد کا ولی اور عصیہ میں ہوں۔ وہ میری عترت ہے اور میری طینت سے ان کی خلقت ہے۔ ایسا ہی صواعق محرقہ میں ہے۔

ینا بیع المودة ص ۱۸۶ میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کل بنی آدم نیتمون الی عصبیہ الا ولد فاطمہ انا ولیہم وانا عصبیتہم یعنی کل بنی آدم اپنے عصبیہ (باپ) کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں مگر اولاد فاطمہ کے ان کا ولی اور عصیہ میں ہوں۔ فاطمہ کی اولاد میری اولاد ہے اور ان کا باپ میں ہوں۔

جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کی ذریت کو اس کے صلب میں قرار دیا گیا ہے مگر میری ذریت علی کے صلب میں قرار پائی ہے (طبرانی - ارج المطالب ص ۲۵۹)۔ ینا بیع المودة ص ۲۶۶) ینا بیع المودة ص ۲۶۶) مناقب احمد حنبلی میں ہے، علی علیہ السلام فرماتے ہیں طلبنی رسول اللہ وجدانی فی حائل ناٹما فخر کنتی برجلہ و قال قم انا البشراء انت اخي وابو ولدی یعنی ایک دفعہ رسول اللہ میری تسکس میں نکلے، مجھے ایک دیوار کے نیچے سوتا پایا۔ پائے مبارک سے مجھے ہلا کر فرمایا، یا علی! اٹھو میں تجھیں خوشخبری دوں۔ علی تم میرے بھائی ہو اور میرے بچوں کے باپ ہو (ارج المطالب ص ۲۵۹) غرض کہ علمائے اسلام کی تصانیف میں متعدد روایات و احادیث موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ زہراؑ اور ان ہی کے فرزند حسن و حسینؑ رسولؐ کی اولاد ہیں پس دوسری بیٹیوں یا ان کی اولاد کو خلافت حکم رسولؐ اور اولاد رسولؐ کے الفاظ سے یاد کرنا ایسا ہی نامناسب و خلاف قول فعل رسولؐ

جس طرح دیگر انبیاء کو سید المرسلین یا خاتم النبیین کے القاب سے یاد کرنا۔
 کس کی طاقت ہے کہ سیدۃ عالم کے فضائل و مناقب بیان کر سکے۔
 شکل و شمائل، صورت و سیرت، چال و حال اور رفتار و گفتار میں اپنے باپ
 کا مکمل نمونہ تھیں۔ جیسا کہ خود حضرت عائشہ نے بیان فرمایا ہے۔ دیکھو صحیح مسلم
 جلد ۲ ص ۲۹۱، اور خصائص نسائی ص ۴۳۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۱۷، مولوی عبدالحق
 دہلوی مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں۔ وے سیدہ نساء العالمین و سیدہ نساء اہل
 جنت است بتمیہ کردہ شد بقاطمہ زہرا کہ حق تعالیٰ بازداشت اورا و محبان اورا
 از آتش دوزخ و بتول از جہت القطار وے از نساء زماں خود در فضل و دین و
 حسن و جمال و القطار وے از ما سوائے اللہ و زہرا از جہت زہرت و عصمت و
 جمال و جمال وے و زاکہ و راضیہ نیز از القاب شریف اوست و بود رقبہ الناس
 بہ رسول خدا در راہ و روش و صورت و سیرت و بود آنحضرت کہ چون ے در آمد فاطمہ
 بروے ے ایستاد وے گرفت دست شریف اورا وے ایستاد وے رفت و بسوے
 آنحضرت وے گرفت، دست مبارک آنحضرت را وے نشاند۔ بجائے خود جب فاطمہ سلام
 کو حاضر ہوتی ہیں تو رسول تعظیم کو اٹھتے ہیں۔ محبت مجھے دل سے بیٹی کا ہاتھ پکڑتے
 ہیں، پیشانی، الزر کو چومتے ہیں اور اپنی جگہ پر فاطمہ کو بٹھاتے ہیں اور اسی طرح جب
 حضرت رسول خدا فاطمہ کے گھر بیٹی سے ملنے کو تشریف لے جاتے ہیں تو فاطمہ
 تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ دروازہ تک استقبال کو آتی ہیں۔ باپ کا دست
 حق پرست چوم کر اپنی جگہ لا کر بٹھاتی ہیں اور جب حضرت مدینہ سے باہر تشریف
 لے جاتے ہیں تو سب سے رخصت ہو کر آخر میں فاطمہ سے ملنے اور رخصت
 کرنے آتے ہیں اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے ہیں تو سب سے پہلے سیدہ
 فاطمہ کے گھر ملنے کے لیے جاتے ہیں اس کے بعد کسی اور سے ملتے ہیں۔

یہ باتیں فاطمہ زہراؑ سے مخصوص تھیں (مدارج النبوة ص ۵۴۳ وسیلۃ النجات
 اسعاف الراجحین ص ۶۸ و ۱۶۹) سیدہ بیمار ہوتی ہیں، رسول خدام عبادت کو
 تشریف لاتے ہیں، مزاج پرسی فرماتے ہیں۔ بیٹی اپنی تکلیف کو بیان کرتی ہیں
 اور عرض کرتی ہیں، بابا اس وقت ہمارے پاس کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ حضرت فرماتے ہیں بیٹی
 کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ عرض کی بابا جان! اور مریم
 بنت عمران کدھر گئیں۔ فرمایا وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہے اور تم سب زمانہ کی عورتوں کی سردار ہو خدا
 کی قسم تمہارا شوہر دنیا و آخرت کا سردار ہے (رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۳ و استیعاب جلد ۲ ص ۵۴)
 کبھی زبان نبوت سے ارشاد ہوتا ہے۔ فاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذنی و
 من البغضها فقد البغضنی (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو اذیت
 دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک
 کیا) صحیح بخاری۔ شرح عسقلانی جلد ۶ ص ۹۷ و ص ۹۸۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۱، ص ۲۹۲
 ترمذی ص ۶۳۵، مدارج النبوة ص ۵۴۳، وسیلۃ النجات ص ۲۰۸ وغیرہ۔ کبھی فرماتے ہیں۔
 ان الله لیغضب بغضب فاطمہ ویرضی برضاها (فاطمہ کا غضب، خدا
 کا غضب ہے اور فاطمہ کی رضا خدا کی رضا ہے) (مدارج النبوة ص ۵۴۳) کبھی
 ارشاد ہوتا ہے، اے علیؑ، فاطمہ تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم فاطمہ سے زیادہ
 عزیز ہو (مدارج النبوة ص ۵۴۳، اسعاف الراجحین ص ۱۶۸) حضرت عائشہ فرماتی
 ہیں کہ عورتوں میں رسول اللہؐ کو فاطمہ زہراؑ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا اور مردوں
 میں علیؑ سے زیادہ پیارا نہ تھا (استیعاب جلد ۲ ص ۵۴)، جمیع ابن عمر بیان کرتا
 ہے۔ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ لوگوں میں
 رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ کون پیارا تھا؟ فرمایا، فاطمہ۔ میں نے پوچھا
 اور مردوں میں کون زیادہ عزیز تھا؟ انھوں نے کہا، فاطمہ کا شوہر (علیؑ)

اسماء الراغبین ص ۱۵۱۔ یہی وہ پیاری بیٹی ہے جو ام ابیہا کی کنیت سے یاد کی گئی۔
 علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔ کانت کنیتہ فاطمہ بنت رسول اللہ ام ابیہا
 یعنی فاطمہ زہرا کی کنیت ام ابیہا تھی۔ یعنی اپنے باپ کی ماں (استیعاب جلد ۲ ص ۵۲)
 حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اے فاطمہ زہرا ہم نے رسول خدا کو آپ سے زیادہ کسی
 کے ساتھ محبت اور پیار کرتے نہیں دیکھا (مدارج النبوة ص ۵۲۲) پس غور فرمائیے
 کہ سیدۂ عالم کا کیا مرتبہ ہے۔ فاطمہ کے سوا کون ہے جس کے متعلق حبیب خدا
 نے یہ فرمایا ہو۔ انا سلم لمن سالکم وحرب لمن حاربکم
 (صحیح ترمذی) یعنی جو تمہارا دوست ہے وہ میرا دوست ہے جس نے تم سے
 جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی۔

فاطمہ زہرا وہ بی بی ہیں جن کے سر پر چادر تطہیر کا سایہ ہے۔ اسی بی بی اور
 اس کے شوہر اور اس کے دو بیٹوں حسن و حسین کو اپنی چادر میں لے کر رسول خدا
 نے فرمایا تھا اللہم ہلوا اہل بیتی انا سلم لمن سالکم وحرب
 لمن حاربکم انہی کی شان میں خدا نے یہ آیت نازل کی۔ انما یرید
 اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا اس
 کے بعد سے مہینوں حضرت کا یہ عمل رہا کہ وقت صبح جب مسجد میں نماز پڑھنے
 کے لیے تشریف لے جاتے تو فاطمہ زہرا کے دروازے پر کڑے ہو کر ارشاد فرماتے
 الصلوۃ الصلوۃ یا اہل البیت انما یرید اللہ لیذهب عنکم
 الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا (ترمذی ص ۵۳) روزانہ
 عمل سے دکھلا رہے ہیں کہ یہی اہل بیت نبوت و رسالت ہیں جو خدا نے
 پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔ اگر کوئی پوچھتا ہے کہ اہل بیت کون ہیں تو فرماتے ہیں
 ہم فاطمہ والیوہا وعلیہا وبتوہا (فاطمہ اور ان کے والدین کا شوہر

اور ان کے بیٹے) میرے استاد معظم جناب سرکار علامہ سید محمد سبطین صاحب
 ادام اللہ برکاتہم نے اپنے رسالہ الحق الجلی فی تحقیق اہل بیتؑ ہی میں نہایت
 محققانہ طور سے بدلائل ساطعہ و براہین لامعہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ آیت
 پانچ ہی بزرگوں سے مخصوص ہے۔ کتب تفسیر مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر حسینی، تفسیر
 بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل و تفسیر نیشاپوری، تفسیر درمنثور، تفسیر جامع البیان
 مدارک، کشف زمخشری، بیضاوی بغوی، جلالین، اکلیل جلال الدین سیوطی
 وغیرہ میں بذیل تفسیر سورۃ احزاب مستند راویوں اور معتبر علماء سے ۱۶ طریق پر
 اور صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۳، صحیح ترمذی ص ۵۳، مدارج ص ۵۴، وسیۃ النجاة ص ۲۰۵
 مطالب السؤل ص ۱۲۵، صواعق محرقة ص ۸۵، فضول المهمہ ص ۹، بیابیع المودۃ و ثنا
 ص ۱۰۸، السمعات الراجحین ص ۱۰۲، ص ۱۰۵، ص ۱۰۶، دراسات اللیب ص ۲۰۶۔
 نور الابصار ص ۱۶۶، انزالۃ الخفاء ہدایۃ السائل ص ۵۴، مسند احمد حنبلی، طبرانی
 مستدرک نسائی ص ۵، شغلات قاضی ص ۲۱۳ وغیرہ کتابوں میں بڑے سے بڑے
 اور چھوٹے سے چھوٹے علمائے فریقین نے تو اتر کے ساتھ درج فرمایا ہے
 کہ یہ آیت نخبین پاک کی شان میں ہے مگر دشمنان اہل بیت اور امیر معاویہ
 کے زلہ خواروں نے اہل بیت کی اس مسلمہ فضیلت کو مٹانے اور نادان مسلمانوں
 کو دھوکا دینے کے لیے یہ لکھ مارا ہے کہ چادرِ تطہیر کا فسانہ علیؑ کے دوستوں کا
 من گھڑت قصہ ہے۔ خاک بد مالش سے

مہ نور سے فشانہ و سگ بانگ سے زند

سگ را پیرس خصم تو با ما ہت تاب چلیست

آدم بر میر مطلب۔ جب حضرت رسول خداؐ کو نصارائے نجران سے مباہلہ
 کا حکم ہوتا ہے تو فاطمہ زہراؑ بھی حکیم خدا باپ کے ساتھ اسلام کی صداقت و حقانیت

کی گواہ سنکر نکلتی ہیں اور یہ مباہلہ میں نساء کم کا مصداق قرار پاتی ہیں۔ یہی رسولؐ کی بیٹی اور ان کے شوہر اور بیٹے رسولؐ کے تمام کنبے میں ایسے تھے جن کی دعا یا رگاہ الہی سے رد نہ ہو سکتی تھی۔ یہی تثلیث کو شکست دینے والے اور توحید کو ثابت کرنے والے تھے۔ انہی سے رسولؐ نے یہ کہا تھا کہ جب میں دعا مانگوں تو تم ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا، دیکھو صحیح مسلم ص ۲۷۸ جامع ترمذی ص ۲۸۸ صواعق محرقہ ص ۸۷ و ص ۹۳ معارج ص ۳ تذکرہ خواص الامہ ص ۹ و ص ۱۱ شفا فی قاضی ص ۱۳ ینابیع المودۃ ص ۵۲ و ص ۲۳۲۔ فصول المہمہ ص ۸ مدارک ص ۵۵ التفسیر حسینی ص ۷۵ تفسیر طابا بسعود ص ۶۹، جذب القلوب ص ۹ وغیرہ۔

دنیا کی عورتوں میں یہی وہ اکیلی عورت ہے جس کے شوہر کا انتخاب دربار الہی سے ہوتا ہے۔ یہی وہ مقدس رسولؐ زادی ہے جس کا نکاح عرشِ علا پر صفت ملائکہ میں لسانِ قدرت سے پڑھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے عالی منزلت صحابہ سیدہ سے شادی کی آرزو رکھتے ہیں۔ دربارِ رسالت میں جو درخواستیں پیش ہوتی ہیں حضرت سب کے جواب میں یہی فرماتے ہیں کہ فاطمہؑ کا اختیار مجھ کو نہیں بلکہ جس کی وہ کنیز ہے وہی مالک و مختار ہے۔ وہ جس کو فاطمہؑ کا کفو خیال فرمائے گا اسی کو شوہر قرار دے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے درخواست کی یہی جواب ملا حضرت عمرؓ نے خواہش کی یہی ارشاد ہوا۔ (سیرۃ النبی، معارج النبوة، سیرۃ محمدی، صواعق محرقہ، روضۃ الاجاب، اسعاف الراغبین، رسالہ بارہ امام۔ خواص الامہ وغیرہ) آخر علیؑ کے مرتبہ شناس اور رسولؐ خدا کے مزاج دال اصحاب مثلاً حضرت ابوبکر و عمر و سعد بن معاذ مسجد رسولؐ سے اٹھتے ہیں۔ علیؑ کی تلاش میں نکلتے ہیں، ان کو انصار کے نخلستان میں مزدوری کرتے اور درختوں کو پانی دیتے ہوئے پاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ طبع کر فرماتے ہیں یا علیؑ فضائل شریفہ اور مناقبِ عالیہ

میں بلا شک آپ کو سب پر سبقت حاصل ہے۔ رسول خدا کے حضور میں جو
 قدر و منزلت آپ کی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں۔ آپ رسول اللہ کی خدمت
 میں جا کر فاطمہ کی خواستگاری کریں۔ اگرچہ تمام قریش کی درخواستیں نامنظور
 ہو چکی ہیں مگر امید ہے کہ آپ کی درخواست ضرور قبول ہو جائے گی۔
 (معارج النبوة ص ۳۳)

ادھر علی بیت الشرف رسالت کو روانہ ہوتے ہیں۔ اس طرف دربار
 احادیث سے جبریل امین سرکار رسالت میں پہنچتے ہیں، خدا کا حکم پہنچاتے ہیں
 کہ ہم نے اپنی کینز خاص فاطمہ کا عقد اپنے خانہ زاد عبد بن حاص علی بن ابی طالب
 سے کر دیا۔ علی فاطمہ کا ہم پتہ ہے۔ اس عقد پر ملائکہ میں تہنیت کا شور ہے اور
 آسمانوں پر مبارکباد کا غل۔ اب آپ دنیا میں بھی علی سے فاطمہ کا نکاح کر
 دیجیے۔ الغرض علی دروازہ رسول پر دستک دیتے ہیں۔ حاضری کی اجازت
 چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ ام سلمہ سے فرماتے ہیں دروازہ کھولو۔ فہذا رجل
 یحب اللہ ورسولہ وحبیبہ۔ یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ اور اس کا
 رسول دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے
 (معارج النبوة ص ۳۲) ام سلمہ دروازہ کھولتی ہیں۔ علی حاضر ہوتے ہیں۔ سلام عرض
 کرتے ہیں۔ شرم سے سر جھکا کر سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے دریافت
 کرنے پر عرض مطلب کرتے ہیں۔ حکیم خدا کے مطابق منظوری کا ثرہ سنایا
 جاتا ہے۔ شادی کی تیاری ہوتی ہے۔ علی کی زہ چار سو استی درہم پر فروخت
 ہوتی ہے اور یہی ہر قرار پاتا ہے۔ جہنیر کا سامان آتا ہے۔ ولیمہ کی تیاری
 ہوتی ہے۔ حضرت رسول خدا خطبہ فرماتے ہیں اور نور کا پیوند نور سے قرار
 دیتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو معارج النبوة ص ۳۲-۳۳۔ معارج النبوة ص ۳۱

تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۰۸ - فصول المهمہ ص ۱۲۶ و ص ۱۲۷، سیرت محمدی -

سیرت النبی ص ۲۶، ینابیع المودۃ ص ۱۴۵، صواعق محرقة ص ۹۷، تاریخ احمدی ص ۱۰۳

ارجح المطالب ص ۲۵، السد الغابی، مناقب احمد حسنیل، حافظ ابو حاتم دہلی

دہلی خوارزمی، روضۃ الاحیاء، الزہرا ص ۳۲ تا ۵۰ - استیعاب جلد ۲ ص ۷۶

نور الابصار ص ۶، تذکرۃ خواص الامہ ص ۱۴۳، ۱۴۴ وغیرہ وغیرہ -

انس ابن مالک سے مروی ہے کہ ایک روز میں خدمت رسول میں حاضر تھا کہ

حضور الزہرہ پر وحی کے آثار نمایاں ہوئے۔ جب اس حالت سے آفاقہ ہوا تو مجھ

سے فرمایا اے انس مجھے خدا کا حکم پہنچا ہے کہ فاطمہ کی تزویج علی سے کر دوں

پس تم جاؤ اور ابو بکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر اور انصار کو بلا لاؤ۔ جب یہ سب

لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ایک خطبہ بکمال فصاحت و بلاغت ارشاد فرمایا۔

اس موقع حقیقی خدا کے محبوب نے اپنے پیارے خدائے وحدہ لا شریک کی حمد و

ثنا میں توحید کے پھول برسائے اور حمد باری کے غنچے کھلائے اور پھر رشتہ و

مراتب صمد رحمہ اللہ تعلق نبی و حبیبی شادی بیاہ ازدواج کے فلسفہ پر روشنی ڈالتے

ہوئے فرمایا۔ خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی تزویج علی سے کر

دوں۔ پس لوگو میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا عقد علی سے چار سو مثقال

چاندی پر کر دیا۔ اگر علی راضی ہوں۔ یہ سنت قائم اور فریضہ واجب ہے

خدا ان دونوں کو برکت کرامت فرمائے اور ان کی نسل کو پاکیزہ و طاہر بنائے

اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت کی کھیاں اور اپنی حکمت کی کاتیں بنائے۔ اور

امت کے لیے وجہ امان قرار دے۔ پھر بحال مسرت علی سے فرمایا، علی! بحکم

خدا میں نے فاطمہ کو تم سے تزویج کیا اور چار سو مثقال چاندی (انگریزی) سکے سے

تقریباً ۱۰۰ روپیہ فاطمہ کا مہر قرار دیا ہے۔ علی نے عرض کی میں راضی، میں خوش۔

یہ کہ کہ سجدہ شکر کو جھک گئے (نور البصار امام شیعہ - الزہراء ص ۳۵ - بیابیع المودۃ ص ۱۷۵)
ارج المطالب وغیرہ)

حضرت عمر بیان فرماتے ہیں۔ قد نزل جبرئیل فقال ان الله يا
مرك ان تزوج فاطمه من علي يعني جبرئیل این نازل ہوئے اور عرض کی
خداوند عالم حکم دیتا ہے کہ فاطمہ کی تزویج علی سے کی جائے (ارج المطالب از
ابن سمان ص ۲۵۳)

حضرت ام سلمہ ناقل ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا
کوئی کفو نہ تھا (ارج المطالب از دہلی ص ۱۲۵) علامہ عبد البر استیعاب جلد ۲
ص ۲۷۱ میں بذیل ذکر علی لکھتے ہیں۔ "رسول اللہ نے اپنی بیٹی فاطمہ کو جو سیدہ نساء
ہیں (ماسوا مریم بنت عمران) علی سے تزویج فرمایا سلمہ میں اور فاطمہ زہرا
سے فرمایا، تمہارا شوہر دنیا و آخرت کا سردار ہے۔ از روئے اسلام لائے کے
سب سے اول ہے۔ اور علم میں بھی سب سے زیادہ ہے اور علم میں بھی سب
سے برتر ہے (معارج النبوة ص ۳۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ دین و دنیا کی صاحبزادی اسلام
کی شاہزادی کے ہمیز کا ذکر بھی کچھ کر دیا جائے۔ بروایت مدارج النبوة علی
کی زندہ چادر سوائی درہم میں فروخت کی گئی تھی۔ اسی رقم میں سے کچھ روپیہ دے
کر ابوبکر، سلمان اور بلال کو ہمیز خریدنے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ بازار سے دو چادریں
دو قمیصیں، ایک مقنعہ دو چاندی کے بازو بند، ایک بان کی چادر پانی، ایک چمڑے
کا گداج میں بجائے روٹی کے کھجور کے پتے بھرے تھے، دو چکیاں، ایک مشک
اور پانی کے لیے چند گھڑے کچھ مٹی کے پیالے اور کچھ خوشبو لے کر آئے۔ جب
آنحضرت نے بیٹی کے اس سامان کو دیکھا چشم مبارک میں آنسو بھر لائے۔ اور ہاتھ

اٹھا کر دعا کی، بارِ الہا تو اس گروہ کو بکثرت دے جس کا زیادہ سامان مٹی کے برتن ہوں
یہ ہے زہرِ آلِ محمد، یہ ہے سیرتِ محمدیہ، بیٹی اور داماد کو نہ کوئی جاگیر بخشی جاتی ہے
نہ زرو جو اہر کے تحفے دیے جاتے ہیں بلکہ چند مٹی کے برتن ہیں، ایک چکی ہے
اور دو جوڑے کپڑے۔ بس یہی شہزادی کوئین کا ہینر ہے (مدارج النبوۃ ص ۹
سیرۃ النبی ص ۲۶۸ الزہراء ص ۹۳) روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی شادی
کا ولیمہ ایسا دیا گیا تھا جو اس زمانہ کے رواج کے موافق اعلیٰ درجہ کا خیال کیا جاتا
تھا۔ رسولِ خداؐ نے سامانِ دعوت منگوایا۔ تمام مہاجر و انصار کو مدعو کیا۔ ایک
ایک کو سیر ہو کر کھلایا۔ رسالہ خاتونِ جنت ص ۱۲، الزہراء ص ۵۳ و ۵۰۸ اسعاف الراغبین
ص ۸۴۔ مدارج النبوۃ ص ۹، روضۃ الاحباب، ذخائر العقبیٰ وغیرہ)

امام احمد بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ ولیمہ کی دعوت
ضروری ہے۔ سعد نے کہا میں اس دعوت کے لیے منیڈھا پیش کرتا ہوں۔ کسی نے
کہا میں فلاں چیز لاتا ہوں، کسی نے کہا میں فلاں چیز لاتا ہوں لیکن حضرت نے
منظور نہ کیا۔ جابر انصاری کا بیان ہے کہ میں علیؑ و فاطمہؑ کی دعوتِ ولیمہ میں
حاضر تھا حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس سے بہتر اور عمدہ دعوتِ ولیمہ کسی کی نہیں
دیکھی۔ رسول اللہؐ نے ہمارے لیے مویہ خرما پھوارے سے کھانا تیار کرایا تھا۔
(صحیح مسلم، اسعاف الراغبین ص ۸۴)

غرض کہ ببلِ سدرہ پہنچایا۔ فرشتوں میں جشن کی دعوم ہوئی۔ مبارکباد کے
غلغلے بلند ہوئے۔ تہنیت کی صدائیں آنے لگیں۔ رضوان نے جنت کو سنوارا
بہشت میں بہاریں آئیں۔ کوثر نے جوشِ مسرت میں لہریں ماریں۔ جنت کی کلیاں
مسکرائیں، غنچے کھلکھلائے۔ نرگس نے آنکھیں ملیں، سنبل نے بال سنوارے
سوسن نے مبارکباد کے لیے زبان کھولی۔ طوبے نے پھوارے کے لیے پھول برسائے۔

نیم نے بھولیاں بھر لیں۔ دورانِ جنت نے لوٹ چائی۔ تہنیت کے نغمے گائے۔
 اصحاب نے مبارکبادیں دیں۔ ربِ جلیل نے انعام و اکرام کے ہدیے دیے اور
 درود و سلام کے تحفے بھیجے۔ فاطمہ نے دو گانے پڑھے اور علیؑ نے شکر کے
 سجدے کیے۔ غرض کہ اس مبارک شادی کی رسمیں تمام ہوئیں۔ علیؑ کا گھر
 آباد ہوا۔ (استیعاب امام ابو نصر سہرانی۔ الزہراء۔ بیابیع المودۃ ص ۱۳۸)

سیر و تاریخ کی کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسولِ عربیؐ کا لاڈلا
 جانِ نثار شاگردِ پیارا بھائی تلواروں کی چھاؤں میں لبستر رسالت پر سولے والا
 علیؑ ابن ابی طالب جن طرح ہجرت سے پہلے مکہ میں ہی کے سایہ کی طرح محبوب
 الہی کے ساتھ ساتھ ہی رہتا تھا۔ اسی طرح اب ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی
 پہنچ کر علیؑ رسولؐ کے ہی ساتھ رہتے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے اصحاب
 کی طرح آپؐ نے علیؑ کو گھر میں سکونت اختیار نہیں کی۔ سیرۃ النبی ص ۲۶۸ اب
 شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ پس خانۂ رسالت کے پہلو میں یعنی
 رسول اللہؐ کے گھروں کے بیچ میں خانۂ امامت آباد کیا گیا اور علیؑ و فاطمہؑ اس
 گھر میں فروکش ہوئے۔ مولانا عبدالحق دہلوی حذب القلوب ص ۱۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں:-
 ”خانۂ فاطمہ زہراؑ میں جا بود کہ آل صورت قبر شریف او

در انجاست و میان خانہ او و در خانہ پیغمبر کہ حق عالیشان بود در یک
 بود کہ آرا خوشہ گویند و اکثر اوقات بر آمدن آل سرور از اینجا
 بود و ہر بار کہ آید از احوال فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ خبر
 میگرفت و احوال سے پرسید۔ نیم شبے عالیشان بایں جانب برآمدہ
 بود و میان دے فاطمہؑ بر سر آل گفتگوئے واقع شد بعد ازاں
 فاطمہؑ بحضرت التماس کرد تا میں در یک را بر سبت۔ طبرانی از روایت

ابن ثعلبہ آرد کہ چون آنحضرت سفرے قدوم سے آورد ابتدا بمسجد سے
 کرد و دو رکعت نماز سے گزارد و بعد ازاں پیش فاطمہ سے آمد
 و پیش احوال خیر مال او منودہ در بویات اہمات المؤمنین سے
 رفت آورد و یکھو خصالن نسائی ص ۵۵ اور الرج المطالب منالہ
 عبد اللہ بن عمر علی کے فضائل و مراتب پوچھنے والے کو علی کے گھر کا
 پتہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہے علی ابن عجم رسول کا گھر جو رسول اللہ کے
 گھروں کے اندر ہے۔ سوائے علی کے اور کسی کا گھر تھے رسول کے گھر کے پاس نظر
 نہ آئے گا۔ پھر اس سے فرماتے ہیں۔ شاید تجھے علی کی یہ فضیلت ناگوار معلوم ہوتی
 ہے۔ خدا تیری ناک زمین میں رگڑے، با اپنے رنج میں مر جا تو علی سے بغض رکھتا
 ہے۔ خدا تجھ سے بغض رکھے (الرج المطالب منالہ)

غرض کہ شادی کے بعد حب فاطمہ اپنے نئے گھر میں آباد ہوئیں تو حضرت ان
 کے یہاں تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔
 ایک برتن پانی متگوا یا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور علی کے سینہ و بازو پر پانی
 چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلا یا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا
 اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان کے سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح
 کیا ہے۔ (سیرۃ النبی ص ۲۶۸) صاحب روضۃ الاحباب نے بھی اس روایت کو نقل
 کیا ہے جو تقریباً انھیں الفاظ میں ہے البتہ چند دعائیہ فقرے جن سے فضائل
 علی کا اظہار ہوتا ہے اور نقل کیے ہیں۔ مولانا شبلی نے ان کو غیر ضروری سمجھ
 کر قلم انداز کر دیا ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے پانی
 چھڑک کر یہ دعا فرمائی۔ اللھم ائھما منی وانا منھما اللھم کما اذھبت
 عنی الرجس و طهرتني فطهرھا (خدا یا یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں

ان دونوں سے ہوں۔ بارِ الہا جس طرح تو نے نہرِ حسیں و عیب اور ہر نجاست
برائی کو مجھ سے دور فرمایا ہے اور مجھے پاک و پاکیزہ بنایا ہے اسی طرح ان
دونوں کو بھی پاک و پاکیزہ بنا دے۔ پھر فرمایا۔ بر خیزید و بجائے خواب
خود پر وید خداوند تعالیٰ میان شما الفت و با و برکت کناد و در نسل شما خود
بر خواست کہ از خانہ بیرون رود فاطمہ در گرہ یہ افتاد پیغمبر فرمود اسے دخترِ من
چہ خیر ترا در گرہ می آرد۔ بہ تحقیق کہ ترا یکسے بذنی دادم کہ اسلام دے از
ہمہ پیش و علم دے از ہمہ پیش و خلق دے از ہمہ بہتر و عرفان دے از ہمہ خداوند
تعالیٰ از ہمہ زیادہ است و چون سید عالم را گماں شد کہ فاطمہ بہ جہت آل
گرہ می کند کہ علی را مالے نیست۔ فرمود اسے جانِ پدر در حق تو تقصیر نکردم
کے را شوہر تو گردانیم کہ بہترین امت من است و ایما الذی نفسی بیدہ
لقد نزل وجک سیدنا فی الدنیا والآخرہ ومن الصالحین
قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ
بے شک میں نے تمہاری شادی اس شخص سے کی ہے جو دین و دنیا کا
سردار ہے اور صالحین میں سے ہے ، روضۃ الاحباب ، الزہراء معارج النبوۃ
ص ۲۸۔ صواعق محرقة ص ۸۷۔ مسند امام احمد حنبل۔

حضرت سیدہ جس طرح شکل و صورت افتاد و گفتار میں اس مقدس باپ
کی تصویر تھیں اسی طرح سیرت و شمائل اور اخلاق و عادات میں بھی سیرتِ محمدی
اور معرفتِ الہی کا آئینہ تھیں۔ ان کے فضائل و مناقب کا بالکلہ احاطہ
تحریر میں لانا ایسا ہی طاقتِ انسانی سے باہر ہے جس طرح سیرتِ محمدیہ کے
اتحاد سمندر کو الفاظ کے کوزہ میں لے آنا۔ بڑے بڑے علمائے جلیل القدر
اور لائق وفائی مورخین سابق و حال نے بیشمار کتابیں اور رسالے سیرتِ

کاظم کے متعلق تصنیف و تالیف فرمائے ہیں اور تاریخ اسلام اور سیرت محمدیہ کے ضمن میں بھی سیرت فاطمیہ پر روشنی ڈالی ہے۔ بے شک ہر ایک بیان اور ہر ایک تقریر اپنے اپنے رنگ میں سیرت فاطمہ کے ایسے اتھل پھیلوں کی لڑی ہے کہ جن کی جوت سیرت محمدیہ کے ہر درختال سے لڑتی ہے اور خلوق محمدی کی جھلک دنیا کو دکھلا رہی ہے۔ یقیناً سیرت فاطمہ کے یہ ایسے سدا بہار گلدستے ہیں جو عالم میں خلوق محمدی کی ہرک پھیلا رہے ہیں اور ہمیشہ پھیلاؤں گے اور دنیا کو اصلی تمدن اسلام اور حقیقی معاشرت محمدی کے سبق پڑھا رہے ہیں اور پڑھائیں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے میری کیا طاقت کہ سیرت فاطمہ کے متعلق کچھ بیان کر سکوں۔ بے شک یہ مقام ہے کہ قلم انجاسید و سر لشکست، مگر تبیناً و تبرکاً کچھ واقعات ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اسلامی تاریخوں کے پڑھنے اور حدیث و سیر کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ام المومنین محسنہ اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ کی آنکھوں کا تارا رسول الہی کے جگر کا ٹکڑا سیدۃ عالم و فاطمہ زہرا وہ کامل ایمان نبی زادی ہے جس نے اسلام کی چھایتوں سے دودھ پیا۔ رسول الہی کے مبارک ہاتھوں نے تھپک تھپک کر سلایا۔ تسبیح و تقدیس الہی کے پٹھے جھلے۔ توحید کی گودیوں میں کھیلی۔ آغوش رسالت میں پی۔ معرفت کے گہواروں میں سوئی۔ نبوت کی زبان سے عرفان الہی کی لوریاں سنیں۔ زبان محمدی نے توحید کے سبق پڑھائے معرفت کے درس دیے۔

زمانہ کی عورتیں، دنیا کی لڑکیاں عموماً اچھے اچھے کپڑوں، عمدہ عمدہ زیورات کی طبعاً شائق اور فطرتاً دلدادہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح لڑکیاں گڑبوں سے کھیلنے اور کھیل تماشے دیکھنے کی طرف بھی فطرتاً و طبعاً مائل و راغب ہوتی ہیں۔

مگر یہ مقدس بھی ان سب کھیل تماشوں اور دنیوی بناؤ سنگار سے فطرتاً متنفذ اور کوسوں دور نظر آتی ہے۔ نہ کبھی گڑیاں کھیلتی دکھائی دیتی ہے نہ کھیل تماشوں کی شائق معلوم ہوتی ہے۔ اس کی بجائے کبھی ماں کی گود میں معرقت الہی کے تذکرے کر رہی ہے کبھی باپ کے سینے سے لپٹی یاد الہی میں مشغول نظر آتی ہے۔

رسالہ خاتونِ جنت کے لائق مولف نے حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد فاطمہ زہراء کے حالات زندگی کو اپنے خیال کے مطابق یوں بیان فرمایا ہے ”رسول کریم کو تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی جناب رسول کو ایک چیز کا عشق تھا اور وہ محبوب چیز اسلام تھا۔ اسلام کے عشق میں آپ نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ آپ کی حیات کا مقصد اذ بین صرف اسلام تھا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اسلام ہی کا درد تھا مخالفین کی ستم آفرینیوں نے جناب کو اور بھی مشوش بنا رکھا تھا ایسی حالت میں معصوم بچی کی کیسے دلزاری کر سکتے تھے۔ تاہم فاطمہ جناب کے جگر کا ٹکڑا تھیں، دل کا سرور تھیں، آنکھوں کا نور تھیں۔ رسالت مآب کو زہرے بعد محبت تھی۔ جب فرصت ہوتی، فاطمہ کے حال پر لطف فرماتے، دلاسا دیتے۔ جناب اگر تبلیغ کے لیے باہر جاتے تو فاطمہ اصرار فرماتیں کہ آج مجھے بھی ہمراہ لے چلو۔ آہ کیسی رقت انگیز حالت تھی۔ رسول کا جگر پارہ خدیجہ مغفور کا دلارا اور یہ عزت دینی، گھر میں نہ کسی کا مہارا نہ باہر جانے کا یارا بایں ہمہ ضبط و تحمل کے مالک تھے۔ باپ تھا تو صابر، بیٹی تھی تو راضی برضا۔ مال و زر سے تعالیٰ تھے پر صبر و توکل کے خزانے سے معمور تھے۔ استقلال ان کے وجود پر ناز کرتا تھا۔ یاس و حسرت بھی اس گھر میں نہ

آتی تھی۔ نامرادی و ناشادی ہمیشہ ان کی زیارت سے محروم رہی، سیدہ
گو معصوم محبتیں لیکن نہایت پاکدامن اور نیک نفس بی بی تھیں۔ رسول اکرم
کے ارشادات پر صدق دل سے عمل فرمایا کرتی تھیں اور کبھی ضد یا ہٹ
نہ کرتی تھیں۔ (منقول از رسالہ زہرا ص ۲۳)

نیز رسالہ خاتونِ جنت کے قابلِ مؤلف اس مقدس بچی کے حالاتِ زندگی میں
جنابِ خدیجہ کے زمانہٴ حیات کے ایک واقعہ کو بیان فرماتے ہیں جس سے جناب
سیدہ کے دنیوی بناؤ سنگار اچھے اچھے زیور اور نئے نئے رنگین کپڑوں سے فطرتاً
متنفر ہونے پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ص ۵۵ پر لکھتے ہیں:-

”حضرت خدیجہ الکبریٰ کے عین حیات میں ایک بار ان کے کسی عزیز
کی شادی تھی۔ اس تقریب پر انھوں نے اپنے بچوں کو نئے کپڑے اور زیور
پہنا کر شادی میں بھیجا۔ چونکہ بی بی خدیجہ دولت مند اور متمول خاتون
تھیں۔ انھوں نے کٹادہ دلی سے بچوں کے لیے عمدہ عمدہ کپڑے اور
نفس اور خوبصورت زیورات بنائے تھے۔ بی بی فاطمہ کی عمر اس وقت
پانچ سال کے قریب تھی۔ ہوتا ہوا کے چکنے چکنے پات۔ کیا تو یہ
نہی سی عمر اور کیا یہ سادگی یا دنیائے دون کی طرف سے سیر چشمی کہ آپ
نے زیور پہن کر شادی میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔“ (الزہرا ص ۱۶)

فی الحقیقت یہ پیاری بیٹی جس طرح شکل و صورت میں اپنے مقدس باپ
کا نمونہ نظر آتی ہے اسی طرح سیرت و شمائل میں بھی باپ کے جمال و کمال کا آئینہ
دکھلاتی دیتی ہے۔ ازل سے ہی توحید الہی اور عشق الہی کی نورانی شعاعیں اس
کی طینت میں جھلکتی ہیں اور انبیاء محمدی، سیر چشمی اور مد فی الدنیا کے جلوے اس
کی مبارک قسرت میں چمکتے ہیں۔ نہ ہتہ النبی میں علامہ سبط ابن جوزی سے فاطمہ زہرا

کے بے مثال ایثار و خدا پرستی اور سخاوت کا ایک بے نظیر واقعہ مرقوم ہے جس کی مثال دنیا میں بہت کم نظر آئے گی۔ ذکر ابن جوزی ان البقی حسنہ الفاطمہ قمیصاً جدیداً لیلۃ عرسہا و رخا فہا و کان لہا قمیص مرفوع اذا سائل علی الباب یقول اطلب من بیت النبوت قمیصاً خلقا فامرادت ان یدفع الیہ قمیص المرفوع فتذکرت قولہا تعالیٰ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون فدفعت الیہ الحدید فلما قرب الزفاف نزل جبرئیل و قال یا محمد ان اللہ تعالیٰ یقرک السلام و امر لی ان اسلم علی الفاطمہ قد ارسل لہا ہدیۃً من ثیاب الجنت من السندس الی الخضر فبلغھا السلام والبسھا (یعنی علامہ سبط ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فاطمہ زہراؑ کے لیے شبِ عروسی میں پہننے کو ایک کرتا تیار کرایا تھا اور ایک پرانا پہنا ہوا قمیص بھی فاطمہؑ کے پاس تھا کہ ناگاہ عقد کے بعد ایک سائل نے دروازہ پر آکر پکارا کہ میں خانہ نبوت و رسالت سے طالب ہوں کہ کوئی پرانا کرتا مجھے بخش فرمایا جائے۔ پس سائل کی آواز سن کر سیدہ نے ارادہ کیا کہ اپنا پرانا پیرا من اس سائل کو دے دیں مگر فوراً خدائے جلیل کا کلام پاک یاد آگیا لن تنالوا البر انم (تم نیکی کو نہیں حاصل کر سکتے جب تک خدا کی راہ میں ان چیزوں کو نہ دو جو تمہیں زیادہ محبوب ہیں) پس فوراً نیا کرتا اتار کر سائل کو بخش دیا اور پرانا خود پہن لیا۔ پس جب مقدس باپ کے گھر سے رخصت کا وقت آیا تو جبرئیل امینؑ رسول کریمؐ کی خدمت میں نازل ہوئے اور عرض کی، اے محمدؐ خدائے تبارک و تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہؑ کو اس کا سلام پہنچاؤں اور جو تحفہ خدا نے فاطمہؑ کے لیے بھیجا ہے اسے پیش کر دوں۔ یہ بہشت بریں کے

جنتوں میں سے سندس بہن کا محلہ ہے۔ پس آپ فاطمہ زہرا کو خدا کا سلام فرمائیے اور یہ
 محلہ ہدیہ الہی فاطمہ کو پہنچا دیجیے۔ دیکھو فاطمہ کی قدر و منزلت (رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)
 مولف رسالہ سیرۃ الزہرا نے ایک اور واقعہ اسی قسم کا اپنی کتاب سیرۃ الزہرا کے
 ص ۱۲۷ و ۱۲۸ پر درج فرمایا ہے جو درحقیقت فاطمہ زہرا کے جو دو سخا اور بے نظیر
 ایثار پر روشنی ڈال رہا ہے۔ لکھتے ہیں :-

”ایثار کا مادہ خلاق عالم نے بچپن ہی سے آپ میں بھر دیا تھا۔ دس
 سال کی عمر تھی کہ فاطمہ شامیہ آپ کی ذکاوت و فراست کا شہرہ سن
 کہ آپ سے ملنے آئیں۔ یہ فاطمہ شامیہ زبور و تورات و انجیل کی عالمہ
 تھیں۔ اپنے ساتھ شام سے بہت سے تحفے اور ہدیے، زیورات،
 جواہرات، کپڑے، میوے اور کھانے پینے کی چیزیں فاطمہ بنت
 رسول اللہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لائیں۔ بنت رسول اللہ
 نے بڑی گرمجوشی اور تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور جب یہ تحفے
 آپ کی نذر کیے گئے تو حضرت زہرا نے فاطمہ شامیہ سے اجازت
 لے کر وہ سب زہرا کو جواہر اسلام کی خدمت کے لیے دے دیا اور سب
 کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ان مسلمانوں کی نذر کر دیے جو اسلام
 کی خدمت میں اس وقت سرکف رہتے تھے۔ فاطمہ شامیہ پیغمبر زادی
 کے اس ایثار اور سیرجشی پر عیش و عشر کرنے لگیں۔ آپ کو اپنے سینے سے
 لگا لیا۔ پھر جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جناب زہرا کی تعریف میں
 رطب اللسان رہیں۔“

اس مقدس بی بی کے ایثار و سخاوت و عطا کے واقعات محتاج و مساکین کی
 پرورش کی حکایات اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو بلا شک ایک

مستقل رسالہ مرتب ہو سکتا ہے یہ خود فاقہ پر فاقہ فرماتی ہیں مگر کسی محتاج اور بھوکے کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتیں۔ امام حسن مجتبیٰؑ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز حسب اتفاق ہم سب کو دن میں کھانا میسر نہ آیا۔ شب کو کھانے کا انتظام ہو گیا تو ہماری والدہ گرامی بنت رسول اللہؐ جناب فاطمہ زہراؑ نے پہلے حسب معمول ہم سب کو کھانا کھلایا۔ پھر سب کے بعد اپنے حصّے کی روٹی خود کھانے کے لیے بیٹھیں۔ ابھی لقمہ ہی توڑا تھا کہ یکایک دروازے سے ایک سائل نے صدا دی کہ اے بنت رسولؐ میں ایک ستمی محتاج دو وقت کا بھوکا سائل آپ کے دروازے پر آیا ہوں۔ یہ باب کرم ہے۔ خدا کے نام پر مجھ کو سیر فرمائیے۔ بس اس آواز کے سنتے ہی معصومہ بے چین ہو گئیں۔ خود روٹی کا ٹکڑا ہاتھ سے رکھ دیا اور مجھ سے فرمایا بیٹیا یہ سب روٹی اس سائل کو دے دو۔ یہ مجھ سے زیادہ اس کھانے کا ستمی ہے۔ میں نے عرض کی۔ اماں جان اس کی ترجیح اور زیادہ مستحق ہونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا جان مادر تمہاری ماں کو تو صرف ایک وقت کا فاقہ ہے مگر بیٹا دیکھو یہ غریب بے چارہ تو دو وقت سے بھوکا ہے۔ یہ سن کر حسنؑ فرماتے ہیں میں خاموش ہو گیا اور روٹی لے کر اس سائل کو دے آیا (الزہراء ص ۶۷)

بلا شک آسمان تبلیغ و ہدایت کے روشن ستارے اور برج نبوت و رسالت کے یہ ماہ تاباں زریں رسولؐ علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دونوں معصوم فرزند جان و جگر رسولؐ حسینؑ علیہم السلام بلکہ ان کی خادمہ خاصہ بتاب فتنہ اپنے بے مثال عمل سے نجات الٰہی اور اشار اسلامی کے جلوے دکھانے والے ہیں۔ روزے پر روزہ اور فاقے پر فاقہ کرتے ہیں۔ بھوکے محتاج مسکین و یتیم و امیر کو خدا کی خوشی اور رضا کے لیے میر کر کے دنیا کو دین محمدیؐ اور اسلام الٰہی کی اعلیٰ تعلیمات کا مکمل نمونہ پیش کر کے اسوۂ حسنہ رسولؐ کا سبق پڑھاتے ہیں۔

خود خدائے جلیل اپنے ان برگزیدہ بندوں اور پیاری بہتیوں کی بخشش و عطا اور محبت و وفا کا ذکر فرماتا ہے اور ان کے ایشارہ کامل اور ایمان صادق کی گواہی دیتا ہے۔ سورہ دہر کی آیات کو پڑھو ر یوفنون بالندرسے یوماعبوساً قنطریرا تک (یعنی خدا فرماتا ہے کہ یہ لوگ منت کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے خوف کرتے ہیں جس کی مصیبت و تکلیف طولانی ہے اور محبت خدا میں مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تم کو محض رضامندی الہی کے لیے کھانا دیتے ہیں۔ نہ تم سے عوض کے طالب ہیں نہ شکر یہ کے خواہشمند ہیں۔ ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو اداس اور نہایت سخت ہے) ان آیات مقدسہ کی شان نزول کو ملاحظہ کرو اور اس واقعہ کو پڑھو کہ یہ بزرگوار علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا مع اپنے معصوم فرزندوں حسن و حسین اور فتنہ خادمہ کے اپنی منت اور عہد کو پورا کرتے ہیں تین روز تک روزہ پر روزہ رکھتے ہیں مسکین و یتیم و اسیر کو اپنے اپنے حصہ کا کھانا دے دیتے ہیں اور شکر الہی بجالاتے ہیں۔ رات کی غذا کے لیے علی باغوں میں پانی دینے کی مزدوری کرتے ہیں اور بھولتے ہیں سیدہ خود پیتی ہیں اور روٹیاں پکاتی ہیں اور جب کھانا تیار ہو کر اقطار کے لیے سامنے آتا ہے تو کبھی مسکین دروازہ پر آ پکارتا ہے کبھی یتیم اور کبھی کوئی قیدی۔ یہ بزرگوار اپنی اپنی روٹیاں اٹھا کر ان کو دے دیتے تھے اور خود پانی پی کر پھر روزہ رکھ لیتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر کشف زمخشری جلد ۳ ص ۲۳۹۔ تفسیر ذکر منثور سیوطی ص ۱۵۰ سورہ دہر ص ۲۹۹۔ تفسیر معالم التنزیل جلد ۲ ص ۹۲۹۔ تفسیر نیشاپوری جلد ۳۔ تفسیر کبیر اور بیضاوی وغیرہ اور تذکرہ خواص الامہ ص ۱۷۷ پر ثعلبی، فرنی، خوارزمی وغیرہ کے اسناد سے اس واقعہ کو مفصل نقل کیا گیا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے اس رجحانہ برتاؤ سے چند ایسی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کو ثابت کرنے کے لیے ہر ایک بجائے خود ایک واضح دلیل ہے۔

۱۔ اپنے اس عمل سے بتاتے ہیں کہ ہر ایک مصیبت و تکلیف میں صرف خدا ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا اور مصیبت کے دفعیہ کی صورت اسی سے التجا کرنی چاہیے۔

۲۔ رزقِ حلال اور معیشت جائزہ حاصل کرنے کے لیے کسی محنت و مزدوری کرنے کو معیوب نہ سمجھنا اور اپنی مدد آپ کرنے کے اصول پر عمل کرنا جو تمام برکتوں کی اصل اور تہذیب و ترقی کی بنیاد ہے۔

۳۔ غیر کی حاجت کو خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اور کچھ بھی ملت و مذہب رکھتا ہو اپنی ضرورت و حاجت پر مقدم رکھنا اور سب مخلوق خدا کو خیالِ الہی اور مخلوق خداوندی سمجھنا۔

۴۔ غایت درجہ تکلیف پر بھی صبر کرنا اور اپنے فرض اور عہد کو نہایت استقلال اور رضائے خاطر سے بجالانا۔

۵۔ کسی پر احسان کر کے اس کے عوض اور بدلہ کا طالب نہ ہونا اور احسان نہ جتانا۔ احسان کی نیت سے احسان نہ کرنا بلکہ جو کچھ کرنا لوجہ اللہ کرنا۔
(از احجاز التنزیل)

الغرض فاطمہؑ وہ بیٹی ہیں جنہوں نے اپنے مقدس باپ کی جو دوستیا اور ایثار و عطا کے بے شمار نمونے دنیا کو دکھائے ہیں۔ اس طرح اپنے عمل سے آنحضرتؐ کے خلقِ عظیم، مروت و احسان، صبر و قناعت و عبادت و طاعت و خوفِ الہی و صدق و صفا و شکر و رضا کے بے مثل جو ہر دکھلا کر اسوۂ محمدی

کے عملی سبق دنیا کو پڑھا دیے ہیں۔ پھر تربیتِ اطفال، امور خانہ داری، افرالض نسوانی کے بے بہا اصول اور بہترین نمونے بھی دنیا کی عورتوں کی ہدایت کے لیے چھوڑے ہیں انھوں نے محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیے اس طرح فقر و فاقہ اور عسرت و تنگدستی میں بسر کی کہ ان کے اوڑھنے کی چادر میں کھجور کی چھال کے پیوند لگے تھے۔ ایک بار زنانِ قریش نے بنتِ رسولؐ کو ان کے افلاس اور کمزور لباس پر طعنہ زنی کرتے کے لیے اپنے یہاں ایک شادی میں بلایا۔ آنحضرتؐ نے حکمِ خدا فاطمہؑ کو وہاں جانے کی اجازت دے دی۔ سیدہ خوشی خوشی وہی لیفِ خرماء کی پیوند دار رہا اور اڑھ کر آیتِ تطہیر کا برقع ڈال کر منائے الہی کے نورانی جلوں سے آراستہ ہو کر محبتِ خدا کے زیور سے سج کر توکل کے ہار پہن کر وہاں تشریف لے جاتی ہیں۔ توحیدِ الہی کے چمن کھلتے ہیں۔ تبلیغِ اسلام کے پھول مہکتے ہیں۔ زنانِ قریش فاطمی جلوے دیکھ کر مبہوت رہ جاتی ہیں اور بہت سی عورتیں آپؐ کا وعظ و پند سن کر مسلمان ہو جاتی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو شواہد النبوة ملا جانی، روضۃ الشہداء و عمدۃ المطالب ص ۱۹، الزہراء ص ۱۸۵

یہی وہ نورانی پیوند لگی چادر ہے جو ایک بار نہیں بارہا اپنی اور بچوں کی فاقہ شکنی کی غرض سے بلکہ سائلوں اور محتاجوں کی حاجت براری کی غرض سے سیر بھر جو کے بدلے میں گرد ہونے کے لیے جاتی ہے۔ قبیلہ بنی سلیم کا ایک بھوکا تنگا جنگلی غریب جو کافر تھا مسجدِ رسولؐ میں پہنچتا ہے گستاخانہ کلام اور دریدہ دہستی سے آنحضرتؐ کے ساتھ پیش آتا ہے۔ حضرت عمرؓ خفا ہو کر اٹھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی گستاخی کی ہزا دیں۔ آنحضرتؐ ان کو روکتے ہیں اور فرماتے ہیں یا ابا جعفر کا۔ الحلیم ان دیکون نبیاً (اے عمر مٹھو، حلیم سے کام کرو۔ حلیم قریب ہے کہ نبی ہو جائے) یعنی حلیم درجہ نبوت کے قریب ہے

پھر خود اس بدوی عرب سے کلام فرماتے ہیں۔ حضرت کی نرم گفتار اور ہدایت و تبلیغ کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس کو مسائل اسلام تعلیم فرمانے کے بعد اصحاب سے فرمایا، تم میں کون ایسا ہے جو اس غریب تنگے بھوکے عرب کو رمضان کے لیے سواری عطا کرے۔ اور خوشنودی خدا کے لیے کپڑا پہنا دے اور کھانا کھلا دے۔ سعد بن عبادہ اپنا اونٹ سواری کے واسطے دے دیتے ہیں اور حضرت علیؑ اپنے سر کا عمامہ اتار کر اس اعرابی کو پہنا دیتے ہیں۔ سلمان فارسی کھانا کھلانے کی فکر میں مسجد سے نکلتے ہیں۔ جب کہیں سے کچھ میسر نہیں آتا تو فاطمہ زہراؑ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور تمام حال بیان کر کے عرض کرتے ہیں کہ اس غریب بھوکے سائل کو کچھ کھانے کے لیے عطا فرمائے۔ سیدہ فرماتی ہیں۔ سلمان! قسم ہے اس خدا کی جس نے میرے باپ محمدؐ کو رسالت کا شرف بخشا ہے، میں روز سے ہم لوگ فاقے سے ہیں۔ ایک دانہ بھی میسر نہیں آیا۔ میرے بچے حسن و حسینؑ بھی بھوک کی شدت سے روتے روتے سو گئے ہیں۔ مگر کھڑو، اس خیر کار ذکر نا ہمارا شیوہ نہیں۔ تو یہ میری چادر تمہوں یہودی کے پاس لے جاؤ۔ اور کہو کہ دختر رسولؐ کی یہ چادر بطور رہن رکھ لے اور اس کے بدلے میں کچھ جو، کچھ کھجوریں ہم کو قرض دے دے۔ سلمان چادر لے کر تمہوں کے پاس پہنچتے ہیں اور دختر رسولؐ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ یہودی باہر آتا ہے۔ چادر کو دیکھتا ہے۔ ہدایت کی شعاعیں اور تبلیغ اسلام کی نورانی کرنیں یہودی کا دل روشن کر دیتی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ سلمان سے کہتا ہے۔ اللہ اللہ! یہ لوگ بھی دنیا میں ہیں۔ یہ سہے اصلی زہد۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی خبر موسیٰؑ نے ہم کو اور بیت میں سنائی ہے۔ گواہ رہتا کہ میں فاطمہؑ کے باپ پر ایمان لایا۔ یہ جو اور کھجوریں حاضر ہیں۔ لے جاؤ۔ سلمان لے کر واپس آتے ہیں۔

فاطمہ زہرا خود جو بیستی ہیں، آٹا خمیر کرتی ہیں اور دستِ حق پرست سے روٹیاں پکا کر کھجوریں ان پر رکھ کر سلمان کو دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میرے باپ رسول اللہ کی خدمت میں لے جاؤ اور اس غریب سائل کو کھلا دو۔ سلمان عرض کرتے ہیں۔ اے بنتِ رسول اللہ! حنین کے لیے تو ایک روٹی اس میں سے رکھ لیجیے۔ فرماتی ہیں۔ تمہیں نہیں۔ اے سلمان جو چیز راہِ خدا میں دی جاتی ہے ہم اس کو واپس نہیں لیتے۔ بس یہ سب لے جاؤ۔ سلمان خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہو کر تمام ماہِ جو عرض کرتے ہیں اور وہ روٹیاں اور کھجوریں پیش کرتے ہیں۔ حسبِ الحکم رسولؐ وہ سب اس سائل کو دے دی جاتی ہیں۔ آنحضرتؐ فاطمہ کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ بیٹی کے لیے درگاہِ رب العزت میں دعا فرماتے ہیں۔ بروایت احمد حنبل اور بیہقی فرماتے ہیں :- بَارَكَ اللَّهُ فَبِكَ ابْنَتِي حَيْثُ شَتَّتْ (میری پیاری بیٹی خدا تجھے برکت دے جہاں تو رہے) سیرۃ فاطمہ ص ۱۲، ناسخ التواریخ جلد ۴ ص ۲۶ - الزہرا ص ۱۵۔

کتبِ سیر و تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدۂ عالم کی عمر اس طرح گزری کہ یا تو گھر کے کام کاج اور امورِ خانہ داری میں مصروف رہیں یا عبادتِ اطاعتِ الہی میں مشغول رہیں یا خدا کے پیارے رسولؐ کی خدمت کی کبھی گھر میں چکی پیستی نظر آتی ہیں کبھی چوکھا روشن کرتی۔ کبھی گھر میں جھاڑو دے رہی ہیں تو کبھی پانی بھر رہی ہیں۔ کبھی بچوں کو نہلاتی دھلاتی ہیں کبھی تنور پر روٹیاں پکاتی ہیں لیکن ہر حالت میں تسبیح الہی زبان پر جاری ہے۔ قرآن کی سورتیں تلاوت فرما رہی ہیں۔ چکی چلا رہی ہیں اور زبانِ حمدِ الہی میں مصروف ہے۔

صاحبِ علی الشرائع ناقل ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؑ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ گھر میں گئے تو دیکھا فاطمہ زہراؑ روٹی پکا رہی ہیں اور نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف کی سورتیں تلاوت فرماتی جاتی ہیں۔ حسن بصریؒ حضرت علی علیہ السلام سے

روایت کرتے ہیں کہ اگرچہ فاطمہ عبادت الہی میں بہت مصروف رہتی تھیں مگر باوجود اس کے گھر کا کوئی کام آج کا کل پر اور کل کا پرسوں پر باقی نہ رہنے پاتا تھا اور خانہ داری میں کوئی دقت نہ پڑتی تھی (الزہراء ص ۱۴۲)

لکھا ہے کہ شہنشاہ کونین کی اس پیاری بیٹی نے اتنی چمکی پیسی کہ ہاتھوں میں پھالے پڑ گئے۔ دست مبارک زخمی ہو گئے۔ امام احمد حسنہ بل اپنی مسند جلد ۱۸ پر حضرت امیر المؤمنین کی زبانی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ابن عبد سے فرمایا، تو جانتا ہے کھانے کا کیا حق ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا، جب کھانے کے لیے بیٹھو تو بسم اللہ اللہم بارک لنا فیما رزقنا (خدا یا جو رزق تو نے ہم کو کرامت فرمایا ہے اس میں ہم کو برکت دے) پھر فرمایا، کیا تو جانتا ہے کہ کھانے کے بعد شکر الہی کیونکر کیا جاتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا یوں کہو۔ الحمد للہ الذی اطعمنا و مستقانا (شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو سیر و سیراب فرمایا) پھر فرمایا کیا میں تجھے اپنی زوجہ فاطمہ بنت رسول اللہ کے حالات سناؤں جو رسول اللہ کے نزدیک ان کے اہل اور کنبہ میں سب سے زیادہ باکرم اور پیاری تھیں۔ سن فاطمہ بنت رسول اللہ کی یہ حالت تھی کہ چمکی پیسنے پیتے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔ پانی بھرتے بھرتے سینہ الودج مروج ہو گیا تھا۔ اتنی جھاڑو دی تھی کہ کپڑے گرد آلود رہتے تھے۔ اتنا چولہا سلگایا کہ لباس دھواں دھار ہو گیا تھا۔ پس اس مشقت اور تکلیف سے فاطمہ کمزور اور علیل ہو گئیں۔ میں نے ایک روز کہا کہ رسول اللہ کی خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے ہیں۔ آپ بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر کام کاج کے لیے کوئی لونڈی مانگ لو۔ پس فاطمہ اس درخواست کے لیے خدمت رسول میں حاضر ہوئیں۔ وہاں کچھ خادم لوگ موجود تھے۔ عرض کرنے کا موقع نہ سمجھا۔ واپس آ گئیں۔ جب آنحضرت کو اس کا حال معلوم ہوا تو فاطمہ سے فرمایا کہ اے بیٹی میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو خادم اور نوکر

سے بدرجہا زیادہ بہتر ہے۔ جب رات کو سونے کے لیے لیٹو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ سنکر فاطمہؑ نے سرائی یا اور دو مرتبہ عرض کی۔ بابا میں خدا اور اس کے رسولؐ سے بدل راضی اور خوش ہوں یہی تسبیح، تسبیح فاطمہؑ کے نام سے مشہور ہے جس کا ذکر ہر نماز کے بعد سنت قرار پایا اور جس کو مسلمان ہر نماز کے بعد روزانہ پڑھتے ہیں (اسعاف الراغبین ص ۱۸) مسند احمد حنبلی ص ۱۹۲ میں بھی اس تسبیح کا ذکر بالاختصار مندرج ہے۔

رسول الہیؐ اپنی پیاری بیٹی فاطمہؑ کو چمکی پیسنے کی مشقت اٹھاتے دیکھ کر تسلی و تسفی فرماتے ہیں۔ دربار الہی سے ولسوت یعطیک ربک فترضی کا خلعتِ فاخرہ سیدہ کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر در المنثور جلد ۲ ص ۲۹۱ جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ فاطمہؑ کے گھر میں آئے دیکھا کہ فاطمہؑ چمکی پیس رہی ہیں اور اونٹ کی جھول کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ فرمایا، بیٹی آخرت کی نعمتوں کے لیے دنیا کی تلخی گوارا کرو۔ پس اسی وقت جبریلؑ اس میں یہ پیغام لے کر نازل ہوئے۔ ولسوت یعطیک ربک فترضی۔

عبادت اور خوفِ الہی کا یہ عالم ہے کہ جب محرابِ عبادت میں اپنے خالق کے حضور نماز کے لیے کھڑی ہوتی ہیں تو عظمت و جلالتِ ربانی کے جلوے چمکتے ہیں۔ خضوع و خشوع حقیقی کے اصلی نظارے دکھائی دیتے ہیں۔ حضورِ قلب کا نمونہ نظر آتا ہے۔ محویت کا عالم طاری ہوتا ہے۔ بھرۃ النور زرد پڑ جاتا ہے۔ بند بند خوفِ خدا سے کانپنے لگتا ہے۔ چشمِ مبارک سے آنسوؤں کی جھری لگ جاتی ہے۔ کبھی قیام ہے تو کبھی قعود۔ کبھی سجدہ ہے تو کبھی رکوع۔ سجدہ میں معبودِ حقیقی سے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ شکر و رضا کا اظہار ہے۔ کبھی دعا و استغفار ہے۔ مخلوق الہی کی خیر مانگتی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے فلاح دارین کی دعائیں کرتی ہیں۔ امام حسن

علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی مادرِ گرامی کو خدا کے آگے خضوع و خشوع کامل کے ساتھ حمدِ الہی کرتے، عجز و نیاز کے ساتھ دعائیں مانگتے، التجائیں کرتے اکثر دیکھا ہے مگر ان دعاؤں میں کبھی اپنی ذات کے لیے دعا نہیں فرمائی۔ تمام مسلمانوں اور مجاہد مخلوقِ الہی کے لیے خیر و برکت کی دعائیں طلب فرمایا کرتی تھیں (الزہراء ص ۱۶۲) بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی تہ عبادتِ الہی میں کبھی فرق پڑتا تھا نہ گھر کے کام کا ج میں۔ پھر حرفِ شکایت سے کبھی زبانِ آشتیانہ ہوتی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک بار سیدہ بیمار ہو گئیں۔ بخار کی شکایت تھی۔ تمام رات بے چین و بے قرار رہیں۔ نہ فاطمہ کی آنکھ جھپکی نہ میں سویا۔ صبح کے قریب درد کو کچھ سکون ہوا تو میری آنکھ لگ گئی۔ اذان کی آواز سے بواٹھا تو میں نے دیکھا کہ سیدہ منجھ سے پہلے اٹھی ہوئی ہیں۔ وضو کر رہی ہیں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس وقت اگر فاطمہ سجا وضو تمیم کر لیتیں تو بہتر تھا مگر میں نے کچھ نہ کہا اور مسجور کو نماز کے لیے چلا گیا۔ جب مسجد سے واپس ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ فاطمہ حسبِ معمول اپنی نماز سے فارغ ہو کر چکی پس رہی ہیں مگر چہرہ پر بیماری اور اضمحلال کا اثر نمایاں ہے۔ میں بتیاب ہو گیا اور محبت و نرمی سے کہا کہ سیدہ کیا تم کو اپنی جان پر رحم نہیں آتا ستام رات بخار رہا۔ بے چین رہیں۔ صبح اٹھتے ہی ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیا۔ اب پھر چکی کی مصیبت و تکلیف اٹھا رہی ہو۔ مناسب ہے کہ کچھ آرام کرو۔ سیدہ نے سر جھکا کر کہا۔ اگر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں میں مرتبھی جاؤں تو یقین فرمائیے کہ اس سے بڑھ کر مجھے کوئی خوشی نہ ہوگی۔ میں نے وضو کیا، خدا کی عبادت کے لیے اب چکی پیسی، آپ کی اطاعت کے لیے۔ فرمائیے کہ فاطمہ کے لیے ان دونوں فریضوں سے بڑھ کر کونسا فریضہ بہتر اور خوش کرنے والا ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ ہے تعلیمِ محمدی۔ یہ ہے تربیتِ نبوی اور اسلام کی کامل اور افضل تعلیم کا نمونہ (الزہراء ص ۱۶۶)

فاطمہؑ کا ہمیشہ یہ عمل رہا کہ ہر روز صبح کو تمام ہمسایوں کے گھر جا کر یا اگر مصروفیت سے نہ جاسکیں تو گھر کے صحن سے آواز دے کر ان کی حالت دریافت فرماتی تھیں۔ اگر معلوم ہوتا تھا کہ کسی کے یہاں کھانے کا انتظام نہیں ہے تو خود اپنے گھر میں جو کچھ پکاتی تھیں پہلے اس گھر میں پہنچا دیتی تھیں بعد میں اپنے بچوں کو کھلاتی اور خود کھاتی تھیں۔ دو دو دن کے فاقے کے بعد بھی جب کھانے کا انتظام ہوتا تھا تو پہلے ہمسایوں کی خبر گیری فرمالیتی تھیں۔ ان کے بعد خود کھاتی تھیں۔ شمعون یہودی جو اپنی بیوی سمیت سیدہ کی پیوند لگی چادر کی برکت سے مسلمان ہوا تھا بقضائے الہی کچھ عرصہ کے بعد اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے انتظام کے لیے گھر میں کوئی نہ تھا۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ کڑا کڑاٹی سردی پڑ رہی تھی۔ سرد اور تیز کپکپانے والی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ شمعون بیچارہ تجہیز و تکفین کی فکر میں گھر گھر پھیر رہا ہے مگر کوئی اس کی امداد کے لیے گھر سے باہر نہ نکلا۔ سیدہ بنت رسولؐ کو خبر ہوئی۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسی اندھیری رات میں شمعون کے گھر پہنچیں۔ میت کو خود غسل دیا کفن پہنایا اور جنازہ تیار کر کے گھر واپس تشریف لے آئیں۔ (الزہراء ص ۱۹)

شرم و حیاء، عفت و عصمت بے شک عورت کے لیے بہترین زیور اور انتہائی زینت ہے۔ یہی صفت ہے جو عورت کے حسن و خوبی کو دو بالا کرتی ہے اور ہر مذہب و ملت میں پسندیدہ نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ بس اس کے متعلق بھی بنت رسولؐ نے اپنے افعال سے اپنے اقوال سے دنیا کی عورتوں کو تاسی اور پیروی کے لیے بہترین سبق اور کامل درس سکھا دیے ہیں۔ مسجد رسولؐ میں دربار نبوی جہاں ہوا ہے اصحاب کا مجمع ہے۔ شہنشاہ رسالت دریافت فرماتے ہیں، عورت کی بہترین صفت کیا ہے؟ کوئی جواب نہیں دیتا۔ علیؑ جب گھر جاتے ہیں تو فاطمہؑ زہراؑ سے ذکر فرماتے

ہیں۔ آپ فرماتی ہیں۔ عورت کے لیے اس سے بہتر صفت کوئی نہیں کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ غیر مرد اس کو دیکھے۔ حضرت علیؑ نے یہی جواب خدمت رسولؐ میں عرض کیا۔ فرمایا بیشک یہی اس کا صحیح جواب ہے۔ کیوں نہ ہو، فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے (امعاء الراغبین ص ۱۶، الزہرا ص ۱۹)

آنحضرتؐ ایک روز بیٹی کے گھر میں تشریف فرما ہیں۔ عبداللہ بن مکتوم صحابی رسولؐ جو آنکھوں سے نابینا ہیں کچھ عرض کرنے کے لیے خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ فاطمہؑ اٹھ کر دوسری طرف کو کھڑی میں چلی جاتی ہیں۔ عبداللہ کے جانے کے بعد جب فاطمہؑ باہر آتی ہیں تو حضرت فرماتے ہیں، اے جانِ پدر، یہ تو نابینا ہیں کیوں کو کھڑی میں جا کر پھپھیں۔ فاطمہؑ عرض کرتی ہیں۔ بابا بے شک وہ نابینا ہیں مگر میں تو نابینا نہیں، کیونکہ نامحرم کو دیکھ سکتی ہوں۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ ایک گم سن نابالغ غلام کو لیے فاطمہؑ زہرا کے گھر پہ تشریف لائے (جو آپؐ نے حضرت فاطمہؑ کو بخش دیا تھا) سیدہ اس وقت ایسا چھوٹا کپڑا پہنے ہوئے تھیں کہ اگر سر کو ڈھانکتیں تو پاؤں تک نہیں پہنچ سکتا تھا یعنی تمام جسم کو نہیں ڈھانپتا تھا۔ آپؐ بہت اضطراب کے ساتھ تمام بدن کو چھپانے کی کوشش فرمانے لگیں۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بیٹی کیوں گھبراتی ہو اور کس سے پردہ کرتی ہو؟ بس یہاں تو صرف تمہارا باپ ہے یا یہ کم سن نابالغ غلام (مشکوٰۃ ص ۲۶، الزہرا ص ۱۹)

حافظ جمال الدین محدث بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ فاطمہؑ زہرا نے مسجد میں حاضر ہو کر باپ کی خدمت میں روٹی کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ حضرت نے اس کو لے کر حسرت بھری نظر سے بیٹی کو دیکھا اور پوچھا یہ کہاں سے مل گیا۔ آپؐ نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا، دو وقت کے فاقہ کے بعد آج تھوڑے سے جوٹے تھے جو پس کر روٹی

پکائی۔ بچوں کو کھلانے بیٹھی تو حضورؐ کا خیال آگیا۔ بس بے اختیار یہ ہو کر یہ ٹکڑا خدمت میں لے آئی ہوں۔ یقین فرمائیے کہ متواتر دو فاقوں کے بعد بچوں کو اتنی ہی روٹی بستر آئی تھی۔ یہ سنکر حضرت کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ روٹی کو کھاتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ بیٹی بس چار فاقوں کے بعد یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے گلے سے نیچے اترتا ہے (الزہراءؑ) سبحان اللہ یہ ہے سلطنت محمدیہ اور سیرت نبویہ۔ یہ ہے حقیقی مواسات اور سچی تعلیم رسولؐ۔ رنگین دسترخوانوں اور دنیوی شان و شوکت کو اسلامی شان بتلنے والے اور خلفائے بنی امیہ کی رنگا رنگ غذاؤں اور لذیذ کھانوں کی مدح سرائی کرنے والے آنکھیں کھول کر سیرت محمدیہ کو دیکھیں اور بتائیں کہ حقیقی اسلام کے جلوے اور حقیقی سیرت محمدی کے پر تو ان آل محمدؐ کے فاقہ کش نورانی چہروں میں نظر آتے ہیں۔ یا بنی امیہ کے پیٹ بھرے اور ظلم و جور سے مسلمانوں کا مال لوٹ کر اپنے رنگین دسترخوان سجانے والے خلفاء میں؟

علامہ زحمتی نے تفسیر کشاف صبرا میں اور ملا مجلسی نے جلاء البیون میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ ضعیف اختلاف کے ساتھ درج کیا ہے۔ دونوں کا خلاصہ بیان یہ ہے کہ ایام قحط میں ایک روز جب سرور انبیاءؐ کو کئی روز فاقہ سے گزر گئے تو فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ بیٹی! کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ سیدہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگیں۔ میری جان آپ پر فدا ہو۔ کیا عرض کروں تین روز ہو چکے ہیں کہ فاقہ پر فاقہ گزر رہا ہے۔ آنحضرتؐ یہ سنکر مسجد کو تشریف لے گئے۔ اتنے میں ایک کنیز دوڑیاں اور ایک ٹکڑا گوشت کا فاطمہؑ کی خدمت میں بطور تحفہ لے کر آئی۔ سیدہ نے اس کو لے لیا اور اسے ڈھانک کر علیحدہ رکھ دیا۔ کہ پہلے بابا کو کھلاؤں گی، پھر جو نیچے گا وہ بچوں کو دوں گی۔ حسینؑ سے فرمایا جاؤ

اپنے نانا کی خدمت میں عرض کرو کہ اماں جان حضور اقدس کو یاد کرتی ہیں ذرا جلدی
 تشریف لائیے۔ جب آنحضرت تشریف لائے تو فاطمہ نے عرض کی، بابا جان
 خدا نے اپنے لطف و احسان سے کچھ کھانا بھیج دیا ہے۔ میں نے اس کو بچوں
 سے چھپا کر حضور کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ فرمایا، لے آؤ۔ فاطمہ گئیں اور رومال
 اٹھا کر دیکھا تو سارا طباق روٹیوں اور گوشت سے پڑے۔ اٹھا کر باپ کی
 خدمت میں لے آئیں۔ حضرت نے پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ عرض کی من عبد اللہ
 ان اللہ یرزق من لیشاء بغیر حساب (بابا جان یہ خدا کا عطیہ
 ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے) حضرت نے فرمایا
 خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو مثل اس بی بی کے قرار دیا ہے جو نبی اسرائیل میں
 تمام غور و قول کی سردار تھیں (یعنی مریم مادر عیسیٰ علیہ السلام جن پر نعمات الہی
 کا نزول ہوتا تھا اور جب حضرت زکریا ان نعمتوں کو دیکھ کر پوچھتے تھے کہ کیا
 مریم ان لب هذا، اے مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تو جناب
 مریم ہی فرماتی تھیں جو حضرت فاطمہ نے رسول خدا سے بیان کیا) پھر حضرت
 علیؑ اور حسینؑ کو بلایا اور پانچوں بزرگواروں نے اس طعام کو کھا کر شکر خدا کیا۔
 جو باقی رہا وہ سیدہ نے غریب مسکینوں کو دے دیا۔ اللھم صل علی محمد
 و آل محمد۔

اس میں شک نہیں کہ یہ باپ کی شدید بیٹی بچپن ہی سے اپنے باپ
 کے رنج و راحت میں شریک رہی ہے۔ ابتدائے اسلام میں ہجرت مدینہ سے قبل
 مکہ کے قیام میں دین اسلام کی تبلیغ میں مشرکین مکہ کے ہاتھوں جو جو تکلیفیں محبوب
 الہی کو اٹھانا پڑیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ خود آنحضرت نے اس کے متعلق ارشاد
 فرمایا ہے۔ ما اودی نبیؐ کہا اذیت (میری طرح کسی نبیؐ کو تکلیف نہیں

دی گئی، انما ہنبار قریش مکہ اور بنی امیہ وغیرہ نے جیسا کچھ حضرت کو بتایا ہے وہ کتب
سیر و تاریخ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت خدیجہ اور جناب ابوطالب
کی وفات کے بعد جبکہ ان شیطانوں کی ایذا رسانی حد سے زیادہ ہو گئی تھی۔ دو
واقعے خصوصیت سے ذکر کے قابل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چھ سال
کے سن میں جناب سیدہ نے رسول خدام کے ساتھ اپنی کمال محبت کا اظہار کس شان
سے کیا ہے۔

تاریخ طبری جلد ۲۲۹ اور سیرت النبی جلد ۱۸۲ و ۱۸۶ پر ہے: ”ابوطالب
اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب۔ نہایت بے رحمی
اور بے باکی سے آنحضرت کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔
ایک شخص نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف
لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپ کا سر دھوئی تھیں اور
جوش محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جان پدر روؤ نہیں۔ خدا تیرے
باپ کو بچانے والا ہے۔ دوسرا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ حرم
میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤساء قریش بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے کہا، کاش
اس وقت کوئی جانا اور ادھٹ کی اوجھ مع نجاست اٹھا لاتا تا کہ جب محمد سجدے میں
جھکتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔
چنانچہ اس نے اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک
دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہ کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اس
وقت پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر

اسے علامہ شبلی کے اس بیان سے جو بخاری و مسلم و زر قانی وغیرہ جیسی معتبر کتب حدیث و
تاریخ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے حضرت فاطمہ کی عمر یہ بخوبی روشنی پڑتی ہے (باقی برقعہ آئندہ)

عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ مولانا شبلی نے اس روایت کو صحیح بخاری

(یعنی حاشیہ) تقریباً سوادِ اعظم کے جملہ علماء کا یہی بیان ہے کہ حضرت سیدہ کی ولادت بعثتِ نبویؐ سے پانچ سال قبل واقع ہوئی ہے اور علامہ عبدالبر کی استیعاب میں لکھتے ہیں کہ فاطمہؑ آنحضرتؐ کی عمر شریف کے اکتالیسویں سال میں پیدا ہوئی ہیں۔ مدارج النبوة میں بھی اس قول کو درج کیا گیا ہے اور مصنفؒ رحمۃ اللعالمینؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ مگر جب روایت و درایت اور تاریخی واقعات سے ان اقوال کی تطبیق کی جائے اور خود آنحضرتؐ کے ایک قول پر نظر ڈالی جائے تو یہ دونوں بیان غلط ثابت ہوتے ہیں۔ نہ پانچ سال قبل از بعثت پیدائشِ سیدہ کا صحیح ثابت ہوتا ہے نہ آنحضرتؐ کے اکتالیسویں سال میں۔ یہ امر بلا اختلاف مسلم ہے کہ جناب سیدہ کی والدہ حضرت خدیجہ سے حبیبِ حضورؐ مردِ عالم کا عقد مبارک ہوا ہے تو اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی۔ اور شادی سے ۱۵ سال بعد حبیب آنحضرتؐ کو اظہارِ نبوت درمالت کا حکم ہوا تو عمر شریف ۴۰ سال بیان کی جاتی ہے۔ پس علامہ ابن عبدالبر وغیرہ کے اس بیان کے مطابق کہ فاطمہؑ کی ولادت آنحضرتؐ کی عمر کے اکتالیسویں سال میں ہوئی ۵ سال قبل از بعثت والا قول غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب علامہ شبلی کے بیان پر نظر کی جائے (جو صحیح بخاری و مسلم اور زرقانی وغیرہ جیسی معتبر کتابوں سے درج کیا گیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے ایک دفعہ نہیں بلکہ چار چار دفعہ مقام پر اس روایت کو درج فرمایا ہے) تو عبدالبر وغیرہ کا یہ قول بھی صحیح قائم نہیں رہتا۔ علامہ شبلی اسی روایت کو درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت جبکہ مکہ میں کفار قریش ابو جہل و عقبہ وغیرہ نے آنحضرتؐ کے سرِ قدس پر خانہ کعبہ کے اندر حالتِ نماز میں غلاط سے بھری ہوئی ادھڑی ڈال دی تھی اور فاطمہؑ دہرا کو خبر ہوئی تو جو کس محبت سے روتی ہوئی دوڑی آئیں اور اس ادھڑے کو ہٹا کر بد دعائیں دیں تو اس وقت فاطمہؑ دہرا کی عمر پانچ چھ سال کی تھی (باقی برصغیر آئندہ)

جلد اول - شرح عسقلانی باب الطہارۃ ص ۲۵ ، باب الصلوٰۃ ص ۲۸۹ ، جلد ۵ باب الجہاد ص ۸

(یعنی حاشیہ) ترتیب بیان و اندراجات واقعات و روایات مندرجہ سیرۃ النبی و غیرہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت خدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت ابوطالب بھی مر چکے تھے کیونکہ ان کی حیات میں کفار قریش کو ایسی حرات کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ خود آنحضرتؐ کے ارشاد سے ثابت ہے (دیکھو تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۲۹ اور سیرت النبی جلد ۱ ص ۱۸۲) یعنی جب فاطمہ زہراؑ حضرت کا سر دھلا رہی تھیں اور روتی جاتی تھیں تو آپؐ نے فرمایا تھا: بیٹی رو دوست، خدا تیرے باپ کا محافظ ہے اور پھر فرمایا، مانات مستی قریش شیئاً اگر حد حتی مات ابوطالب (طبری) یعنی جب تک ابوطالب زندہ رہے اس وقت تک قریش مجھے کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچا سکے اور یہ امر مسلم ہے کہ یہ دونوں جانکاہ واقعات یعنی خدیجہ اور ابوطالب کا انتقال بعثت سے دس سال بعد اور ہجرت سے تین برس قبل ہوئے ہیں۔ پس اگر مدائنی وغیرہ کے اس عام قول پر نظر ڈالی جائے کہ فاطمہؑ کی ولادت بعثت نبویہ سے پانچ سال قبل ہوئی تھی تو اس وقت جبکہ مکہ میں یہ واقعہ پیش آیا فاطمہ زہراؑ کی عمر ۵ سال اور ہجرت کے وقت ۱۱ سال ہوئی چاہیے۔ اور استیعاب کے قول کے مطابق اس وقت ۹ سال اور ہجرت کے وقت ۱۲ سال سے کم نہیں ہو سکتی لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترقانی اور شبلی کی روایت نے جس میں صاف تصریح درج ہے کہ فاطمہؑ کی عمر اس وقت پانچ چھ سال کی تھی، عبدالبر اور مدائنی کے قول کو سراسر غلط ثابت کر دیا۔

علاوہ بریں تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب قبائلی قریش نے بنی ہاشم سے بائیکاٹ کیا اور باہمی معاہدہ کا غرض خانہ کعبہ پر لٹکایا گیا تھا تو یہ بعثت نبوی کا ساتواں سال تھا۔ اسی سال حضرت ابوطالب بنی ہاشم کو لے کر شعب ابوطالب میں چلے گئے تھے (باقی بر صفحہ آئندہ)

باب الجزیہ ص ۱۹۸ اور صحیح مسلم و نزہتانی جلد ۱ ص ۴۹۷ سے نقل کیا ہے۔ دیکھو بیت النبی
(بقیہ حاشیہ) تو اس وقت فاطمہ زہراءؑ کی عمر دس سال کی تھی۔ اس بیان سے پانچ سال والی روایت
بھی غلط ثابت ہوئی۔ مکہ میں اس واقعہ کے وقت جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے، عمر
شریعت حضرت فاطمہؑ کی پانچ ہی سال کی تھی تو اس سے مدائنی و عبدالبر کے اقوال غلط
ثابت ہوئے۔

ان سب سے بالاتر خود آنحضرتؐ کا ایک قول ہے جس سے مذکورہ بالا تمام
اقوال سراسر غلط، بے بنیاد اور ہباء و منثوراً ہو جاتے ہیں۔ جب آنحضرتؐ مکہ سے
ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور جنگ بدر کے بعد ۳؎ میں فاطمہ زہراءؑ
کی شادی کا سوال پیش ہوا تو صحاب کبار مثلاً حضرت ابو بکر و عمر وغیرہ نے فاطمہؑ سے
عقد کی خواستگاری کی اس وقت آنحضرتؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ فاطمہؑ
صغیر السن ہے۔ ملاحظہ ہو مدارج النبوة وغیرہ۔ پھر اس کے بعد بحکم الہی ۳؎ میں
فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کر دیا گیا۔ پس اگر فاطمہؑ کی ولادت بعثت سے پانچ سال
قبل بھی جائے یا بعثت سے ایک سال بعد قرار دی جائے تو ۳؎ میں فاطمہؑ
کی عمر ۱۹ یا ۲۰ سال ہونی چاہیے۔ اہل بقول عبدالبر ۱۳ یا ۱۴ سال سے کم تو ہو ہی
نہیں سکتی۔ پس اس عمر کی لڑکی پہ بالخصوص عرب وغیرہ کے گرم ملک میں کسی طرح
بھی صغیر السن کا لفظ نہیں بولا جاسکتا ہے۔ پس آنحضرتؐ کا عمر فاطمہؑ کے متعلق
ایسا فرمانا خود ثابت کر رہا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹ یا ۱۰ سال سے زیادہ نہ
تھی اور یقیناً وہ بعثت نبوی سے پانچ چار سال بعد پیدا ہوئیں۔

بلا شک اہل البیت الصرمان فی البیت خاندان رسالت کے
ائمہ اطہار اولاد فاطمہ زہراءؑ کے اقوال و ارشادات کے مطابق شیخ العلماء محمد یعقوب
کلینی رحمۃ اللہ نے اصول کافی میں جو ولادت سیدو شہ نبوت میں لکھی ہے
(باقی پر صفحہ آئندہ)

جلد ۱۸۶، رحمة للعالمین جلد ۱۲۹ میں یہ روایت صحیح بخاری باب ما لقی النبی
 واصحابہ من المشرکین سے درج ہے ۔



(بقیہ ماثیہ) وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے ۹ یا ۱۰ سال کی عمر میں شادی ہونے اور ۱۰ یا
 ۱۱ سال کی عمر میں ولادت امام حسن علیہ السلام کو نگاہ استنباط سے دیکھا ہے اور تعبیر از
 امکان قیاس کر کے ولادت فاطمہ کو ششہ نبوت سے قبل تسلیم کر کے عمر شریف کو ۲۹
 سال بیان کیا ہے نہایت ہی دورانہ فہم معلوم ہوتا ہے۔ کیا حضرت عائشہ کا عقد
 مکہ میں ۷ یا ۸ سال کی عمر میں نہ ہوا تھا؟ اور اس عمر میں جبکہ ان کی عمر ۸ یا ۹ سال
 سے زیادہ نہ تھی ان کی شادی مدینہ میں نہ ہوئی تھی اور کیا اسی سال وفات واقع
 نہ ہوا تھا؟ (تاریخ طبری جلد ۳، تاریخ طبری جلد ۴، تاریخ طبری جلد ۵، بخاری۔ مسلم
 مدارج النبوة) پس اگر اس وقت خداوند عالم حضرت عائشہ کو اولاد کرامت فرادیتا تو کیا یہ
 امر ناممکن اور تعجب خیز سمجھا جاتا، یہ بات دوسری ہے کہ ام المؤمنین کی گود خالی رہی
 اور بنت رسول خدام کو حسن و حسین جیسے جلیل القدر ہادی اور رہنمائے اسلام کرامت
 فرمائے اور انہی سے رسول کی نسل کو چلایا جو قیامت تک دنیا میں باقی رہنے
 والی ہے۔

باب چہارم

حالات معاویہ اور بنی امیہ

حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ معاویہ کی موت اسلام پر نہ ہوگی۔ وہ جہنم میں آتشیں تابوت میں ہوگا۔ (طبری ص ۳۰۵)

بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت اور اسلام و مسلمین پر ان کا اولین ظلم یہ تھا کہ نظام حکومت اسلامیہ کا تختہ بکیر الٹ دیا۔ اور خلافت راشدہ جمہوریہ کی جگہ سلطنت مستبدہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ انقلاب بہت شدید تھا اور بہت مشکل تھا کہ ملک کو اس پر راضی کیا جائے۔ صحابہ کرام بھی موجود تھے اور خلافت راشدہ کے واقعات بچہ بچہ کی زبان پر تھے اس لیے اس احساس اسلامی کو مٹانے کے لیے توارے کام لیا گیا اور جس نے ستمگونی کی جرأت کی اس کو بزورِ شمشیر روکا گیا۔ رفتہ رفتہ احساس منقلب اور خیالات پلٹنے لگے اور حقیقت روز بروز مستور ہونے لگی۔ ان کے بعد بنی عباس آئے تصنیف و تالیف اور تدوین علوم اسلامیہ کا رواج ہوا تو وہ مخفی اثر موجود تھا اور کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں کا طریقہ بھی بنی امیہ ہی کا سا تھا۔

ابن تیمیہ اور اس کے مرید یزید کو امام اور خلیفہ برحق سمجھنے والے بزرگان دین پر زبان اعتراض کھول کر ہمیشہ یزید اور اس کے خاندان کی مدح سرائی میں

مشغول پائے جاتے ہیں لیکن ان کے کہنے سے ہو کیا سکتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ خاندان بنی امیہ کے ظالموں، جابروں، عیش پرستوں اور ہونوں رائل نے خلافت پر ناجائز تصرف کر کے مستند رسول پر قدم رکھا اور اسوۂ رسولؐ کو بالائے طاق رکھ کر اپنی خواہشوں اور خود غرضیوں کو پورا کرنے کی دھن میں رہے۔ روحانیت اور اسلام کو صدمہ پہنچایا۔ اصول محمدی اور احکام اسلامی کو بگاڑا اور اپنی ہوا پرستی، زنا کاری شراب خواری اور ظلم پسندی سے دنیا میں وہ طوفان اٹھائے اور وہ فتنے برپا کیے کہ خدا کی پناہ۔ بزرگان دین کو تباہ و برباد کیا۔ خلق اللہ کا ناحق خون بہایا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تصنیف ”الحرب فی الاسلام“ میں اس مطلب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے جو ہمارے بیان کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔

صحیح بخاری اور شرح تیسر القاری جلد ۴ اور شرح عسقلانی جلد ۶ میں ہے کہ حضرت رسول خدا ﷺ انصار سے فرمایا: انی اعطی ہر حال حدث العهد قریب الکفر اتالفہم۔ یعنی میں نے ان لوگوں میں (مال غنیمت) عطا کیا ہے جو تازہ مسلمان اور قریب بکفر ہیں تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو اور کہا: اے انصار کیا تم اس امر سے راضی اور خوشنود نہیں ہو کہ یہ لوگ تو دنیا کا مال و دولت بھڑ بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اپنے نبی کے ساتھ رحمت الہی میں واپس ہو۔ شارح بخاری صاحب تیسر القاری نے اپنی شرح میں اسی حدیث کے تحت میں یہ بھی درج فرمایا ہے کہ یہ مؤلفۃ القلوب وہ تازہ مسلمان ہیں جو فتح مکہ کے بعد مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے جیسے ابوسفیان اور معاویہ وغیرہ

تیسر القاری ص ۱۵۸، روضۃ المناظر ص ۱۵۲ اور لندن اسلام ۱۵۵، اسی جنگ حنین کے موقع پر ان تازہ مسلمان بنی امیہ کے اسلام و کفر پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ یعنی جب حنین کے دن معرکہ جنگ سے باوجود کثرت و غلبہ کے مسلمان مشرکوں

کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور سوائے شیر بیشہ شجاعت اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب اور چند جاں نثاروں کے کوئی میدان میں تلوار چلانے والا باقی نہ رہا۔ سب بھاگنے والے بھاگ گئے اور رہنے والے رہ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان نے ہنس ہنس کر کہنا شروع کیا۔ ابھی کیا ہے یہ مسلمان تو بھاگ کر سمندر تک جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اسلام سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ابوسفیان اور اس کے بیٹے معاویہ وغیرہ کو کسی ملکی یا جنگی سیاسی یا انتظامی معاملہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ لوگ نہ کسی غزوہ میں علمبرداری کرتے دکھائی دیتے ہیں نہ کسی اور اہم خدمت پر معین کیے جاتے ہیں۔ تبلیغ اسلام اور اجراء شریعت وغیرہ سے تو بھلا ان بیچاروں کا جن کی رگ رگ میں کفر و شرک کا خون دوڑا ہوا تھا تعلق ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اگر کبھی کسی معمولی خدمت کے لیے بنی امیہ میں سے کسی شخص کا معین ہونا نظر بھی آتا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس خدمت کو اس شخص نے حکیم الہی اور منشاء رسولؐ کے مطابق انجام نہیں دیا اور خدا کا رسولؐ اس کے عمل سے ناراض ہوا۔ چنانچہ بعد رسولؐ جب بلاد اسلامی کی حکومت اور سلطنت کا اقتدار ان کو حاصل ہوا تو ان کے افعال و کردار سے ثابت ہو گیا کہ وہ اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتے۔ ان کے ہاتھوں سے خلق اللہ پر وہ شدید ظلم ہوئے کہ روح ان کے تصور سے جھنجھیں مارتی ہے۔ حضرت رسولؐ خدام جو بالہام الہی لوگوں کی حالت کو بخوبی جاننے والے تھے اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ خدا کے بندوں پر عدل و انصاف کی حکومت کرتے اور قوانین شرع پر عمل درآمد کرنے سے یہ ہوا و ہوس کے بندے خود غرضوں کے چلتے کوسوں دور ہیں۔

حنین سے فارغ ہونے کے بعد جب طائف کا محاصرہ ہوا اور ماہ ذیقعد شروع ہو جانے سے آنحضرتؐ اس محاصرہ کو اٹھا کر پہلے مکہ اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تو اس وقت اہل طائف کا وفد بغرض صلح آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چار باتوں پر صلح چاہی۔ اول یہ کہ لات جو ان کا بت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جائے (اس سے پہلے محاصرہ کے وقت طائف کے اطراف دیو اتب کے بت دستِ یدِ الہی سے توڑے جا چکے تھے۔ اور ذوالکفین نامی لکڑی کا بت طفیل بن عمرو الاسدی نے توڑ کر جلادیا تھا) دربار رسالت سے یہ شرط نامنظور کی گئی تو انھوں نے ایک سال کے لیے چاہا، وہ بھی نامنظور ہوئی۔ پھر ایک ماہ کی ہمت چاہی گئی وہ بھی نامنظور ہوئی۔ دوسرے یہ کہ ان کو نماز معاف کر دی جائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس دین میں نماز نہیں اس میں کچھ کھلائی نہیں۔ تیسری شرط یہ تھی کہ وہ اپنے بت اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں۔ چوتھی یہ کہ محصول کستندہ کے رد بردان کو نہ بلایا جائے۔ زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ اور کوئی جرمانہ ان سے نہ لیا جائے۔ یہ دونوں شرطیں آخر کی منظور ہوئیں اور اس پر صلح ہو گئی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اسلام کی حکومت رد یہ پیہ جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ شرک مٹانے اور طاعتِ خدا قائم کرنے کے لیے ہے۔ پس لات کو توڑنے کے لیے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا گیا تو مغیرہ نے اپنے ہاتھ سے اس بت کو توڑ کر گرا دیا لیکن ابوسفیان نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا (اعجاز التنزیل ص ۷۲) ایک بار آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے معاویہ کو طلب فرمایا۔ جواب ملا کہ کھانا کھا کر آئیں گے۔ کچھ دیر بعد پھر بلایا تو یہی معلوم ہوا کہ کھانا پورا ہے۔ اس کے بعد آئیں گے۔ تیسری بار پوچھا گیا تو یہی جواب ملا کہ کھانا کھا ہے۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا۔ لا یشیع اللہ لظنیہ (خدا اس کا پیٹ نہ بھرے) معاویہ

کے متعلق اس واقعہ کو امام نسائی نے نہایت معتبر و مستند طریقے سے لکھا ہے۔

ایک بار مصریوں کا ایک وفد امیر معاویہ کے سامنے پیش ہوا۔ ابو الخياط نے اس کو السلام علیکم یا رسول اللہ کہہ کر سلام کیا مگر معاویہ نے منع نہ کیا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۵) نصاریٰ کا ملہ ص ۹۴

امام حسنؑ کو زہر دلانا۔ ام المومنین عائشہ کا دردناک واقعہ۔ حجر بن عدی جیسے صالح و دنیدار کے قتل کے واقعات، خلافتِ شرع محمدی زباید بن سمیہ کو ابوسفیان کا بیٹا بنانا یہ سب کتبِ معتبرہ میں ہیں۔ جو تفصیل کے ساتھ کتبِ تواریخ میں مندرج ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۴۵ پر حسن لبری سے منقول ہے۔ "معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کسی میں پائی جاتی تو اس کے خارج از دین ہونے کے لیے کافی ہوتی۔ اول اس امت پر تلوار چلانا اور بغیر مشورہ صحابہ اور صاحبانِ فضل خلافت پر قابض ہو جانا۔ دوسرے اپنے بیٹے یزید کو جو شراب خوار اور ریشمی لباس پہننے والا اور ظنیورہ بجالے والا تھا اپنا خلیفہ بنانا۔ تیسرے زباید کو ابوسفیان کا بیٹا بنالینا۔ چوتھے حجر اور اصحابِ حجر کو قتل کرنا۔ انھیں صنابلوں اور بدکاریوں کا نتیجہ تھا کہ ابو درد اور انس بن مالک جیسے اصحابِ رسول درد کر کے کہتے تھے کہ افسوس اسلام محمدی میں سے کوئی شے اور حکم باقی نہیں رہا سوا نماز کے، سودہ بھی نہ ائمہ رسالت کے موافق نہیں ہے۔ علامہ ابن القیم اغاثۃ اللہ فی ان مشا پر تحریر فرماتے ہیں کہ اہم درجہ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز ابو درد اصحابی رسول غنیمتِ بناک گھر میں داخل ہوئے۔ میں نے غصہ کا سبب پوچھا تو کہا میں ان لوگوں میں کوئی امر بھی محمدؐ کا سا نہیں پاتا سوا اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔ امام مالک کا بیان ہے کہ جو باتیں ہم پہلے دیکھتے تھے ان میں سے اب ایک بات بھی مسلمانوں میں نہیں پاتے سوائے اس کے کہ اذان دے لیتے ہیں (یعنی نماز

پڑھ لیتے ہیں) منقول از رسالہ اصلاح نمبر، جلد ۱۲۔

زہری کا بیان ہے کہ ہم انس بن مالک صحابی رسولؐ کے پاس دمشق میں گئے۔
تو ہم نے ان کو روک دیا۔ سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ جو باتیں ہم عہدِ رسولؐ
میں پاتے تھے اب ان کو نہیں پاتے۔ وہ سب مفقود ہیں۔ صرف یہ نماز رہ گئی ہے
سو وہ بھی ضائع کر دی گئی ہے (صحیح بخاری جلد ۳۹۵ اور افانۃ اللہ فان حشا)
بنی امیہ کے وظیفہ خوار بڑے بڑے محدثین و مورخین تھے۔ انھوں نے العام و

اکرام کے لالچ میں علم حدیث و روایت میں وہ اندھیر مچایا ہے کہ خدا کی پناہ۔
ان ایمان فروشوں بدکار اموی خلفاء کو رسولؐ خدام کا جائز خلیفہ ثابت کرنے
کے لیے ان کے عیوب چھپانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور رسولؐ
کی تنقیص و توہین کا مطلق خیال نہیں کیا۔ سنیکڑوں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر سیرت
محمدیہ کے صاف و شفاف چشمہ کو اپنے قابلِ شرم بیانات کے قادیانوں سے
ایسا گندہ بنا دیا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ناواقف حال معترضین آئے
دن اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

عہدِ بنی امیہ کے لالچی اور ایمان فروش علماء نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی
دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انھوں نے فساق و فجار خلفاء کے عیش و عشرت اور
عشق و محبت کے کارناموں اور ہوا پرستی و ظلم پسندی کے کرشموں کو جائز قرار
دینے کے لیے بے تکلف ایسی احادیث وضع کر دیں جن سے اخلاق محمدیؐ کا
بھی ویسا ہی بد نما ہونا ثابت ہو جائے تاکہ ان بدذاتوں کا فسق و فجور دبا رہے
افسوس ہے کہ عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے ایسی مصنوعی اور گندی حدیثیں
کو تمام ملک میں رواج دیا گیا اور مسلمانوں کو حفظ کرائی گئیں۔ چنانچہ شرمناک حدیثیں
سے علماء و محدثین نے اپنی صحاح کے اوراق مزین فرمالیے اور ان کو سیرت محمدیہ

کے نمونوں میں پیش کر دیا۔ ان واضعاً حدیث میں بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے محض سلاطین بنی امیہ کے ظلم و جور سے نفرت کھا کر لیا کیا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں علمائے اہلیت سے تمسک رکھنا گناہ عظیم تھا اور کسی مسئلہ کو ان سے دریافت کرنا سلطنت کا سخت ترین جرم تھا۔ کوئی ان حضرات تک نہیں جلتے اور اہلیت کا کھوج لگانے کی جرأت ہی نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عوام الناس میں لاکھوں غلط حدیثیں اور روایتیں بر زبان ہو گئیں اور وہی گندگی آج تک یہاں آ رہی ہے۔ آل محمد کی منزلت کو حد درجہ گھٹا کر اور ان کی دینی مرکزیت کو برباد کرنے کے نئے نئے مرکز قائم کیے گئے تھے۔ جہاں لوگ جا کر غلط احکام دین حاصل کرتے تھے۔ کس کی تاب تھی کہ ان ایمان فروش علماء کی کسی غلطی پر انگشت نمائی کر سکتا۔ ان کی رسائی سلاطین کے دربار تک تھی جس کو چاہتے چشم زدن میں قتل کر دیتے۔

اس زمانہ میں عام لوگوں کے دل پر یہ نقش کیا جا رہا تھا کہ رسول اللہ بھی ایک معمولی انسان تھے جس طرح اور تمام لوگ خطا و تہیہ کے پتے ہیں وہ بھی تھے جس طرح اور لوگ جہالت و نادانی کے شکار ہیں وہ بھی تھے۔ وہ آیہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کو پڑھ کر یہ ثابت کرتے تھے کہ رسول بھی بالکل ہم ہی جیسا ایک انسان تھا اور یوحیٰ الٰہی کی فصل ممیز کو کبھی غور سے نہ دیکھتے تھے۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہ تھے کہ یہ نورانی بشر اور انسان کامل جو خلافت الہیہ کا تاجدار اور محبوب خدا ہونے کا حقیقی مستحق ہے اور اپنی صفات عالیہ میں ہر طرح سے اکمل ہے ہم خاکی انسانوں سے بدرجہا افضل و برتر ہے اور کوئی بشر کسی امر میں اس سے زیادہ واقف و عالم صاحب عصمت و طہارت ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی یوحیٰ الٰہی کی فصل ممیز اس نورانی بشر کو اس خاکی انسان سے جو جہالت و لاعلمی اور خطا و تہیہ کی پوٹ ہے علیحدہ کرتی ہے۔ یہی وہ عطیہ الہی ہے جو اس نورانی انسان کو

دنی فتنہ کی کرسی پر بٹھاتا اور مقام قبابِ توسین اودائی کا تقرب عطا فرماتا ہے۔
 مسٹر آڈن ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ بنی امیہ کا اول خلیفہ دانا، ہوشیار
 متفقی اور سفاک تھا اور اپنا مطلب نکالتے وقت کسی جرم سے نہ ڈرتا تھا۔ زبردست
 غنیم کو تلوار کے گھاٹ اتار دینا اسی کا شیوہ تھا۔ اسی نے پیغمبر کے قوا سے کو زہر
 دلایا اور حضرت علیؑ کے بہادر لفٹنٹ مالک اشتر سے بھی یہی سلوک کیا۔ اس نے
 اپنے بیٹے یزید کو تخت نشین کرنے کے لیے بہت سے عہد و پیمان کو بالائے طاق
 رکھ دیا جو اس نے حضرت علیؑ کے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے کیے تھے۔
 باوجود ان باتوں کے یہ سردہر اور ملحد عرب اسلامی ممالک پر حکومت کرتا تھا اور
 نوے سال تک تخت خلافت اس کے خاندان میں رہا۔ یہ بے ضابطگی صرف دو
 وجہوں سے پیدا ہوئی جس کا پہلے بھی کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں۔ ایک تو یہ کہ پکا اور
 دیندار مسلمان خیال کرتا تھا کہ وہ اپنے مذہب کا اظہار زیادہ خوبی سے اس طرح
 سے کر سکتا ہے کہ دنیوی معاملات میں کنارہ کش رہے۔ دوسرے عربوں کے نسلی
 اور جماعتی تعصب نے عربی ایشیا اور شمالی افریقہ اور سپانیہ کے فاتحوں کو کبھی
 اپنی شان کے نمایان ترقی نہیں کرنے دی۔ خروج کے زمانہ میں ان کے ابتدائی
 جذبات رقابت اور بغض و کینے برابر قائم رہتے تھے۔ پہلے وہ چھوٹے پیمانے
 پر لڑتے تھے پھر وسیع پیمانے پر جنگ کرتے تھے۔

انگریز مورخوں کا بیان ہے کہ بنی امیہ وغیرہ نے شدتِ عداوت کی بنا پر
 معلمِ فطرت حضرت رسولِ خدام کو بے حراذیتیں پہنچائی مکتیں اور ان کو اپنے
 وطن سے نکال دیا تھا۔ انھوں نے مذہبِ اسلام کو اس کے ابتدائی زمانے ہی
 میں تباہ و برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور آخر دم تک اس
 کے خلاف جنگ آزمائی میں مصروف رہے۔ اس گہرے رابطہ و اتحاد سے جو

مسلمانوں نے آپس میں قائم کر رکھا تھا مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ بنی امیہ اپنی سابقہ طاقت اور وقار کو زائل ہوتے دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے اور جھلتے تھے فتح مکہ کے بعد ان کو مجبور اور لاچار ہونا پڑا لیکن انھوں نے خاندان ہاشم یا اسلام کو اس تباہ کاری کی وجہ سے کبھی معاف نہیں کیا جو عبداللہ کے بیٹے نے ان پر نازل کی تھی۔

جب تک پیغمبر صاحب زندہ رہے ان کی بارعب شخصیت نے ان تمام فداوروں کو خوف زدہ بنائے رکھا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے ذاتی اغراض اور اس طمع نفسی کی وجہ سے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا کہ اس دنیوی مال و زر سے ضرور کچھ ملے گا جو مسلمانوں کی فتوحات سے دولت اسلامیہ کو حاصل ہوا۔ اس قسم کے حیاش بدچلین بے اصول، بے رحم اور دل سے بے دین اشخاص ایسے مذہب سے جس نے مساوی حقوق قائم کیے اور جو اپنے پیروؤں سے اخلاقی ذرائع کی بجائے آوری اور پاکبازی پر عامل ہونے کی تاکید کرتا تھا۔ بیزار اور دل برداشتہ رہتے تھے۔ انھوں نے شروع ہی سے اس حکومت کے خلاف جس کی اطاعت کا حلف اٹھا چکے تھے۔ خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں اور ان لوگوں کو تباہ و برباد کرنے پر کمر باندھ لی تھی جن پر جمہوریت اسلام کا دار و مدار تھا۔ پیغمبر صاحب کے پہلے دو جانشینوں نے ان لوگوں کی امنگوں اور موصول کو ذرا قابو میں رکھا اور ان کی سازشوں اور دغا بازی منسوبوں کو دباتے رہے مگر عثمان کے منتخب ہوتے ہی یہ لوگ غول در غول مدینہ کی طرف اس طرح لپکے جیسے گدھ شکار کی ہوسونگھے ہی جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تخت نشینی بنی امیہ کی طرف سے علانیہ اظہار نفرت اور دبی دبی بدچلنیوں کے رائج ہونے کی محرک ثابت ہوئی اور ان حرکات نے اسلامی دنیا کے کونے کونے میں

ہنگامہ برپا کر دیا جن سے شریف ترین اور بیش بہا نسلوں کا خاتمہ ہو گیا۔
 آؤ آؤ صاحب کہتے ہیں اگر علی کو اس چین سے حکومت کرنے کا موقع دیا
 جاتا تو ان کی خوبیاں اور نیکیاں ان کی مستقل مزاجی اور ممتاز کیرئرسابقہ جمہوریت
 اور اس کے سیدھے سادے طریقوں کو قائم و برقرار رکھتا شجر قافل نے اسلام کی
 امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔

مہاجر آسیرن صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی (حضرت علیؓ) وفات سے ایسا
 مخلص اور بہترین انسان دنیا سے اٹھ گیا جس کی یاد تاریخ اسلام میں اب تک
 تازہ ہے۔

مسٹر بلاٹ صاحب فرماتے ہیں اگر آبائی وراثت (حضرت علیؓ کے حق میں)
 اصول شروع میں تسلیم کر لیا جاتا تو ان تباہ کن دعاوی کا ابھرنا مسرود ہو جاتا
 جنہوں نے اسلام کو خود مسلمانوں ہی کے خون میں مستغرق کیے رکھا۔ جناب فاطمہؓ کے
 شوہر کی ذات میں پیغمبر صاحب کے جائز وارث ہونے کی حیثیت سے حق وراثت اور
 نیز استحقاق بروئے انتخاب دونوں حقوق شامل تھے۔ ایسی حالت میں خیال کیا
 جاسکتا تھا کہ سب ان جیسی بے لوث اور عظیم الشان شخصیت کے آگے سیر انداز
 ہو جائیں گے مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔ علیؓ کے بہت سے صلح کاروں نے یہ مشورہ
 دیا کہ سابق خلیفہ کے مقرر کردہ بدعنوان گورنروں کی موقوفی کا اس وقت تک ارادہ نہ کریں
 جب تک وہ اپنے دشمنوں کے مقابل مضبوط اور مصون نہ ہو جائیں۔ لیکن اس غائی
 اسلام اور شجاع نے بلا خوف و خطر اور بلا خیال لام کسی منافقت یا نا انصافی میں
 شریک ہونے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اور تمام وہ اشخاص جن کو عثمان نے برہمراقتدار
 کر رکھا تھا اور جنہوں نے قوی معاملات میں اس بری طرح غداری کی تھی ایک فرمان
 کے ذریعہ سے اپنے اپنے عہدوں سے یکپہلو برطرف کر دیے۔

تاریخ دسیر کی درق گردانی اور زمانہ ہائے مابعد کے حالات و واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کھلم کھلا اپنی تارک فیکر الثقلین الخ کو بھلا دیا گیا اور جاہ طلب اور نفس پرست بندوں، خاندان رسالت کے پرانے دشمنوں، حاسدوں یعنی بنی امیہ نے جو مجبور ہو کر لٹا ہر مسلمان ہو چکے تھے اسلامی بھیس میں طاقت و قوت پکڑ کر سند خلافت پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ اور خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین بن بیٹھے۔ جس کے کسی طرح بھی وہ اہل نہ تھے۔ پس ان جاہل اور نا اہل مسلمانوں کی حکومت نے بنی امیہ کی مستبدانہ غاصبانہ اور مخرب دین و دنیا کرشموں کے مکمل نظارے دنیا کو دکھائے اور آنحضرتؐ سے اپنی ذاتی دشمنی کی بناء پر ان کی نفس پرست اور دنیا طلب حکومتوں اور خلافتوں نے اپنی شیطانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے دین محمدی کے نورانی احکام اور اسلام کے پر خیر و برکت قانون کو الٹ پلٹ کر دیا۔ اسوۂ رسولؐ کو چھوڑا، سنت نبویؐ کو بدلا اور دین الہی میں رخنے ڈالے۔ افسوس وہ دین جو حقیقتاً دنیا کے تمام ادیان کو منسوخ کرنے اور باطل مذہبوں کو مٹا کر توحید الہی کی روح پھونکنے کے لیے آیا تھا ان فاسق و فاجر حکمرانوں کی ہوا پرستیوں، سیاہ کاریوں اور بد اعمالیوں سے ایسا تباہ و برباد ہوا کہ کسی نے دین اسلام کو لیٹروں اور ڈاکوؤں کا دین بتایا اور کسی نے بزورِ شمشیر پھیلائے کا الزام لگایا۔ کسی نے عیش پرستی کا مذہب نام رکھا کسی نے ظلم و جور اور خون ریزی کا دین بتا کر اس دین سے نفرت کا اظہار کیا۔ بے شک ان سب خرابیوں اور بدنامیوں کی ذمہ دار بنی امیہ کی ناجائز اور ستم پرور حکومت تھی۔

تاریخ طبری جلد ۱۳ ص ۲۱۴ پر ہے :-

رسولؐ کا معاویہ پر لعن کرنا : قد راہ مقیلا علی سہار و معاویۃ ليقود بہ و یزید ابنہ لیسوق بہ قال لعن اللہ القاعد والراکب والمسالک (یعنی آنحضرتؐ نے ایک دوزخ سفیان کو گدھے پر سوار آتے دیکھا، معاویہ

اس کے گدھے کی باگ پکڑے آگے آگے تھا اور بیزید بھیجے سے ہنکار رہا تھا۔ فرمایا، خدا لعنت کرے اس آگے چلتے والے اور اس سوار ہونے والے اور اس بھیجے ہنکالے والے پر) اسی تاریخ طبری جلد ۱۳ ص ۲۱ پر ہے کہ

شجرہ ملعونہ معاویہ کا شجرہ ہے : ایک دن حضرت رسول خدام نے فرمایا

یہ شخص میری امت سے اس صبح کو نکلے گا (کسی راستے کی طرف اشارہ کر کے) وہ میرے

دین کے خلاف محسور ہوگا۔ پس معاویہ ادھر سے گزرا۔

بنی امیہ کا شجرہ بنی یوسفیانی اور مروانی شجرہ کہا جاتا ہے۔ وہی ہے جو بروایت حضرت عائشہ اور حضرت عباس قرآن مجید میں شجرہ ملعونہ اور شجرہ خبیثہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر، تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۹۱ اور روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل ص ۵، تاریخ احمدی ص ۱۷۱، تفسیر معالم التنزیل قمی نیشاپوری جلد ۱ ص ۵۹۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ وما جعلنا الریاء الیٰ اہلناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن ونخوفہم فما یزیدہم الا طغیاناً کبیراً (یعنی جو خواب ہم نے آپ کو اسے رسول دکھایا اس کو لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا تھا اور قرآن میں بھی شجرہ ملعونہ ہے۔ ہم نے لوگوں کو ڈرایا اور تنبیہ کی مگر ان کی سرکشی اور طغیانی بڑھتی ہی گئی) یہ اس خواب کا بیان ہے جس میں حضرت نے دیکھا تھا کہ بنی امیہ میرے منبر پر بندہوں کی طرح ناسچتے کودتے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ حد درجہ ملول ہوئے تھے۔ اس کے متعلق امام حسنؑ نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ دیکھو تاریخ ابوالفدا جلد اول۔ پس آنحضرتؐ کے منبر کو بنی امیہ میں سب سے پہلے ادلاء یوسفیان نے غصب کیا اور اس پر چڑھ کر خلافت کی پھلانگیں ماریں پھر ان کی ہی بدولت بنی امیہ کی دوسری شاخ بنی مروان میں خلافت رسول کا منبر منتقل ہو گیا۔ یہی وہ شجرہ ملعونہ ہے جس نے پھیل کر آل محمد کے شجرہ طیبہ کو تباہ و برباد

کر دیا۔ بے شک امت محمدیہ اور سلطنت اسلامیہ کے لیے ہی بنی امیہ فتنہ اور امتحان قرار پائے۔

ابوسفیان کے بعد ان کے سپوت معاویہ خاندان بنی امیہ کے سربراہ اور وہ لیڈر بنے اور اپنے باپ کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔ ان کے دل میں بھی خاندان رسالت سے عداوت و حسد کے شعلے وراثتاً بھڑکنے چلے آ رہے تھے اور لہذا ہر اسلامی چولہا پن کر سلطنت پر ہاتھ مارنے کی دھن میں پڑے ہوئے تھے۔ اسی بنیادی پر حضرت علیؑ کی ذات اقدس جو علم و فضل، زہد و اتقا، حکمت و معرفت، دینداری و نیکو کاری میں اپنا جواب آپ ہی تمہی کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ جو بے تک زمانہ موافق نہ تھا بقی کی طرح تخت خلافت کی تاک لگائے بیٹھے رہے لیکن بعد رحلت رسولؐ جب ہوا کا رخ بدلا اور نیک و بد میں تمیز جاتی رہی تو خاندان بنی امیہ نے بھی اپنے پر پوزے نکالے۔ دربار خلافت سے ابوسفیان کا منہ بند کرنے کے مصلحتاً بنی امیہ کو حکومت اسلامی میں کافی حصے دیے جانے لگے چنانچہ معاویہ اور یزید بن ابوسفیان کو لشکر اسلامی کی سرداریاں دی گئیں۔ خاندان رسالت کے جتنا نہ ممبروں کو کس مہر سی کے گوشوں میں بٹھا کر ان کے قدیمی دشمنوں کے اقتدار کو بڑھایا گیا۔

معاویہ کی گورنری کی تنخواہ : اسی پالیسی کی بنا پر بنی امیہ کا فروغ شروع ہوا۔ اول فوجی عہدے ان کو ملے،

پھر دمشق و شام جیسے وسیع اور زرخیز ممالک کی حکومت ان کو دی جانے لگی۔ اس وقت سے لگاتار ۲۵-۳۰ سال تک معاویہ ان ممالک مفتوحہ کا بے خارشہ مالک بنا رہا اور بیت المال کے تمام خزانہ کو اختیار خود خرچ کرتا رہا۔ علاوہ لاکھوں روپے کی خرد برد کے بارہ ہزار اشرفی سالانہ لٹا ہر گورنری کی تنخواہ بھی لیتا تھا جیسا کہ

عبدالبر نے استیعاب جلد اول ص ۲۵۳ پر لکھا ہے۔ ابو عمر و معاویہ و ابویہ من
 المؤلفۃ القلوب۔ و لاہ عمر علی الشام حین موت اخیه یزید
 و توفی یزید فی ذی الحجۃ من ذلک العام ۱۹ھ فی دمشق و
 استخلف اخاہ معاویہ علی عملہ فکتب الیہ عمر بعدۃ علی ما
 کان یزید و مرزقہ الف دینار فی کل لشہر و رد الیہ برید
 بہوت یزید علی عمر ابوسفیان عندہ فلما قراء الکتاب
 بہوت یزید قال ابی سفیان احسن اللہ عزاک فی یزید و رحمہ
 ثم قال لہ ابوسفیان من ولیت مکانہ یا امیر المؤمنین قال اخاہ
 معاویہ قال وصلتک الرحم یا امیر المؤمنین (ابو عمر معاویہ اور
 اس کا باپ مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ عمر نے معاویہ کو شام کا حاکم بنایا۔ اس
 کے بھائی یزید کے مرنے پر، یزید نے اسی سال ۱۹ھ میں دمشق میں وفات پائی
 اور اس کے بھائی معاویہ کو اس کا جانشین بنایا اور ایک ہزار دینار اس کی تنخواہ
 مقرر کی۔ جب یزید کی سنائی لے کر قاصد آیا تو عمر کے پاس ابوسفیان بیٹھا تھا۔
 عمر نے اس خط کو پڑھ کر ابوسفیان سے کہا، خدا تمہیں یزید کے ماتم میں صبر دے
 اور اس پر رحم کرے۔ ابوسفیان نے کہا اب آپ اس کی جگہ پر کس کو معین کریں گے
 کہا اس کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے کہا، بیشک امیر المؤمنین نے صلہ رحم کیا)
 ظاہر ہے کہ دمشق کا صوبہ اور شام کا
 وسیع ملک اپنے اصلی مرکز حجاز اور

معاویہ کے عہد کے مسلمان

اس کے دارالسلطنت مدینہ سے ہزاروں میل دور تھا۔ ایسے دور دراز مقام
 پر اسلامی شعاعیں پوری طرح اسی وقت پڑ سکتی تھیں جب کہ وہاں تبلیغ کا پورا
 پورا بندوبست کیا جاتا۔ تلوار کے خوف سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ لا الہ

اللائد کے سوا اور جانتے ہی کیا تھے ؛ ان کو بہت کچھ تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی۔ ایسے
 ماواقف دین لوگوں کو اپنے بس میں کر کے معاویہ اپنے کو جو کچھ چاہتا کہہا سکتا تھا
 اور اہل بیت رسولؐ سے جس قدر چاہتا برگشتہ کر سکتا تھا۔ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ آنحضرتؐ
 کی شان رسالت کیا تھی ؛ دین اسلام کی غرض حقیقی کیا ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے
 کے لیے رسول خداؐ کن لوگوں کو چھوڑ گئے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ رسولؐ
 کے عزیز کون ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کا ان سے کیا تعلق ہے۔ حسنینؑ ان کے کون تھے۔
 اس جہالت اور نادانیت نے معاویہ کا کام بنا دیا۔

معاویہ اپنے کو عمر پر ترجیح دیتا تھا :
 شام کی گورنری حاصل کر کے
 معاویہ کی بددماغی اس حد
 تک پہنچ گئی تھی کہ اوروں کا کیا ذکر وہ اپنے کو اپنے خاص محسن و مربی سے بھی
 فائق و برتر سمجھنے لگا تھا۔ بدہر منبر وہ اپنے کو حضرت عمرؓ پر ترجیح دیتا تھا اور ان سے
 زیادہ اپنے کو مستحق خلافت جانتا تھا (دیکھو صحیح بخاری کتاب المغازی اور شرح
 تیسر الفاسی)

حجر بن عدی جو نہایت متقی و پرہیزگار صابم الدہر و قائم الیل بزرگ تھے اور
 امیر المؤمنین علیہ السلامؑ بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے ان کو اسی معاویہ نے محض
 محبت علیؑ کے جرم میں قتل کیا۔

شرعیۃ اسلامی کا یہ متفق علیہ حکم ہے کہ آنحضرتؐ کو سب و شتم کرنے والا
 اسلام سے خارج اور واجب القتل کافر ہے۔ اور آنحضرتؐ کی یہ معتبہ و مستند
 حدیث ہے۔ علیؑ منی و امانہ من سب علیا فقد سبنی و
 من البغض علیا فقد البغضی و من فارق علیا فقد فرقتی
 اللہم وال من والاه و عاد من عاداه (علیؑ مجھ سے ہیں اور میں

علی سے ہوں جس نے علی کو سب و شتم کیا اس نے مجھے سب و شتم کی جس نے علی کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ جس نے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ خداوند دوست رکھ اسے جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے ایس جس معاویہ نے حضرت علی پر برسوں برا اور سب و شتم کرائی کیا وہ دائرۃ اسلام میں باقی رہ سکتا ہے؟

معاویہ نے بیت المال مسلمانوں کو مال مفت سمجھ کر آل محمد کے فضائل مٹانے اور اپنی جھوٹی

معاویہ کا فضائل اہلبیت مٹانے میں

لوگوں کو رشوت دینا

فضیلتیں پھیلانے میں خوب خوب صرف کیا۔ لوگوں کے دین و ایمان کو خراب کیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اصف بن قیس، حارثہ بن حذافہ، یونس ابن قنادہ اور خباب ابن یزید ایک روز معاویہ کے پاس گئے۔ ان میں سے پہلے تین شخصوں کو ایک ایک لاکھ روپیہ دیا گیا اور خباب کو ستر ہزار۔ جب خباب کو واپسی پر راستہ میں معلوم ہوا کہ اور لوگوں کو ایک ایک لاکھ دیا گیا ہے اور مجھے ستر ہزار تو بڑھ کر آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے مجھے ذلیل کیا اور جھوٹا سمجھا۔ مجھے کیوں نہ ایک لاکھ دیا۔ معاویہ نے کہا۔ اتنی اشتراکیت ان قوم دینہم (میں نے اس قوم سے ان کا دین خرید لیا ہے اور تم کو تمہارے دین پر کہ تمہاری رائے جو حضرت عثمان کے بارے میں اچھی ہے چھوڑ دیا ہے) کیونکہ یہ عثمانی تھا اس نے کہا، نہیں حضرت میرا دین بھی خرید لیجیے اور پوری رقم دیجیے۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۳۵۔

سمجھ لیجیے کہ اس زبردست پروپیگنڈے سے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ امیر المومنین کی فضیلتیں مٹانے کے لیے بے شمار جھوٹی روایتیں گھڑ لی گئیں۔ یہ ہے معاویہ کا ایمان اور

اس خاندان والوں کا اسلام۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہوا خواہان بنی امیہ اس گندی خلافت پر مٹے ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ پر تبراً: مولانا شبلی سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثوں کی ترویج ہوئی سمجھوں نے پورے نوے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور ایران تک مساجد جامع میں آمل فاطمہؑ کی توہین کی اور جمعہ میں منبر پر حضرت علیؑ پر لعن کہلوا یا۔ سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔

سمرہ بن جندب کو چار لاکھ روپیہ دربارِ شام کے نورتنوں میں کے ایک دن سمرہ بن جندب صحابی حضرت علیؑ کی مذمت کرتے کیلئے ہیں جو معاویہ کے خاص ندیم و شیر اور نفسِ ناطقہ ہیں۔ بغضِ علیؑ و اولادِ علیؑ میں یہ بھی معاویہ کے قدمِ مقدم ہیں۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں جہاں معاویہ کے ظلم و تشدد اسفا کی و بے رحمی قتل و غارت کی ہزار ہا عبرت خیز داستانیں مرقوم ہیں۔ ان جناب کا نام نامی بھی امیر صاحب کے ساتھ نہ تھی ہے۔ ان کو چار لاکھ روپیہ بیت المالِ مسلمین سے صرف اسی کام کے لیے دیا جاتا تھا کہ اہلِ شام کے سامنے علیؑ کی مذمتیں بیان کیا کریں اور قرآن مجید کی وہ آیات جو کافروں اور فتنہ پردازوں کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں معاذ اللہ علیؑ علیہ السلام کی شان میں بیان کریں اور لوگوں کو اس کا یقین دلائیں گے (نصائح کافیہ ص ۱۵) اس کے علاوہ ان کو یہ عہدہ بھی دیا جاتا ہے کہ زیادہ کے اسسٹنٹ بنا کر اس غرض سے بصرہ اور کوفہ بھیجے جاتے ہیں کہ دستارِ ان علیؑ پر جی کھول کر ظلم و تشدد کریں اور قتل و

غارت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں۔

چنانچہ اس دشمن آلِ رسولؐ کے ہاتھوں
آٹھ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ ابوسواد

بیان کرتا ہے کہ سمرہ بن جندب نے ایک دن میں میری قوم کے ۴۷ آدمی ایسے
قتل کیے جو سب کے سب حافظِ قرآن تھے (نصائح کا فیہ ص ۵۲۔ طبری جلد ۲)

۱۳۲۔ کامل جلد ۲ ص ۲۳۳)

اٹلی کا ایک مشہور و معروف فاضل حکیم ڈیڈورم نال نے استبداد پر ایک
رسالہ لکھا ہے جس کا ترجمہ مولوی عبد الرزاق صاحب طبع آبادی نے فرما کر
شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ سپیک لائبریری مالی گنج سرکل روڈ کلکتہ سے ملتا ہے۔

حکیم موصوف نے پہلے اس رسالہ میں حکومت و سلطنت مستبدہ کی تعریف
اور معنی بیان کیے ہیں۔ پھر مذہبی اور سلطنتی استبداد کو بیان کر کے سلطنت و حکومت
اور اس کی سیاسی آزادی کے اصولوں کو تمام عالم کی سلطنتوں کے مقابلہ میں بہترین
حکومت تسلیم کیا ہے۔ ہم اپنے ناظرین کے ملاحظہ کے لیے اس کا اقتباس ذیل
میں درج کرتے ہیں۔

”اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے والے انصاف پسند حضرات خود دیکھ

سکتے ہیں کہ یہ ظالمانہ حکومتیں اور وہ جاہل اور مستبد حکام جنہوں نے

دین محمدیؐ کو برباد کیا اس کی نورانی ہدایات کو پس پشت ڈالا۔ حدود

الشہ کو توڑا، محمدؐ کے سچے اور نورانی اصول حکومت و سلطنت پر ذلت

خواری کی ہر لگائی۔ اپنی بد معاشیوں کا آلہ کار بنایا کیا وہ یہی ظالم و جاہل

لفس پرست غاصب نااہل بنی امیہ نہیں ہیں؟ اور انہی کے ظلم و جور

اور قتل و غارت کی غاصبانہ خلافتیں اور حکومتیں نہیں ہیں جنہوں

فصوصِ سلطنتِ اسلامی اور ہدایات و قانونِ شریعتِ محمدی کو اپنی عیش
پرستی و نفس پروری پر قربان کیا اور حدودِ الٰہی کو توڑ کر سچی روحانی
سلطنتِ محمدی کو برباد کر ڈالا۔ انہی کے حکم سے حکماء و عوفا و زہر
کے پیالے پی کر یا تلواروں سے قتل ہو کر دنیا سے رخصت کیے گئے،

میسر آسرنی ڈوڈری، سیڈی لاٹ اور ہنسز وغیرہ مشہور و معروف محقق و مؤرخین

یورپ نے اپنی تاریخوں اور تصنیفوں میں بنی امیہ کے ان ظالم و جابر و غاصب خلفاء
کی بے دینی اور ظلم و تشدد پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ آنریبل امیر علی کی ہٹری آف
ساری سن اور اسپرٹ آف اسلام میں ان محققین کے اکثر اقتباسات موجود ہیں
جس کو ہم آئندہ کسی موقع پر درج کریں گے۔ ان کے بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے
کہ سچی سیاستِ اسلامی اور حقیقی سیرتِ محمدی کے جلوے اسنتِ رسولؐ کے مرتقے
سوا سیرتِ مرتضوی کے اور کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ اسپرٹ آف اسلام میں بنی امیہ
کے دین و ایمان اور اسلامی حالات اور ظلم و تشدد کو اچھی طرح دکھایا گیا ہے
اور انھوں نے اپنے بیان کی تائید میں ڈوڈری، آسیرن، سنڈی لاٹ اور ہنسز
وغیرہ کے خیالات بھی درج کیے ہیں۔

حدیثِ دفعہ اور تاریخِ دسیر کی کتابوں میں جہاد کے متعلق احکاماتِ نبویؐ کو دیکھو
سیرت و عملِ رسولؐ پر نظر ڈالو۔ آنحضرتؐ کے ان خطبات اور ارشادات کو پڑھو
جو افواجِ اسلامی اور سپہ سالارانِ لشکر کو فرمائے جلتے تھے۔ ان سے پتہ چلے
گا کہ جنگ میں بھی آنحضرتؐ نے اصولِ انسانیت کو کسی موقع پر فراموش نہیں کیا۔
حضرت کی یہ تاکید رہتی تھی کہ ہرگز کسی کو جبر و اکراہ کے ساتھ قتل و غارت سے
درا کر اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میدانِ جنگ میں ہرگز کوئی عمل الیا
نہ کرو جو انسانیت کے ماتھے پر شرمناک دھبہ کہا جائے لیکن افسوس بنی امیہ کے

نفس پرست اور بدطینت سلاطین نے اپنی فتوحات میں وہ شرمناک عمل کیے جو آنحضرتؐ کے طریقے کے بالکل خلاف تھے۔ کونسا ظلم تھا جو انھوں نے خلق خدا پر نہ کیا۔ کونسا تشدد تھا جو کمزوروں پر روا نہ رکھا۔ اسلام بذریعہ شمشیر پھیلنے کا الزام انھیں بدعشرتوں کی ذات نے اسلام پر لگایا۔ اس کے تمام تر ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ ان کو اسلام سے درحقیقت کوئی دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ یہ تو غرض کے بندے اور مال و دولت کے بھوکے تھے۔

مسٹر گاڈ فری ہاگیس لکھتے ہیں کہ پچھلے مسلمان فہمندیوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بے رحمیاں کی ہیں جن کا الزام عیسائی مصنفین نے بڑی جہد و جہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ (اعجاز التنزیل ص ۲۵۸) مسٹر کارلائل لکھتے ہیں کہ محمدؐ کی وفات کے بعد گو کتنا ہی جبر کے ساتھ اسلام غیر مذہب قوموں میں پھیلا یا گیا ہو مگر کچھ شک نہیں کہ ظلم و ستم کا استعمال اس کی زندگی میں بالکل نہیں ہوا۔

مشہور و معروف مؤرخ ایڈورڈ گبن اپنی تاریخ میں بانی اسلام کی اس بے مثال سیرت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ عقل خیر اندیش یقین کر سکتی ہے کہ محمدؐ کی اصلی غرض مخلوق کی سچی بھی خواہی تھی مگر ایک انسان پیغمبر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسے پٹیلے کافروں کی برداشت کرے جو اس کے دعووں کا انکار اور اس کی دلیلوں کی تحقیر کریں اور اس کی جان کو انیرا دیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو تو معاف کر سکتا ہے مگر خدا کے دشمنوں سے واجب طور پر عداوت رکھ سکتا ہے۔

لیکن اس بیان کے خلاف بنی امیہ نے دشمنان خدا و رسولؐ سے نہیں بلکہ دوستداران خدا و رسولؐ سے اپنی عداوت کا اظہار کیا اور ایسے لوگوں

پر اپنی تلواریں کھینچیں جو دینِ الہی کے سچے محافظ تھے۔

بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں میں جہاں ذریتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے خلاف حدیثیں اور روایتیں بنا کر شائع کی جاتی تھیں وہاں یہ احکامات بھی زور و شور سے جاری کیے جلتے تھے کہ بنی فاطمہ اور آلِ محمدؐ کے پاس لوگوں کو جلانے اور ان سے دس و تدریس اور حدیث و روایت کے سننے سے روکا جائے اور ان پر سختیاں کی جائیں اور دوسرے لوگوں سے مسئلے پوچھنے، سننے اور سیکھنے پر روکے اور اشرافِ انعام دی جائیں۔ اسی پر وینگینڈے کا یہ اثر ہے کہ علیؑ سے بغض و محذور رکھنے والے اب بھی علیؑ اور آلِ علیؑ کی فضیلتوں پر پردہ ڈالنے اور صحیح احادیث کو غلط ثابت کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا جیسی مشہور و مستند حدیث جس کو سنیہوں علماء نے درج فرمایا ہے اور صحیح تسلیم کیا ہے۔ بنی امیہ کے دوست اور دشمنانِ علیؑ اس کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں وضعی ہے کبھی کہتے ہیں ضعیف و غریب ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ راوی شیعہ ہے اس لیے ساقط الاعتبار ہے۔ حالانکہ یہ ایسی صحیح اور مستند حدیث ہے کہ دنیا نے اسلام میں ریکارڈ علماء نے اس کو معتبر اسناد سے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔



تاجدارِ شہادت

حق و صداقت کا شہزادہ پیارے رسولؐ کا پیارا نواسہ

شاہ بہت حسینؑ بادشاہ بہت حسینؑ دین بہت حسینؑ دین پناہ بہت حسینؑ
سرداد، نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لاکر بہت حسینؑ

کتب آسمانی، صحف انبیاء، دستاویز قدیم ارتقاے انسانی کے کوالف بیان کرنے والی مہٹریاں اور تاریخ عالم کی کتابیں سب شاہد ہیں کہ ابتداء عالم سے اسلام کے بانی حضرت محمدؐ عربی کی بے مثال مہتی اور بے نظیر ذاتِ قدسی بطور ایک ہادی کامل اور رفیقاہ حقیقی کے مشہور و معروف چلی آ رہی ہے۔ زمانہ ابتداء آفرینش سے محمدؐ کے نام سے واقف ہے۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اس خاتم رسالت اور آفتاب ہدایت کے طلوع کی خوش کن پیشین گوئیاں برابر فضلے عالم میں گونج رہی ہیں اور خاصان الہی اپنے اپنے زمانے میں یہ بیان کرتے رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا مصلح اعظم انسان کامل، تمام انبیاء کا سر تاج اور کل رسولوں کا سالار اور دنیا کا آخری ہادی و رہبر کامل آنے والا ہے، آئے گا اور ضرور آئے گا۔ تورات نے بتایا، انجیل نے سنایا، زبور نے اعلان کیا۔ زند و پاژند نے خبریں دیں۔ وائیل کی

پیشین گوئیاں ہوئیں۔ آخر وہ وقت بھی آگیا۔ زمانہ نے کروٹ بدلی۔ فاران کی چوٹیوں سے وہ ہدایت کا آفتاب طالع ہوا۔ یعنی خاندان بنی ہاشم میں، سرزمین عرب پر وہ ستارا چمکا جس کی روشنی دنیا میں پھیلی اور جس نے قیامت تک کے لیے اپنی ہدایت کی نورانی شعاعوں سے دنیا کو روشن و منور فرما دیا۔ ظلمت کدہ عرب کے غارِ حرا سے رحمت و ہدایت کا وہ نورانی بادل اٹھا جس کی آبپاری نے دنیا میں علم و عمل اور ہدایت و رہبری کے چمن لگائے۔ صدق و صفا کے پھول کھلائے، حکمت کے چشے بہائے۔ دین دنیا کی ترقی کے گڑ بتائے اور جس کی مبارک گرج نے توحید کے ڈنکے بجائے۔ شرک و بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ آشکدہ فارس پر پانی پھر گیا۔ کسریٰ کے محل ہلے، روم پر بجلیاں گریں۔ تثلیث کے چھکے پھوٹ گئے۔ بتوں کے راج ٹٹ گئے۔ استبدادی حکومتیں مٹ گئیں۔ ظلم و جور کی حکومتیں خاک میں مل گئیں۔ فسق و فجور کی گرم بازاریاں سرد پڑ گئیں۔ حیا سوز اور شرمناک رسمیں دنیا سے دور ہو گئیں۔ قانون محمدی نے دنیا میں حریت و مساوات کی رو دوڑائی۔ اسلامی اخوت کے اصول سکھائے۔ محبت و الفت کے رشتے جوڑے۔ رحم و انصاف کے سبق پڑھائے۔ تعظیم الہی کے ساتھ الخیر الی خالق اللہ کے اصول تعلیم کیے۔ معاد و معاش کو لازمی قرار دیا۔ روحانی پاکیزگی کے طریقے سکھا کر معاشرتی حدود و تعلیم فرمائے اور دنیا کو حقیقی صداقت اور سچی ہدایت سے سرسبز و شاداب بنا دیا اور اسلام کی نورانی برکتوں سے زمانہ کو روشن و منور فرما دیا۔

مشرکین مکہ توحید کے مخالف دین و ایمان کے دشمن، علم و عمل سے جاہل، خلق و محبت سے میرا، کفار عرب، یہود و نصاریٰ اور حکومت کے لاپچی دولت کے حریص اور استبداد پسند انسان، بنی ہاشم کے قدیمی دشمن بنی امیہ وغیرہ اس آفتاب رسالت کی بڑھتی ہوئی روشنی کو بھلنے اور اس خدا کی شمع ہدایت کو گل کرنے کے لیے ہمیشہ

اپنی آخری قوت و طاقت تک زور لگاتے اور جان توڑ کوششیں کرتے رہے اور
 اس خیر مجسم بادی و رہبر کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، تکلیفیں دیں، شعب ابوطالب
 میں بند کیا۔ مقاطعے کیے، پتھر برسائے۔ خاک بھرے ٹوکڑے سر پر ڈالے، قتل
 کی تدبیریں کیں۔ مگر چھڑایا، وطن سے نکالا اور پھر فتح مکہ (۶۱۰ء) تک برابر
 لڑائیاں لڑتے اور جنگ آزمائیاں کرتے ہی چلے آئے۔ اس مصلح قوم، بادی
 کامل، رہبر اعظم اور محبوب الہی کے خون کے پیاسے ہی بنے رہے۔ شبِ ہجرت کے
 واقعات، اُحد کی جنگ، خندق وغیرہ کی لڑائیاں اس شدید عداوت پر شاہد ہیں
 غرض کہ ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر ہمیشہ منہ کی کھائی اور دین و دنیا کے مالک
 نے اپنے رسولؐ کی ہر ہر موقع پر حفاظت فرمائی۔ اس کے فضل و کرم سے دین
 محمدی دن و رات چوگنی ترقی کرتا ہی چلا گیا۔

نہ کچھ پیری چلی بادِ صبا کی

بگڑنے پر بھی زلف اسکی بنا کی

کفار کی طاقتیں گھٹ گئیں۔ بنی امیہ کے زور ٹوٹ گئے، اور آخر کار ان کو
 بھی بظاہر اسلام قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ یسویں دن لیطفوا
 نور اللہ باقواہم واللہ متحہ نورہ و لو کرہ المشرکون
 اور لیظہرہ علی الدین کلہ و لو کرہ الکافرون کی بشارت ثابت
 ہو کر رہی۔ پرچم اسلام دنیا کے کونے کونے پر لہرایا اور اذانِ محمدی عالم کے
 گوشے گوشے میں گونج اٹھی۔ اگرچہ اب تقریباً چودہ صدیاں گزر چکی ہیں کہ وہ
 آفتابِ ہدایت دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یعنی وہ مقدس اور عظیم الشان ہستی
 اپنے مشن کو ختم فرما کر، دین و دنیا کی برکات و نعمات کو کامل کر کے آئندہ کی ہدایت
 و رہبری کے لیے ارشادِ ہدایت بنیاد اتی تارک فیکم الثقلین الخ کا حکم محکم

سنا کر دنیا سے تشریف لے گئی اور اب بظاہر طبیعت کی مبارک سرزمین پر پڑے انوار گنبدِ خضر کے نیچے رحمتِ الہی کے سایہ میں آرام فرما رہی ہے (اور احوالہ الفدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیکن اس کی نورانی ہدایت کی شعاعیں اب بھی دنیا کو اسی طرح روشن فرما رہی ہیں اور اس کی رحمت و ہدایت کے بادل اب بھی اسی طرح دنیا پر برس رہے ہیں۔ اور اس کا نام نامی اپنی عظمت و جلال کے سکے عالم پر بٹھا رہا ہے۔ دیکھو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک یورپ کی فضاؤں میں افریقہ کے صحراؤں میں، ایشیا کے میدانوں میں، ہندو کی لہروں پر، ایلپس کی برفانی چوٹیوں پر، سہال کے سرسبز پہاڑوں میں لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی پیاری آواز اور مبارک صدا ایک دفعہ نہیں دن رات میں پانچ مرتبہ گونجتی، تو حید کا ڈنکا بجاتی اور بانیِ اسلام محمد عربی کے پیارے نام کی بلند کر کے اسلام کی تبلیغ فرما رہی ہے۔

بنی امیہ کا عروج اور روحانی اسلام کا زوال

جبکہ شہنشاہِ اسلام تاجدارِ رسالت کی آنکھیں بند ہوتے ہی بنی امیہ کی وہ مٹی ہوئی طاقت اور ٹوٹا ہوا زور جو عہدِ رسالت میں بوجہ ان کی نااہلیت و ناقابلیت کے بالکل ختم ہو چکا تھا، پھر اسلام کے برقعہ میں دوبارہ زندہ ہونے اور طاقت پکڑنے لگا۔ اور ان ہوا پرستوں، حکومت و دولت کے لالچیوں، نااہل دنیا پرست غداروں نے اسلامی چولہ پہن کر اپنی ہوس رانیوں اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے احکامِ قرآنی کو پس پشت ڈال دیا۔ کتابِ الہی کو پھوڑ دیا (ات شوحی اتخذوا ہذا القرآن مہجوراً) عزتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذریتِ نبوی کی پیروی سے منہ موڑ لیا۔ آلِ محمدؐ کے

خون کے پیاسے ہو گئے۔ ان کی استبدادی تلواروں اور ظالمانہ و جابرانہ حکومتوں کے زور سے سچی سلطنت محمدی حقیقی روحانیت اور نورانی حوریت اسلامی ٹٹنے اور برباد ہونے لگی۔ شریعت محمدی کے احکام کھٹم کھٹا بدلے جانے لگے۔ سنت رسولؐ میں تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ حرام محمدی کو حلال اور حلال محمدی کو حرام بتایا جانے لگا۔ بنی امیہ کے فاسقانہ اطوار، غاصبانہ کردار اور استبدادی حکومتوں کی سیاہ آندھیاں اسلام کے نورانی پیکر کو گرد آلود کرنے لگیں۔ جیسا کہ تاریخوں کے دیکھتے اور اس زمانے کے حالات واقعات کو پڑھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بنی امیہ نے اپنی خواہشات نفسانی کے لیے اپنی استبدادی تلواروں کے زور سے شریعت محمدی اور قانون اسلامی میں کیسی خرابیاں پیدا کر دی تھیں (جن کو ہم تفصیل سے آئندہ بیان کریں گے) اور وہ وقت آگیا جس کی خبر خضر صادقؑ تہنئاً رسالتؐ نے بطور پیشینگوئی بیان کی تھی۔

یزید کے متعلق رسولؐ کی پیشین گوئی: **اَوَّلُ مَنْ يَبْدُلُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي اُمِيَّةٍ اَوَّلُ مَنْ**

پہلا "رجل" من بنی امیہ یقال له یزید (میری سنت اور میرے طریقہ کو بدلنے والا پہلا شخص بنی امیہ سے ہوگا اور وہ پہلا شخص جو دین اسلام میں رخنہ ڈالنے والا ہے وہ بنی امیہ میں سے یزید نام کا ہوگا) (سیرۃ محمدیہ مولوی کرامت علی۔)

۱۲۷۲ھ پر درج کرتے ہیں۔ قال صلعم ان اهل بيتي سيلقون بعدى من امتي قتلاً وتشريعاً وان اشد قوم لنا بغضنا بنو امية و بنو مغيرة و بنو مخزوم و صحبي اجمعين يعني رسول اللهؐ نے فرمایا میرے بعد میری امت میرے اہلبیت کو قتل کرے گی۔ گمروں سے نکالے گی، ہمارے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والی قوم بنی امیہ و بنی مغیرہ اور بنی مخزوم ہیں۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

صواعق محرقة ص ۱۳۲ - تاریخ الخلفاء ص ۲۰۸، النصارح کافیہ ص ۱۰۸ - الحاف ص ۲۱ -
اسعاف الراغبین ص ۱۹

حسینؑ اسلام پر فدا ہو کر

نانا کی طرح اپنی خداداد بادشاہت کے پھر یہیے دنیا میں اڑاتے ہیں

تاجدار اسلام شہنشاہ رسالت رسول عربی کے جان و جگر خدا کے سچے عاشق۔
توحید کے فدائی اور حق کے شہیدائی کر بلا والے حسینؑ نے بھی اپنے نانا کے حکم کے
مطابق حفاظتِ دین میں نانا کی طرح انتہائی مصائب جھیلے۔ طرح طرح کی تکلیفیں
اٹھائیں۔ تلواروں سے گھائی ہوئے۔ خون میں ڈوبے، سر کوٹا یا، گھر بار لٹا یا، مگر
خدا کے سچے دین کو نانا کے مبارک دین کو شرمندہ کفر نہ ہونے دیا۔ بے شک حسینؑ
اپنے خون کے قطروں سے اپنے زخمی گئے سے اپنے سوکھے ہونٹوں سے جس طرح
حقیقی اسلام اور اسوۂ رسولؐ کی تعلیم و تبلیغ فرما رہے ہیں اسی طرح اپنی بے مثال سلامی
شہادت اور بے نظیر صداقت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہترین نمونہ خلقِ اللہ
کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اس عمل سے اس خداداد اور روحانی بادشاہت
کے پھر یہیے دنیا پر اڑا رہے ہیں جس کو قیامت تک کبھی نہ دال ہونے والا ہیں۔

آج اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں جس طرح اسلام اور بانی اسلام حسینؑ کے
پیارے نانا کا مبارک نام عظمت و وقار کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح حسینؑ کا پیارا
نام بھی صداقت و حقانیت کی دنیا میں بڑے فخر و مباهات کے ساتھ لیا جاتا ہے۔
یورپ ہو یا افریقہ، ایشیا ہو یا امریکہ، جرمن و فرانس کی مسجدیں ہوں یا لندن کی،
عرب کے دشت و بیابان ہوں یا عجم کے سبزہ زار، شام کے گلزار ہوں یا مصر کے

مینار، روس کے میدان ہوں یا کابل کے کوہستان، سندھ ہو یا مہند، چین ہو یا
جاپان، سائبیریا کے جنگل ہوں یا سمندر کے ساحل۔ غرض کہ شہر ہو یا گاؤں یہاں
اور جس مقام پر بھی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
کی پر عظمت و جلال آواز کانوں کو سنائی دیتی ہے وہاں یقیناً حسینؑ کا پیارا
نام حسینؑ کی بے مثال اسلامی قربانی اور بے نظیر ہدایت کو یاد دلانا نظر آتا ہے۔
موافق و مخالف، مسلم و غیر مسلم، علمائے جلیل القدر اور محققین و مورخین یورپ
ایشیا کی تقریروں اور تحریروں میں حسینؑ کی بے نظیر ہدایت اور اعلیٰ صداقت و
حقانیت کے روشن ستارے آسمانِ شرافت و فضیلت پر مثل آفتاب جگمگاتے
دکھائی دیتے ہیں۔

حسینؑ اور ان کی صداقت و حقانیت کے متعلق مورخین جرمن و فرانس
کی زہریں رایوں کو ہم یہاں درج کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ شائقین ہماری کتاب
”ناموس اسلام“ جلد اول میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسلام کے علمائے عالی منزلت
بزرگانِ دین، امام و علامہ اور مستند محدثین متقدمین و متأخرین نے
اپنے پیارے رسولؐ کے اس پیارے فرزند، مظلوم کر بلا، حسینؑ شہیدؑ
کی اس شہادتِ عظمیٰ کے متعلق جس عقیدت اور خلوص کا اظہار فرمایا ہے
اور جس سچی تحقیق سے کام لیا ہے اور جس جوش کے ساتھ ان کی صداقت و
حقانیت کا اعتراف فرمایا ہے وہ ان کی تالیفات و تصنیفات کے
دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر ان سب تحریروں کو ایک جگہ جمع
کیا جائے تو بے شک حسینیؑ لائبریری کے نام سے ایک عظیم الشان
کتب خانہ تیار ہو سکتا ہے۔

حسینی شخصیت اور شہادت کے متعلق

زمانہ حال کے اسلامی محققین کی رائے

ہم اس مقام پر صرف زمانہ حال کے ان چند نامی گرامی علماء کی رائے کو پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں جو اسلام کے موجودہ فاضل محقق، فلاسفر، مستند مؤرخ اور مسلمانان ہند کے مذہبی لیڈر بھی مانے جاتے ہیں اور امام و علامہ کے بزرگ القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان تحریروں سے یہ ثابت ہوگا کہ ان علمائے عالی قدر نے حسینؑ کے بے مثال و نادر دشمن، نفس پرست، فاسق و فاجر یزید بے دین کے (جو بلا شک حسینؑ کی شہادت کا موجب تھا) حمایتیوں، ہواخواہ مریدوں اور متعصب طرفداروں کے ان پھر و چرپوز گندہ اعتراضوں کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے جو حسینؑ کی بے مثال شخصیت کو مٹانے اور یزید کی ناپاک پوزیشن پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں رہا کرتے ہیں۔

قاضی محمد سلیمان صاحب: ہمارے مکرم و محترم فاضل دوست جناب
قاضی محمد سلیمان صاحب جو اہل حدیث
کے مسلمہ عالم اور محقق فاضل ہیں۔ اپنی کتاب رحمۃ للعالمین ص ۲۴۳ پر حسینؑ کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

۶۱ھ کے ماہ شعبان میں امام حسینؑ پیدا ہوئے جو عشرہ محرم ۶۱ھ میں میدانِ کربلا میں نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان و مال اور حرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ امام حسینؑ نے اس جنگ میں صبر و استقلال، رضا و توکل، احقاقِ حق،

اتباع صداقت کے ایسے نمونے دکھلانے جن کی تفسیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ نبی کے فیضان تربیت کا اثر و نتیجہ ہے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر اتباعہ اجمعین

مولانا ابوالکلام آزاد: حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے جو ہند کی اسلامی دنیا

میں امام الہند کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اپنے

اخبار "الہلال" میں "عشرہ محرم" کے عنوان سے ایک زبردست مضمون حسین کی شہادت کے متعلق شائع فرمایا ہے جو سال گزشتہ لاہور کے اخبار "الغلاب" کے "شعبہ نمبر"

۳۷ میں الہلال سے نقل کر کے شائع کیا گیا تھا ہم اس کو ذیل میں نقل کرتے ہیں

شمع با برده ام از صدق بخاک شہداء

تادل و دیدہ خون تاب فشاخ دا دند

(ارشادات حضرت امام احمد مولانا ابوالکلام آزاد)

"اب کے کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ الہلال کی اشاعت ٹھیک محرم

کے دن واقع ہوئی ہے۔ میرا اشارہ حادثہ کربلا یعنی شہادت سید الشہدا

علیہ و علیٰ اجدادہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے عظیم اللہ

اجوڑنا بمصائبنا۔

سچ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کی ضرورت ہے جن ارباب

درد کو روح کی راحت کے لیے جس ماتم کی تلاش ہو... ان صحبت

ماتم و الم کی رونق کے لیے یہی افسانہ اتنا کچھ سامان غم اپنے اندر

رکھتا ہے۔ کہ اگر خون کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں آجائیں

جب بھی ان کی ندائے حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی جو اس

کے ایک ایک لفظ کے اندر توجہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔

لیکن آہ کتنے دل میں جنہوں نے اس واقعہ کو بصائر و معارف کے اندر دیکھا ہے اور کتنی آنکھیں جو حسین بن علیؑ شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسینؑ کو سامنے رکھتی ہیں۔“

اسوۂ حضرت امامؑ: فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان قربانی تھی جو صرف اس لیے ہوئی تاکہ پیر و انِ اسلام کے لیے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہادِ حق، عدالت اور اس کے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لیے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے۔ پس جو باخبر ہیں ان کو رونا چاہیے اور جو روتے ہیں ان کو صرف رونے پر ہی اکتفا نہ کرنا چاہیے۔ ان کے سلسلے میں سید الشہداءؑ نے اپنی قربانی کا ایک اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے اور کسی طرح روح کے لیے ہرگز جان نہ نہیں کہ محبت حسینؑ کی مدعی ہو جب تک اسوۂ حسینؑ کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر ثبوت نہ دے۔

حیات جاوید: دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیاتِ الہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں ہوتے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر ز مال از خیب جانِ دیگر است

لیکن افسوس ہے کہ شرح و بسط کے لیے میں اس وقت مستعد نہیں۔ صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کروں گا۔

قربانی: سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثہ عظمیٰ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے ”دعوت الی الحق اور حقِ حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے“ کوئی حکومت

جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ اور جابرانہ حکومت کا غلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و فاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت اور حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ و جابرانہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ ظلم و جبر پر ہو۔

قلوب سامان و رفقاء: مقابلہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمارے پاس قوت و شوکت مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے سامنے ہے کیونکہ حسین بن علیؑ کے پاس چند ضعیف اور مساکین کی جمیعتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نایاب کی فکر سے بے پروا ہے۔ نایاب مرتب کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ اس قوتِ قاہرہ عادلہ الہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب اور فتح مند کرتی ہے اور ظلم کو باوجود جمیعت و عظمتِ دنیوی کے نامراد و ناکوار کرتی ہے۔ ”وَكَمْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئْتَهُ كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ“ ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے جو فی نفسہ اگرچہ دانائی اور عقل کا فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطانِ رحیم بھی اس کے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے۔ نفسِ خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کسی نے کیا ہے کہ ہم کریں۔ آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخِ عالم کی صد ہا مثال مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر ہمارے سامنے خود مظلوم کر بلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے

حکومتوں کی توپوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کیا ہے کہ کبھی کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ حسین بن علیؑ نے صرف بہتر یا باسٹھ بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہرہ و جابرہ کا مقابلہ کیا جس کی حدود سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والی تھی۔

مقابلہ ظلم لازمی ہے : حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ ہمیں بتلاتا ہے کہ تم نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظلم و جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لیے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اسے ہونا چاہیے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر مؤثر نہیں ہو سکتا اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لیے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظالم خواہ ضعیف یا قوی ہو ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

مصائب راہِ حق : حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب راہیں۔ قدم قدم پر جہان و ناموس اور فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو دیکھ دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ یہ نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

خوف و ہراس، بھوک و پیاس، نقصانِ اموال و متاع، قتل نفس و اولاد یہ چیزیں انسان کے لیے اس جہان میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں اس لیے انہی کو راہِ الٰہی کے لیے آزمائش قرار دیا گیا۔ مظلوم کو بلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پا کر آرام و راحت اور شوکت و عظمت حاصل کر سکتا تھا۔ پر اس نے

خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی۔

استقامت: سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثہ عظیم کی شان

حال اس کی ترجمانی کرتی ہے راہ مصائب اور جہاد حق

میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے۔ اِن الَّذِي قَالَ وَاَرْسَلْنَا اللّٰهَ

اِسْتَقَامًا مَّوَادِدَ مَرِيٍّ كَمَا فَاَسْتَقِمَّ كَمَا اَمَرْتُ وَلِلّٰهِ دَرَاهِمُ قَالَ

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ

آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ زند

فی الحقیقت اس شہادتِ عظمیٰ کی سب سے بڑی مزیت اور خصوصیت

یہی ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اہل و عیال اور فرزند و احباب کے ساتھ دشتِ

غربت و مصائب میں محصور اعدا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ہجر گشتوں

کو شدتِ عطش و جوع سے آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا پھر ان میں سے ایک

ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا حتیٰ کہ اپنے طفل شیرخوار کو بھی

ظلم و بربریت سے نچیر پانا مگر بایں ہمہ راہِ عشق و صداقت میں جو پیمانِ صبر و استقامت

باندھا گیا تھا اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشرِ دقیقہ کے لیے بھی متزلزل نہ ہونا، آج

بھی اگر گمشدہ حقیقت نبوت باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرہ تو جہ فرمائے

صبر و استقامت ہے

شدیم خاک و لیکن جوئے تربتِ ما

تو اں شناخت گریں خاکِ مردے نیرد

ایوالکلام کے مضمون پر یہ یارک: بے شک مولانا ابوالکلام آزاد

یہ مختصر مگر نہایت جامع مضمون

صداقت و حقانیت سے پُر ہے جس طرح اس کا ایک جملہ امام مظلوم کی بے مثال

شخصیت اور لازوال شرف و عظمت پر پوری طرح روشنی ڈال رہا ہے۔ اسی طرح ان کے مخالف دشمن اسلام فرعون امت محمدیؐ یزید فاسق و فاجر کی ظالمانہ خلافت اور جابرانہ و غاصبانہ حکومت و امارت کو بھی باطل اور ناقابلِ معیت ظاہر کر رہا ہے۔ بے شک یہ بیان اس شہادتِ عظمیٰ کے فلسفہ کی سچی تصویر اور شہادتِ حسینؑ کے حقیقی اغراض و مقاصد کی تفسیر ہے۔ بیشک یہ ایسے بے نواں سدا بہار پھولوں کا گلہستہ ہے کہ جس کی خوشگوار ہلک جہاں بخش قوم و ملت ہے اور یزید اور پیروانِ یزید کے مفر اسلام اور زہریلے جراثیم کے گندہ اثرات کو فضائے اسلامی کی ہوا سے دور کرنے والی بھی ہے۔ صاحبانِ بصیرت و حقیقت و اصلیت کے حویا، سچے اسلام کے پرکھنے والے دینِ اسلام کی حقیقی غرض و غایت اور اصولِ تبلیغ کو سمجھنے والے حضرات مولانا موصوف کے اس ضمن کو اگر چشمِ بصیرت اور نگاہِ انصاف سے ملاحظہ کریں گے تو سچے دل سے پکارا مٹھیں گے کہ بیشک یہ بیان حق و صدق پر مبنی ہے۔ لاریب حسینؑ کی قدسی ذات ایسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی بالاتر۔ حسینؑ کا مخالف جو حسینؑ سے اپنی بیعت کا طالب تھا یقیناً جھوٹا، مشرعتِ محمدیؐ سے کوسوں دور اور فسق و فجور کا پتلا تھا۔ اس کی حکومت جسکی بنیاد جبر و شخصیت پر تھی ہرگز اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ یزید کو نہ مشرعتِ اسلام سے کوئی تعلق تھا نہ دینِ محمدیؐ سے کوئی واسطہ اس کا کوئی فعل دین کے دائرہ کے اندر نہ تھا پس ایسی حالت میں حسینؑ کو اسکی بیعت سے انکار کرنا ضروری تھا اور مقابلہ ظلم لازمی۔ یزید اپنے باپ کی طرح خلافت کو غضب کرنے والا تھا۔ اس نے دین کو مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ایسے موقع پر بقول مولانا آزاد حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اسی بنیاد پر شہادتِ حسینؑ کو یہ بے مثال فوقیت اور بے نظیر منزلت حاصل ہوتی ہے۔ حسینؑ نے حق و صداقت کی راہ میں اہمائی زہر گداز اور خشک ربا مصیبتیں بخوشی جھیلیں لیکن یزید

کی جاہلانہ حکومت کو قبول نہ فرمایا۔

سرداد، نداد دست در دست یند

حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

بقول مولانا آزاد خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصانِ اموال و متاعِ قبل
نفس و اولاد ہی چیزیں انسان کے لیے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں
اس لیے انہی کو راہِ الہی کے لیے آزمائش قرار دیا گیا۔ مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام
مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے۔

مولانا محمود وح کا یہ بیان حقیقت بنیان بلا شک خدائے پاک کی اس آیتِ وافی ہدایہ
کی تفسیر ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ لَبْشًى مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالْثَّمَرَاتِ وَلَنَبْلُوَنَّ الصَّابِرِينَ إِذَا صَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ
قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ اِدْعُكَ عَلَيْهِمْ مِّن رَّبِّهِمْ
وَرَحْمَةً وَاذْكُرْ لَهُمْ اَلْهَيْدُونَ (سورۃ بقرہ) یعنی ہم کچھ خوف
کے ساتھ کچھ بھوک کی تکلیف اور کچھ جانوں، مالوں اور پھلوں یعنی اولاد کی کمی (موت)
سے تمہارا امتحان ضرور کریں گے۔ اے رسول! ان صبر کرنے والوں کو لشارات دے
دو کہ جن پر یہ مصیبتیں آ پڑتی ہیں تو وہ کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاغِبُونَ
(ہم تو خدا ہی سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کہ یہی وہ ہمارے
بندے ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت نازل ہوئی اور
یہی بے شک ہدایت یافتہ ہیں۔

اس کلامِ الہی میں من کا لفظ تبارک ہے کہ یہ امتحان صرف تھوڑے سے
خوف اور تھوڑی سی بھوک اور کچھ نقصانِ مال و متاع اور تھوڑے سے قتلِ نفس و اولاد
سے لیا جائے گا لیکن ذرا کربلا کے جلتے جلتے چٹیل میدان میں شہادتِ حسینؑ کے

جائسوز واقعہ پر نظر ڈالو۔ کہ یہ خدا کا عاشق صادق بلکہ لبقول علامہ سراقبال مرحوم امام عاشق
خاتم الانبیاء کا جان و جگر حسینؑ شہید اپنے محبوب خدا کے لئے لاشریک کی محبت میں اسکی رضا و
خوشی کے لیے اس مقررہ امتحانی کورس کو انتہائی کامیابی عزت و ناموری کے ساتھ پورا
ہی نہیں فرماتا۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کی سخت سے سخت آزمائشوں و زخموں اور
پیس و غیرہ کی جانگداز اور روح فرسا تکلیفوں اور اذیتوں کو نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ
دلی سے برداشت کرتا ہے اور شکر کے سجدے کر کے مبرور رضا کے جلوے دکھاتا ہے۔
ہوں بول مسیبتیں بڑھتی جاتی ہیں اس عاشق الہی کا چہرہ مبارک خوشی سے کھلتا چلا
جاتا ہے۔ دیکھو چہ ماہ کا شیر خوار بچہ ظلم و بربیت کا پتھر بنا گلے پر تیر کھائے
خون میں نہائے حسینؑ کے ہاتھوں پر نظر آتا ہے اور حسینؑ کی زبان مبارک سے
کمال صبر و استقلال کے ساتھ رضا بقضاءہ و تسلیم لامرک یا انا
للہ و انا الیہ راجعون طے کے یہی مقدس الفاظ سنائی دے رہے ہیں جو
کلام پاک میں خدائے جلیل نے فرمائے ہیں۔

شہادتِ امام حسینؑ کا سبب کیا ہے؟

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ امام حسینؑ نے یہ شدید مصائب و آلام کیوں برداشت
کیے؟ کیا بیعتِ یزید کے علاوہ کوئی اور امر بھی تھا جو اس عظیم الشان قربانی کا باعث ہوا۔
ہرگز نہیں بیعتِ یزید کے سوا اور کوئی امر ایسا نہیں تھا جس کو قبول و منظور کرانے کا
مطالبہ حسینؑ سے کیا گیا ہو اور اس کے قبول نہ کرنے کی صورت میں یہ تمام مصائب
بیک وقت ان کے سر پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ بے شک حسینؑ یزید جیسے فاسق و فاجر
انسان کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ایک کان واحد کے لیے بھی فرض نہیں کر سکتے تھے
انھوں نے اپنا شہید ہو جانا، گھر لٹ جانا، اولاد کا قتل ہو جانا، عزیزوں کا خاک و خون

میں لوٹنا، عورتوں کا بے پردہ ہونا سب کچھ گوارا کر لیا لیکن نہ گوارا کر سکے تو یہ امر کہ ان کے نانا کا مقدس دین ایک بدکار انسان کی ہوس رانیوں کا کھلوتا بن جائے۔

بیعت کرنے کا سوال معاویہ کی زندگی سے جاری تھا۔ اس کے مرنے کے بعد یزید نے اس کا جانشین بن کر سب سے پہلے یہی سوال اٹھایا حسینؑ برابر انکار کرتے رہے۔ یزید کا حصہ انکار کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ آخر کار اس نے کربلا میں حسینؑ اور ان کے رفقاء کو محصور کر کے قتل کروا ہی دیا۔ کون اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ یزید اپنی خلافت کو امام حسینؑ سے بھبرمنوانا چاہتا تھا، اس نے حسینؑ کو محصور کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ جتنا زور بھی اس کے پاس تھا اس معاملہ میں سب ہی تو صرف کر دیا۔ لیکن کسی طرح حسینؑ پر اس کو قابو حاصل نہ ہوا۔ انھوں نے ایمان فروش مسلمانوں کی طرح سلطنت کے خوف یا دولت کی طمع میں اگر دینی حمایت سے دست کشی اختیار نہیں کی۔ ان کو مدینہ رسولؐ سے نکالا گیا۔ حرم النبیؐ کو چھڑایا گیا۔ پانی بند کیا گیا۔ رفیق و انصار قتل ہوئے۔ بچے ذبح کیے گئے۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ سوکھے گلے کاٹے گئے۔ خیموں کو آگ لگائی گئی۔ ذریت رسولؐ قید ہوئی لیکن نہ ہوئی تو بیعت یزید۔ جو لوگ بیعت کا سوال حسینؑ و یزید کے بیچ میں سے ہٹا کر دوسرے امور کو درمیان میں لا کر یزید کی پوزیشن کو صاف کرنا چاہتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے واقعات کربلا اور اسباب قتل حسینؑ پر غائرانہ نظر ڈالی ہی نہیں۔ اسلامی تاریخ کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا ہی نہیں۔ کیا وہ یزید کے اس خط سے انکار کر دیں گے جو ولید حاکم مدینہ کے نام اس مضمون کا بھیجا گیا تھا کہ جو تک حسینؑ بیعت نہ کر لیں کسی طرح نہ چھوڑے جائیں۔ (دیکھو تاریخ کامل جلد ۱ ص ۱۸۸)

طبری ج ۲ ص ۱۸۸
بیعت کے انکار پر امامؑ کے قتل کا حکم یزید کی طرف سے : یزید کے اسی حکم

کی بنیاد پر مروان مدینہ میں ولید سے کہہ رہا تھا اور زور دے رہا تھا کہ حسینؑ کو ہرگز
 مہلت نہ دو اور کسی طرح نہ چھوڑو یا تو حسینؑ ابھی بیعت کر لیں ورنہ قتل کر دیے جائیں۔
 (طبری جلد ۶ ص ۱۸۹، کامل جلد ۴ ص ۱) پھر اسی کوتاہی اور مہلت دہی کی پاداش میں
 حسینؑ کے مدینے سے روانہ ہوتے ہی اسی سال ولید کو حکومت مدینہ سے معزول کر
 دیا جاتا ہے (کامل جلد ۴ ص ۱، طبری جلد ۶ ص ۱۹۱) یہی یزید بن زفرمان تھے جو ابن زیاد
 کو کوفہ میں بھیج رہے تھے کہ حسینؑ کو کسی طرح نہ چھوڑنا، واپس نہ جانے دینا۔ حسینؑ
 کے قتل کا انتظام کرنا حسینؑ کا سر مع ان کے رفقاء کے میرے پاس بھیجے۔ جب تک حسینؑ
 کا سر کاٹ کر ہمارے پاس نہ بھیج دے نہ پیٹ بھر کر کھانا نہ آرام سے موتا (تاریخ کامل
 جلد ۴ ص ۱۸۹، طبری جلد ۴ ص ۶۱۵، تذکرہ ابن جوزی ص ۱۳۱، نور العین اسفرائینی ص ۳۱۷
 مقتل ابو مخنف وغیرہ)

حج میں قتل حسینؑ کے لیے تہنیش پہاڑی بھیجتا: اسی بیعت سے انکار کی
 بنا پر موسم حج میں مکہ
 کے اندر قتل حسینؑ کی سازش کا انتظام کیا گیا تھا۔ بنی امیہ کے تیس شیطان حاجیوں
 کے لباس میں اسی غرض سے حج کے لیے بھیجے گئے (تاریخ المودۃ ص ۳۷) تذکرہ سبط
 ابن جوزی ص ۱۳۱ جس کی وجہ سے حرمت کعبہ کو بچلنے کے لیے احرام حج کو عمرہ سے
 بدل کر حسینؑ کو مکہ سے نکلنا پڑا جس کو یزیدی امت خروج کے نام سے یاد کرتی ہے۔
حسینؑ کی پیشین گوئی اپنی شہادت کے متعلق: حسینؑ کے ان اشادات

پڑھو جو مکہ سے روانگی کے وقت باراستے میں ملنے والوں اور کوفہ جانے سے روکنے
 والوں کو دیے ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں، میں وہ قربانی کا مینڈھا نہیں بننا چاہتا جس
 کے مکہ میں ذبح ہونے سے بیت اللہ الحرام کی حرمت ضائع ہو۔ حدود مکہ سے

ایک بالشت باہر قتل ہو جانا مجھے گوارا ہے یہ نسبت اس کے کہ مکہ کے اندر قتل ہوں
 کبھی فرماتے ہیں: مجھے بنی امیہ ضرور قتل کریں گے۔ اگر کسی جانور کے سوراخ میں بھی داخل
 ہو جاؤں گا تو بھی یہ ظالم مجھے باہر نکالیں گے اور قتل کر کے پھوڑیں گے۔ کبھی فرزدق
 سے فرماتے ہیں۔ اگر میں مکہ سے روانگی میں جلدی نہ کرتا تو ضرور گرفتار ہو جاتا اور کبھی
 فرماتے ہیں: میرے نانا رسول اللہ نے جس امر کا مجھے حکم دیا ہے مجھے اس کا پورا
 کرنا ضروری ہے (کامل جلد ۴ ص ۱۹-۲۱، طبری ص ۲۰، وقت ۲۲-۲۳۔ بیابیع المودۃ ص ۳۴)
 تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۳۴، مقتل مخنف وغیرہ) اس طرف تو یزید کو بھی اصرار اور کہ
 ہے کہ جس طرح ہو حسینؑ اس کی امامت و خلافت کو قبول کریں۔ اس کی بیعت میں داخل
 ہوں اس کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کریں۔ اس طرف حسینؑ، یزید کو فاسق
 فاجر شرعیت محمدی سے دور، دین کا پکا مخالف، خلافت کے لیے ناقابل اور باطل
 جانتے ہیں۔ جیسا کہ وہ حقیقت میں تھا۔ حسینؑ اس کے ظلم و جور، مستبدانہ سلطنت
 ظالمانہ حکومت، بدکاریوں اور بد اعمالیوں کو دین محمدی اور سلطنت اسلامی کے
 لیے نہایت مضر قابل شرم اور اہانت محمدیہ کے لیے فتنہ و فساد کا موجب جانتے
 ہیں۔ حدیث رسولؐ ہے: **لَعَلَّ دینِ آفَہٍ وَافَہُ ہٰذَا الدِّینُ بِنَوَامِیَہِ**
وَلَعَلَّ اُمَّتًا آفَہُ وَافَہُ ہٰذَا الْاُمَّۃُ بِنَوَامِیَہِ ویل یعنی امینتا
 یعنی ہر دین کے لیے ایک آفت ہے اور اس دین کی آفت بنی امیہ ہیں اور ہر
 امت کے لیے ایک آفت ہے اور اس امت کے لیے آفت بنی امیہ ہیں، ہلاکت
 ہو بنی امیہ کے لیے (صواعق محرقة ص ۱۲۱، نصائح کافیہ ص ۱۰۶)۔ اس لیے ایک منٹ
 کے لیے بھی اس کی بیعت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ سخت سے سخت اذیتوں اور
 کٹھن آزمائشوں کو محض رضائے الہی حاصل کرنے اور اسلام کو تباہی سے بچانے
 کے لیے بحال صبر و استقامت جھیلنا گوارا کرتے ہیں لیکن ایک شرابی اور بدکار

انسان کی بیعت پر راضی نہیں ہوتے سے
 مرنے لگا تھا دیں کا شجر تھا فکر اسے سینچیں کیونکہ
 کفار نے جب پانی نہ دیا تو حسینؑ نے خوں سے کام لیا
 حسینؑ نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی اور عشق الہی
 کی کٹھن منزل کو طے فرمایا

ہر پیش حکومت خم نہ کیا جو منہ سے کہا تھا کر گزرا
 ایسا انسان کامل تھا اسلام ترے انسانوں میں

حسینؑ، یزید کو مسلمان بھی نہیں جانتے تھے

کوئی شک نہیں کہ حسین علیہ السلام یزید علیہ السلام کو خلافت رسولؐ کے لائق تو کیا اس کو
 پابند شریعت مسلمان بھی نہیں جانتے تھے جیسا کہ ان تقریروں اور خطبوں سے ظاہر ہے
 جو آپؐ نے ابتدائے وقت سے آخر وقت تک بیان فرمائے۔ یہ سب تاریخ و سیر کی
 کتابوں میں موجود ہیں۔ جب یزید کے حکم سے ابن زیاد کی فوج یعنی لشکرِ عمر حسینؑ کو
 گرفتار کرنے آیا ہے اور حسینؑ ان کو بیاس سے جہاں بلب پاتے ہیں تو پانی پلا کر

سہ علامہ ابن قتیبہؒ کی کتاب "السیاسة والامم" جلد اول ص ۲۹۲ تا ۲۹۴ و ۲۹۸، اور
 نصائح کا فیہ علامہ عقیلیؒ ص ۱۴ پر حسینؑ کی ان تقریروں کو دیکھو جو معاویہ کے
 حسب الطلب یزید کی بیعت اور ولیمہ کے سوال پر ابن عباسؓ کی موجودگی
 میں معاویہ سے فرمائی ہیں۔ یزید کو کھلم کھلا مشربی، زانی، بدکار، شکار، اور نااہل بتایا
 ہے اور معاویہ کو دندان شکن جواب دیے ہیں۔

مسئله تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۸۔ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۸۱۔ یزید کا خط ابن
 زیاد کے نام۔

سیراب کرتے ہیں اور مرتوں کو جلاتے ہیں۔ جب وہاں سے کربلا کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو اس وقت جو تقریر حضرت نے لشکرِ کربلا کو مخاطب کر کے فرمائی ہے اس کو پڑھو اور دیکھو کہ حسینؑ یزید اور اس کی خلافت کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

لشکرِ کربلا کے سامنے امام حسینؑ کا خطبہ: **ایہا الناس! میرے نانا**

جو شخص کسی ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو حرمِ الہی کی حرمت کو منکرنے والا ہے اور عہدِ خدا کو توڑنے والا ہے۔ سنتِ رسولؐ کا مخالف ہے، بندگانِ خدا کے ساتھ ظلم و جور کا سلوک کرتا ہے تو خدا پر واجب ہے کہ اس شخص کو اس کے مقام میں جہاں کا مستحق ہے یعنی جہنم میں پہنچا دے۔ **ایہا الناس! آگاہ ہو بیشک** ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے لیے لازم قرار دے لیا ہے اور خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔ احکامِ الہی کو معطل اور فتنہ و فساد کو ظاہر کر دیا ہے مالِ الہی کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ حرامِ الہی کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کرتے ہیں اور بیشک امرِ خلافت کے لیے میں دوسروں سے زیادہ اہق اور افضل ہوں۔

یزید کے متعلق صحابہ وغیرہ کی رائے: **حسینؑ کے علاوہ دوسرے**

اصحاب اور اصحابِ زادے بھی یزید پلید کو علی الاعلان فاسق و فاجر خلافت کے لیے نااہل و ناقابلِ بتاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر خلیفہٴ اول کے فرزند عبد الرحمن کی ان تقریروں کو پڑھو جو امیر معاویہ کے سامنے ہوئی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے ان خطوط کو پڑھو جو بعد شہادتِ حسینؑ یزید کو لکھے ہیں اور عبد اللہ بن عمر کا خط جو علامہ بلاذری نے تاریخ بلاذری ص ۶۲ میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ کرو عبد اللہ بن زبیر کے اس خطبہ پر نظر ڈالو جو بعد شہادتِ حسینؑ مکہ میں فرمایا ہے۔ علامہ ابن قتیبہ کی

کتاب الامامة والسياسة میں عبداللہ بن عمر کی اس تقریر کو سنو جو یزید کی ولیعہدی کے سوال پر امیر معاویہ سے کی ہے۔

علمائے اسلام کی رائے یزید کے متعلق: شرفلئے مکہ اور بزرگانِ مدینہ کے ان کے بیانات پر غور کرو جو تاریخ

وسیر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ دیکھو یہ سب مسلمہ بزرگانِ دین اور ارکانِ اسلام کس طرح زور شور سے کھلم کھلا یزید کے حبیبِ ظاہر فرماتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کی سلطنت یہ رسولِ خدا کی خلافت ہر قفل و قیصر و کسریٰ کی سلطنت نہیں ہے کہ جو یزید جیسا فاسق و فاجر جو ان اس کا حقدار ہو سکے (السیاسة والامامة ص ۲۷۲ و ص ۲۷۹۔

تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - طبری ج ۶، استیعاب جلد ۲ ص ۲۹۳۔

روضۃ الصفا، فصول المہمہ ص ۲۸۴ وسیلۃ النجاة ص ۲۷۲) کبھی یزید کے شرابی اور زانی ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کبھی اس کو فاسق و فاجر اور دشمنِ خدا و رسول بتاتے ہیں امیر معاویہ کی رشتہ توں اور انعام و اکرام پر بھی نہیں پسجتے اور دنیا کو دین پر اختیار نہیں کرتے۔ یزید کو کسی طرح خلافتِ محمدی کا اہل اور بیعت کے فائق نہیں جانتے (دیکھو مذکورہ بالا حوالہ جات)

نقل کفر، کفر نباشد۔ اگر یزید کے ہوا خواہوں، بنی امیہ کے طرفداروں کے ان اقوال و بیانات کو صحیح مان لیا جائے جو یزید کے ناپاک دامن سے خونِ حسین کا دھبہ مٹانے کے لیے لکھے گئے ہیں تو یقیناً مذکورہ بالا تمام بیان غلط ثابت ہوتے ہیں اور بے شمار اصحابِ رسول کی دروغ بیانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یزیدی گروہ کہتا ہے کہ اگرچہ یزید اپنے عمل سے بے دین فاسق و فاجر شرابی، زانی، ظالم و جابر ضرور ہے مگر چونکہ باپ کا بنایا ہوا خلیفہ ہے اس لیے اصولِ اسلام کے مطابق وہ مسلمانوں کا جائز خلیفہ ہے۔ اس کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہنا واجب ہے۔ یزید

بھی اسلامی سلطنت کا ولیا ہی خلیفہ تھا جیسے کہ حضرات خلفائے راشدین۔ پس اس کی مخالفت کرنا گناہ عظیم اور منشاءِ خدا و رسول کے خلاف ہے۔ جن بزرگانِ دین نے یزید کے فسق و فجور کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی یا اس پر خروج کیا یا اس سے جنگ کی (معاذ اللہ) وہ بر سرِ حق نہ تھے۔ ان کا قتل واجب تھا۔ بعض ہوا خواہانِ یزید یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگرچہ حسینؑ نے شروع میں یزید کی مخالفت فرمائی تھی اور اس کی بیعت سے انکار کیا تھا لیکن بعد میں (معاذ اللہ) اپنی غلطی کو محسوس فرما کر یزید کی بیعت کو قبول فرمایا تھا اور اس کی مخالفت پر راضی ہو گئے تھے۔ رہا حسینؑ کا قتل کرانا تو یہ یزید کا فعل نہیں تھا بلکہ ابن زیاد نے اہل کوفہ کی مدد سے ایسا کیا۔ چونکہ حسینؑ نے ابن زیاد کے پاس جانا پسند نہ کیا، اس پر ابن زیاد درپے قتل ہو گیا (اخبار انقلاب لاہور شبیر نمبر ۴۶) میں ابن تیمیہ کے رسالہ منہاج السنۃ کا جو ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس کا مقصد یہی ہے (

اگر ان ہردو یزیدی گروہوں کے قول کو سچا تسلیم کر لیا جائے تو پھر یقیناً یزید کی بیعت سے انکار کرنے والوں کے لیے کوئی دینی عظمت اور اسلامی وقار باقی نہیں رہتا اور پھر فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کی شہادت بھی کوئی مہتمم بالشان واقعہ قرار نہیں پاسکتی۔ اس صورت میں شہادتِ حسینؑ کے متعلق بزرگانِ اسلام نے جو کچھ بیان فرمایا ہے کہ حسینؑ نے اپنی شہادت سے احقاقِ حق فرمایا۔ اتبارِ صداقت کی تعلیم دی۔ حق پرستی کے بے مثل نمونے پیش کیے۔ حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ دین کو خطرہ سے بچا لیا۔ آزادی و حریت کی حمایت میں جان دے دی۔ حسینؑ نے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد کیا وغیرہ وغیرہ تمام باتیں بھوٹ ہو جائیں گی کیونکہ ظاہر ہے کہ جب یزید خلیفہ خدا (جانشین نبیؐ) اور اس طرح مسحقِ خلافت ہے جس طرح خلفائے راشدین تھے تو کیونکر ممکن ہے کہ اس کے خلاف جنگ کرنے والا

شہید راہِ خدا یا شہیدِ اعظم کے لقب سے پکارا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے قول کی بناء پر اگر یہ مان لیا جائے کہ حسینؑ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیا تھا اور یزید کی بجائے ابنِ زیاد اور اہلِ کوفہ پر قتلِ حسینؑ کا الزام عاید ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی حسینؑ کی شخصیت کو ایک ناقابلِ بیان صدمہ پہنچتا ہے اور بجائے یزید کے خود ان کی پوزیشن سخت نزاکت میں پڑ جاتی ہے اور ان کی شہادت میں پھر کوئی روحانی عظمت باقی نہیں رہتی۔

کیا یہ امر مسلم نہیں ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کا نائب یا اس کا معتمد ہوتا ہے تو اس کا حکم بھی ویسا ہی واجب العمل ہوتا ہے جیسا کہ بادشاہ کا اس کی اطاعت کا اقرار یا اس کی بیعت کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ خود خلیفہ کے پاس جا کر بیعت کرنا یا انہیں خطاب میں کہ حضرت عبداللہ بن عمر جو پہلے یزید کو فاسق و فاجر جان کر اس کی بیعت سے انکار کرتے تھے حسینؑ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے ظلم اور یزید کی سطوت و جبروت کا نظارہ دیکھ کر ایسے خائف ہوئے کہ مدینہ میں یزید کے حاکم کے پاس جا کر بیعت یزید کے لیے ہاتھ بڑھایا اور حاکم یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ یزیدی کی بیعت بھی گئی۔ عہدِ رسالت میں جنگِ سلاسل کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس جہم پر عمرو عاص کو جو ایک نازہ مسلمان تھا سردار بنا کر بھیجا تھا اور بڑے جہاد و انصاف اس کے ماتحت تھے۔ کوئی اس کی سرداری اور اطاعت سے انکار نہیں کر سکا۔ پھر اس کی ملک کے لیے ابو عبیدہ جراح کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر و عمر جیسے بزرگ صحابیوں کو بھیجا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی عمرو عاص کی اطاعت سے انکار نہیں کرتے اور حکمِ خدا و رسولؐ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اسامہ کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کو بھیجا جاتا ہے اور یہ اس کو امیر مانتے سے انکار نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت سمجھتے ہیں۔ پس اسی طرح جو یزید کو خلیفہ برحق مان چکے ہیں تو اس کے مقرر کردہ حاکم

ابن زیاد کو کیوں بُرا کہتے ہیں اور اس کے خلاف زبانِ طعن کیوں کھولتے ہیں۔ وہ یزید کی طرف سے کوفہ و عراق کا حاکم تھا اور حسینؑ سے بیعت یزید لینے پر مامور ہوا تھا تو پھر اس نے بھی جو کچھ کیا وہ بجا کیا حسینؑ کا فرض تھا کہ اس کے حکم کو بھی حکم یزید سمجھ کر مان لیتے ورنہ بیعت یزید صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے ہرگز جائز نہ تھا کہ وہ بیعت سے کٹ کر کے ایسی عظیم الشان بلاؤں میں مبتلا ہو جاتے (لغو ذالک من ذلک المغوات، الذی لو بدلتغفر اللہ) بخدا حسین علیہ السلام نے جو اپنے زمانہ میں حضرت رسولِ خداؐ کے حقیقی جانشین تھے ایک آن واحد کے لیے بھی اس سلطانِ جابر و بدکار کی اطاعت و بیعت کا اقرار نہیں کیا اور نہ اس کی مخالفت کو جائز و مباح سمجھا۔ مہلک حسینؑ جیسے روشن کیر کڑ کے انسان سے ایسا کرنا ممکن تھا؟ لا حول ولا قوۃ۔

مسلم و غیر مسلم تمام مؤرخین و محققین یہ بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حسینؑ نے پیغمبرِ اسلامؐ کی طرح محض حفاظت و حمایتِ دین کی غرض سے دنیا کے تمام مصائب برداشت کیے۔ انھوں نے اتنا باریع صداقت اور اخلاقی جرات کا ایک بے مثال نمونہ نہ صرف مسلمانوں کی ہدایت کے لیے پیش کیا ہے بلکہ تمام دنیا کو صداقت و حق کی پیروی کا درس دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ہر ایک عمل سے مسلمانوں کو یہ بتا دیا کہ دین کے بچے فدائیوں کو حق و صداقت کی تائید میں جہان و مال و حرمت کی کبھی پروا نہ کرنی چاہیے۔

تباہی میں سفینہ آگیا تھا امتِ محمد کا
یکشتی بحرِ خون میں ڈوب کر شہ نے نکالی ہے

حسینؑ نے اپنی شہادت سے قیامت تک کے لیے اپنے نانا کے دین کو نبی امیہ کے ظلم و جور اور کفر و زندہ کی نیر و تار آندھیوں سے بچایا اور کفر و الحاد سے شرمندہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ انھوں نے اپنے نانا کے قول حسینؑ مَنی وَاَنَا مِنَ الْحَبِیْن کو سچا ثابت کر دکھایا ہے

زندہ حق از قوتِ شبیری است

باطل آخر داغِ حسرتِ میری است

یہ تو پروانِ یزید کی انتہائی کور باطنی اور سیاہ قلبی ہے کہ وہ حسینؑ کے اس روشن عمل پر جو دنیا کے لیے شمعِ ہدایت ہے پردہ ڈال کر اور ان کے مساعیٰ جمیلہ کو خاک میں ملا کر یزید کو بدستِ ملامت بننے سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ یزید کی بریت کے لیے مختلف قسم کے حیلے عمل میں لاتے ہیں۔ کبھی شہادتِ حسینؑ کے عظیم الشان واقعہ ہی سے انکار کرتے ہیں۔ کبھی قتلِ الحسینؑ سیفِ جہد کے جھوٹے راگِ یزید کی مدح میں گانے لگتے ہیں۔ کبھی اس شہادتِ عظمیٰ کو **لَا تَلْمِزُوا بِأَنَّهُ يُكَلِّمُ إِلَى التَّهْلُكَةِ** کا جامہ پہنا کر دنیا کی آنکھوں میں ڈاک ڈالنا اور حسینؑ کی خداداد صداقت و حقانیت کے نورانی آفتاب کو چھپانا چاہتے ہیں حالانکہ اگر چشمِ بصیرت سے محبتِ یزید کو دل سے نکال کر اسلامی احکام اور حضرت رسولِ خدام کے ارشادات کو پڑھیں اور شہادت کے صحیح اسباب پر نظر ڈالیں تو ان کو واضح ہو جائے کہ حسینؑ نے یزید کا مقابلہ محض حمایتِ دین کی غرض سے کیا تھا۔ انھوں نے خون کے دریا میں ڈوب کر یزید کی بدکاریوں کے کالے سندرہوں، ظلم و جور کے انتہاء قریبوں اور کفر و زندقہ کے خطرناک منجدھاروں سے اسلام کی ڈگمگاتی کشتی کو نکال کر مسلمانوں کو ایک سیدھے اور صحیح راستے پر لگا دیا۔ ایسی حالت میں جبکہ دینِ خدا چاروں طرف سے خطر میں گھرا ہوا ہو۔ کون بے عقل کہہ سکتا ہے کہ حسینؑ نے خلافِ حکمِ خدا اور رسولؐ اپنی جان دی۔ یقیناً ایسا شخص یزید ہی کے ساتھ مختور ہوگا۔ جو اس محسنِ اسلام حسینؑ کی یاد کو بیعتِ بتائے اور ذکرِ الحسینؑ مزام علی الواعظ (الغزالی) کے شیطانی فقرے بنا کر ذکرِ حسینؑ کو بند کرنے کی کوشش کرے یا مصائبِ حسینؑ پر رونے ڈالنے کو جو سچی محبت کا مسئلہ اور فطری اثر ہے گناہ بتائے۔ یزید کے ہوا خواہ بے وجہ بے سبب دن رات اسی پر پیگنڈے میں منہمک نظر آتے ہیں۔ اب نہ یزید دنیا میں باقی ہے نہ بنی امیہ

کے کروڑ اور تخت و تاج کا کوئی نشان ہے پس اس قسم کی قصیدہ خوانی سے کون سے اہل و اکرام کی امید ہو سکتی ہے۔ البتہ خسرو الدنیا و الاخرہ کا مصداق ضرور قرار پاتے ہیں۔

مولانا صبغة اللہ کے قلم سے
حسینی شہادت کا بیان
حضرت محترم مولانا شہید انصاری فرنگی محلی نے ایک نہایت گرہ قدر مضمون شہادت حسینؑ کے متعلق سپرد قلم فرمایا ہے جس کو ہم ذیل میں اخبار سرفراز محرم نمبر ۳۴۵ھ سے نقل کرتے ہیں :-

بے دینی اور مکابروہ خستہ آخر ہے۔ مجھے انصاف سے بتاؤ کہ میرے آقا و وسیلہ بیانا حسینؑ سے اس دور میں (یہ کونسا دور ہے؟) کیا یزید کی خلافت و حکومت اور اس کی سلطنت و بادشاہت کے زمانے کے علاوہ کسی اور خلیفہ و بادشاہ کا دور سلطنت و حکومت مراد ہے؟ نہیں نہیں بے شک یہ یزید پلیدی کا زمانہ ہے اور اسی کا دور خلافت و حکومت ہے، سوائے ترقی اسلام اور تقویت حق کے اور کس چیز کا خطرہ تھا؟ اور اسی تصور پر ان کا اس جماعت کے ہاتھوں تباہ ہونا جو اپنے کو ان کے نانا کا کلمہ گو اور ان کے گھر سے ترقی پانے والے دین کا پیرو کہتے تھے مسلمانوں کے لیے کس قدر خطرناک و شرمناک ہے (کیا یہ جماعت یزیدی جماعت اور لشکر یزیدینہ تھی؟ کیا یہ جماعت حسینؑ سے بیعت و اطاعت یزید کا مطالبہ نہیں کر رہی تھی اور کیا یہی امر لعنی حسینؑ کا بیعت یزید سے انکار کرنا ہی ترقی اسلام اور تقویت حق کا موجب نہ تھا جو کہ بنی امیہ کے لیے باعث خطرہ تھا) میرا ایمان ہے بلکہ لفظ کان لکھ فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پر ایمان رکھنے والے کا بھی ایمان ہے کہ شب و روز خلوت و جلوت نوم و لیقظہ بلکہ ہر حالت میں رسول اسلامؐ کا ہر عمل و ہر حرکت بلکہ ہر ادا نصیحتوں اور ہدایتوں کا وہ بیش قیمت خزانہ اپنے

اندھ رکھتی ہے جو دنیا کی بڑی سے بڑی رہنمائی اور ارشاد میں نہیں۔ بعینہ ہی حال اس پاکیزہ اور محترم جماعت کا ہے جس نے مشکوٰۃ نبوت سے اپنے قلوب کو متور کر لیا تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس سانچہ میں ڈھل گئے تھے اس لیے سیدنا دامنا حضرت حسینؑ تختِ جگر رسولؐ اور فرزندِ بولؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کی مبارک زندگی تو فحی ہی آپ کی شہادت آپ کے حبِ رابطہ کی پامالی، آپ کے سرِ مبارک کی بے حرمتی اور بزرگ و برگزیدہ خاندان کی بے عزتی اور ان کے بے قصور صابرانہ و دل بھینچوں، بھانجوں، بھائی اور اہل خاندان اور رفیقوں کی توہین اور اذیتیں۔ قسم اس ذات کی جو سب سے بڑا منتقم اور بہترین جزا دیتے والا ہے۔ ان برکات و ہدایات کے دفتروں کی حامل ہے جو دنیا کے کسی واقعہ میں نہیں مل سکتیں۔

آج کل کی پولیٹیکل دنیا ان برکات و مواعظ کی عجیب اور پر لطف تفصیل کرتی ہے۔ کوئی ان کی قربانی کو قربانگاہ ظلم و استبداد پر ذبحِ عظیم کہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ اس قربانی میں حفاظتِ حقوق کی اسپرٹ کام کر رہی ہے۔ کوئی ان کو نان کو آپریشن کا مبلغ اعظم کہتا ہے کہ ان شدائد و مظالم کو انگیز کر لینا محض خلافت کی روحانی عظمت اور اس کی اصلی شان کے تحفظ کے لیے تھا۔

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسنِ توبیہ

گلچیں نگاہ تو نہ دامانِ گلہ دارد

کے اصول پر ان گلِ چینوں کے پھولوں کی خوشبو سے انکار نہ کرتے ہوئے نظر کرتا ہوں، ہاں کر بلا کے میدان میں جو باغِ ان مقدس خونوں سے سینچا گیا تھا اس میں ہی پھول ہیں لیکن میرے رسولؐ کا پارہ جگر اور اپنے وقت کا جانشین رسولؐ کوئی پولیٹیکل لیڈر نہ تھا کہ اس سے نم کو صرف سیاسی ہی منافع

ہوں بلکہ میرے خیال میں اس مقدس واقعہ کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ وہ انا
اعطیناک الکوشر کی روشن ترین تفسیر تھا۔

حسینؑ کی بے مثال صداقت و حقانیت کی
جو تصویر مسلمانان ہند کے مستند و مستند لیدر

علامہ سراقبال نے اپنی مشہور مثنوی ”رموز بخودی“ میں کھینچی ہے اس سے حسینؑ کی
شخصیت اور نیرید کی باطل پرستی پر بڑی کافی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں سہ

موسیٰ و فرعون و شبیر و نیرید

زندہ حق از قوت شبیری است

ایں دو قوت از حیات آمد پدید

باطل آمد داغ حسرت میری است

بے شک نیرید کے مقابل حسینؑ کی وہی شان ہے جو فرعون کے مقابل موسیٰؑ
کلیم اللہ کی اور فرود کے مقابل ابراہیم خلیل اللہؑ اور ابوسفیان و ابوجہل کے مقابل

حضرت ختمی مرتبتؑ کی تھی۔ حسینؑ اسلام کی روح اور محمدؐ کی جان ہیں۔ وہ خدا کے

پیارے رسولؐ کے فرزند، صداقت کے شہزادے اور اسلام کے سچے پیشوا ہیں۔ وہ خدا

کے بتائے ہوئے امام، رسولؐ کے سچے جانشین اور نیکو کاری کے پتلے تھے۔ ان کے

برخلاف نیرید شیطانی صفات کا حامل، استبدادی حکومت کا بانی، مکر و فریب کا پتلا،

فسق و فجور کا پکیر، غرور و تکبر کا مجسمہ تھا۔ وہ اپنی فرعونیت کی وجہ سے تا قیامت

شیطانِ رحیم کی طرح مورد لعن و طعن رہے گا اور حسینؑ اپنے عشق حقیقی اور اطاعت

الہی کی بنا پر تا قیام قیامت انسانی قلوب پر اپنی حکومت کرتے رہیں گے۔ علامہ اقبال

نے کیا خوب فرمایا ہے سہ (ماخوذ از ”انقلاب“ لاہور شبیر نمبر محرم ۱۳۲۶ھ)

بیاتا انیں انجمن بگذریم

وگر خمیہ در کہ بلائے ز نیم

انیں کاخ و کوئے کس بگذریم

نوائے کہ آتش کند خاک را

بال بے نوائی نوائے ز نیم

نوائے کہ او سوزد افلاک را

نواسے کہ بے ساندہ تقدیر نیست نواسے کہ بے ضرب شبیر نیست
 اگر بندہ این نواسے زند چوں یزدان جہاں آفرینی کند
 بے شک محمد کے رب نے جس طرح اپنے حبیب کو زمین و آسمان کی بادشاہت
 بخشی دین و دنیا کی حکومت عطا فرمائی، اسی طرح حسینؑ کے خالق و مالک نے
 اپنے محبوب کے تخت و تاج اپنے سچے عاشق و شہید کو اپنی روحانی سلطنت و حکومت
 کا وہ روشن تخت و تاج عطا فرمایا ہے جس کو قیامت تک زوال نہیں۔ اس حقیقت
 سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے کمال عبودیت اور انتہائی اطاعت گزاری کے
 ساتھ اپنے معشوق حقیقی کی سچی محبت میں کڑی منزلوں کو طے کر کے کوس لمن الملکی بجایا
 ہے اور اسلام پر اپنی جان و مال و اولاد سب کچھ قربان کر کے تخت جہاں آفرینی کو
 زینت بخشی۔

حسینؑ کا تاج شہادت کانٹوں بھرا تاج نہیں ہے بلکہ وہ روشن تاج ہے جو
 حقیقت کے مرتبوں اور صداقت و عدالت کے چمکدار ہیروں، خبر و برکت کے چمکتے
 دھمکتے ستاروں اور خدا سے جلیل کی رضا و توکل کے نور افشاں لعل و جواہرات سے
 مرصع ہے جو اپنی ہدایت و رہبری کی نوزاتی کرنیں اور صدق و صدا کی روشن شعاعیں
 اطرافِ عالم پر ڈال رہا ہے جس پر دنیا کی مدح و ثنا کے سدا بہار پھول بے سمانہ
 برستے ہیں اور دوست و دشمن کی زبان سے سچی تحسین و آفرین کے الفاظ
 سناتے ہیں۔ صرف مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ حسینؑ کی محبت
 سے تمام دنیا کے حقیقت شناس قلوب بھرے ہوئے نظر
 آتے ہیں۔

معاویہ اور بنی امیہ کی ناجائز خلافت پر حقائق و نظر

دنیا میں ہمیشہ خیر کا مقابلہ شر نے کیا ہے۔ ابلیس لعین اپنے غرور و نخوت کی بنا پر خلیفۃ الارض حضرت آدمؑ کا مقابل ہوا۔ حسد نے قابیل کو ہابیل کا قاتل بنایا۔ فرود کے دل میں خدا بننے کی ہوا سمائی۔ نعل پرستی کے شعلے بھڑکے۔ خلیل الہی کو آگ میں جلانے کی تدبیریں کیں۔ فرعون کو اس کی فرعونیت نے ڈبویا۔ خدائی کا دعویٰ کیا۔ کلیم اللہ سے مقابلہ کی ٹھانی۔ عیسے کو دنیا پرستوں نے سولی پر چڑھایا۔ ابو جہل اور ابوسفیان نے لات و عزی کی محبت اور سرداری و حکومت کے لالچ میں ہادی برحقؐ، امیر کامل، الیغارہ مرا عظم، خاتم الانبیاءؐ، محبوب الہی کی دشمنی پر کمر باندھی۔ غرض کہ اسی طرح باطل ہمیشہ حق کا مقابلہ کرتا رہا۔ کبھی خدا کی خدائی سے انکار کیا تو کبھی اینٹ پتھر کو خدا بنا ڈالا، کبھی خدا کو بیٹوں اور پوتوں والا بنا کر پوجا، کبھی رسولؐ کو ساحر و کاہن بتایا۔

قیل ان الاله ذو ولد

قیل ان الرسول قد کہا

مگر آخر میں نور محمدیؐ نے جلوہ دکھایا اور ابو جہل و غیرہ کی کفر و پستی کے چراغوں کو گل کر دیا۔ جاعا الحق و زہق المباطل کا نورانی دور آگیا۔ دنیا میں خدائے واحد کی پرستش ہونے لگی۔ مشرکین کا خاتمہ ہوا۔ بنی امیہ کو بھی مجبوراً ظاہری اسلام کے ساتھ رسول خداؐ کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ مگر یہ ہواد ہوس کے بندے اپنی اغراض باطلہ کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ اسلام کی کار براری میں روڑے اٹھاتے رہے اور اسی کوشش میں لگے رہے کہ حکومت ہمارے ہاتھ آجائے اور اسلام کی روحانیت فنا ہو کر اس کی صورت کفر سے ملتی جلتی ہو جائے۔

ابوسفیان قبیلہ بنی امیہ کا لیڈر اور آنحضرتؐ کا قدیمی دشمن جب اپنا

دور حیات ختم کر چکا تو ان کے فرزند دلبر اپنے باپ کے سپوت بیٹے معاویہ اس خاندان کے لیڈر بنے اور اپنے پدر بزرگوار کے بچے جانشین بنے۔ ان کے دل میں بھی بنی ہاشم اور خاندان رسالت سے قدیمی دشمنی اور رشک و حسد کے شعلے بھڑکتے چلے آتے تھے۔ خلافت کو غضب کرنے اور منبر رسولؐ پر چڑھ بیٹھنے کی بے جا حرص و طمع ان کے سر میں بھی ملت سے سمائی ہوئی تھی۔ اسی بنیاد پر ان کی نظروں میں حضرت علیؑ کی قدسی ذات ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔

۱۔ بنی امیہ کا شجرہ سفیانی و مردانی وہ شجرہ ہے جسکو بروایت حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباس خدا نے اپنے کلام پاک میں شجرہ ملعونہ اور شجرہ خبیثہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۵۔ تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴ ص ۱۹۱، تفسیر معالم التنزیل قتی نیشاپوری جلد ۲ ص ۴۵۸ و ۴۵۹۔ ردۃ المتاظرین حاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ ص ۸۷ تا ۸۸ و ۸۹) ۲۔ تفسیر کشاف زرخشری جلد ۱ ص ۴۶۶۔ نصاریٰ کافیہ ص ۱۰۸۔

آنحضرتؐ نے خواب دیکھا تھا کہ بنی امیہ میرے منبر رسالت و حکومت پر بند کی طرح چڑھیں اور ناپچھے کودتے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ بہت غمگین و ملول ہوئے۔ یہی وہ خواب ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرِّهَاقَ الَّتِي اَرْمِيَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنَمْنُوهُمْ خَائِنِينَ هُمْ اِلَّا طَعِيفَانَا (یعنی جو خواب ہم نے دکھایا ہے اے رسولؐ اسکو لوگوں کے ایمان کی آزمائش قرار دیا ہے اور یہی قرآن میں شجرہ ملعونہ ہے اور ہم نے اس طرح پہ لوگوں کو ڈرایا اور تہدید کی مگر ان کی سرکشی اور ان کا طعنان بڑھتا ہی گیا) بنی امیہ شجرہ ملعونہ ہے جس نے آنحضرتؐ کی منبر رسالت اور منبر اسلام کو ظلم و جور سے غضب کیا۔ اول اولاد ابوسفیان نے اس منبر رسولؐ پر بندوں کی طرح چھانٹیں ماریں پھر اپنے خاندان کی دوسری شاخ بنی مردان میں اس منبر رسولؐ کو منتقل کر گئے اور ابوسفیان کی وصیت کے مطابق بنی امیہ کے رنگیلے نوجوان شہزادوں کے لیے خلافت رسولؐ کو چڑگان بازی کی گیند بنا گئے۔ انم حسن علیہ السلام نے اپنے ایک اراد میں اس خواب کو یاد دلایا ہے۔ دیکھو تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۹۱۔

آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد جب خلافت کا دور شروع ہوا اور خاندان بنی ہاشم کے ممتاز ممبروں کے اقتدار کو گھٹانا ضروری اور قرین مصلحت سمجھا گیا تو دوسری طرف ابوسفیان کے شور و شر کو دبانا اور خلافت کے خلاف کاروائیاں کرنے سے روکنا بھی لازمی ہوا۔ چنانچہ ایک مدت تک ناکامی اور ذلت کی زندگی بسر کرنے کے بعد اب بنی امیہ کا عروج پھر شروع ہوا۔ ان کو حکومت اسلامی میں کافی حصے دیے جانے لگے۔ ابوسفیان کے دونوں بیٹے معاویہ اور یزید بن ابوسفیان کو افواج اسلامی کی سرداریاں بخشی گئیں اور یہی جدید العہد مولفۃ القلوب کے ارکان جو بلا شک سیاست محمدیہ اور سنت نبویہ کے مطابق حکومت کے لیے قطعاً نااہل تھے۔ دمشق و شام جیسے زرخیز و وسیع ملکوں کے گورنر بنائے گئے۔

سہ تاریخ و سیر اور حدیثوں کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان، معاویہ اور بنی امیہ کو آنحضرتؐ نے مولفۃ القلوب، حدیث العہد، قریب بکفر ظاہر فرمایا ہے۔

آنحضرتؐ کی وفات سے دو ڈھائی سال قبل فتح مکہ کے بعد خاندان بنی امیہ کے اکثر افراد بظاہر مسلمان ہوئے تھے۔ جنگ حنین کے موقع پر آنحضرتؐ نے انکو بغرض تالیف قلب غنیمت میں زیادہ حصہ دیا اور انکو تازہ مسلمان قریب بکفر فرمایا اور بتادیا کہ یہ لوگ دنیا کی دولت ظاہری ایٹپ ٹاپ اور مال مولشی کے دلدادہ ہیں (صحیح بخاری، شرح قسطلانی جلد ۲ ص ۳۳۲) جب اس مال غنیمت کے زیادہ دینے پر انصار کو کچھ ملال ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا انی اعطی رجلاً لا حدیث العہد بکفر ہم انا انا الفہم اما ترضون ان یذهب الناس باموال و تدھبون بالنبی الی رجلاً لکم و ان یذهب الناس بالمشاۃ و العید و تدھبون بالنبی الی رجلاً لکم یعنی میں نے ان لوگوں کو دیا ہے جو تازہ عہد بکفر ہیں تاکہ ان کی تالیف قلوب کی جائے۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ یہ لوگ تو مال و متاع بھڑکریاں اور اونٹ لے کر جاؤں اور تم لوگ اپنے پی کے ساتھ سے کر جاؤ۔ علامہ ابن قیم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اول ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں کہ جب ادل ادل لشکر اسلام کو شکست ہوئی تو ابوسفیانؓ نے خوش ہو کر کہا کہ اب تو مسلمان سمندر پار ہی پہنچ کر کہیں گے اور ترکش میں تہوں کو چھپا تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ کیسا مسلمان تھا اور انکو مسلمانوں سے کیسی عزت و تہی حالانکہ اسی جنگ کے مال غنیمت سے چالیس اوقیہ تھو اور سوا ڈھائی اس کو ازرا تہا ہی اسکے ہر ایک بیٹے معاویہ اور یزید کو بھی دیا گیا تھا۔

اور خلافتِ ثالثہ کے ختم تک لگاتار ۲۵-۳۰ سال تک ان ممالک میں بااختیار حاکم و امیر رہے۔
 دوسرے لوگوں کی طرح ان کو کسی عہد میں معزولی و تبدیلی کا بھی منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا، جیسا
 کہ خالد و غیرہ معزول کیے گئے تھے۔ غرض جس طرح لشکرِ اسلامی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں
 تھیں اسی طرح بیت المالِ مسلمین کے خزانوں کی کنجیاں بھی انہی کے قبضہ میں پہنچ گئیں۔ اس
 کے علاوہ بارہ ہزار روپیہ سالانہ ان کو گورنری کی تنخواہ بھی دی جاتی تھی۔ علامہ عبدالبرکی
 استیعابِ حیدر اول کے ص ۲۵۳ پر لکھتے ہیں کہ معاویہ اور اس کا باپ مولفۃ القلوب
 ہیں۔ زید بن ابوسفیان کے مرنے پر معاویہ عمر کی طرف سے شام کا حاکم بنایا گیا۔ زید
 ماہ ذی الحجہ ۲۹ء میں فوت ہوا تو اس کی جگہ معاویہ کو ملی اور حضرت عمرؓ نے ابیزار امشرفی اس
 کی تنخواہ مقرر کی۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں جس وقت قاصد نے حضرت عمرؓ کو زید بن ابوسفیان
 کی موت کی خبر سنائی تو اس وقت ابوسفیان حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ
 نے خط پڑھ کر ابوسفیان سے کہا۔ خدا تم کو زید کی موت میں صبر دے۔ پھر زید کے
 لیے دعائے مغفرت فرما کر ابوسفیان سے تعزیت کی۔ اس نے پوچھا اب آپ اس
 کی جگہ کس کو مقرر کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے
 کہا اے امیر المومنین آپ کا صلہ رحم کیا خوب ہے۔ (استیعابِ حیدر اول ص ۲۵۳)

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اپنے ایسے محسن و مربی سے بھی معاویہ نے احسان و امانت
 کا سلوک کیا۔ خود خلیفہ بن کر منبرِ رسول پر بیٹھا اور حضرت عمرؓ پر اپنی ذات کو ترجیح دینے
 ہوئے کہا۔ میں عمر سے زیادہ قابل اور خلافت کے لیے ان سے زیادہ مقدار ہوں (شیخ بخاری)
 کتاب المغازی مقرر تفسیر انقاری ص ۱۶۷ اور شرح علامہ قسطلانی، عمرؓ نے خود حضرت
 عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں اپنی بہن ام المومنین حفصہ بنت عمرؓ کی خدمت
 میں گیا اس وقت وہ غسل سے فارغ ہو کر اپنے بال درست کر رہی تھیں۔ میں نے
 ان سے کہا آپ نے لوگوں کی حالت کو دیکھا امرِ خلافت کے لیے کیا کر رہے ہیں اور

ہمارا ذکر بھی نہیں کیا جاتا (شارح بخاری لکھتے ہیں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب معاویہ کے لیے خلافت پر بیعت ہو چکی تھی) حضرت حفصہ نے بھائی سے کہا کہ تم لوگوں سے جا کر ملو وہ تمہارے منتظر ہوں گے اور تمہارے نہ جانے اور نہ ملنے سے تفرقہ کا اندیشہ ہے۔ پس جب لوگ متفرق ہو گئے اور امیر معاویہ خلیفہ بن گئے تو خطبہ پڑھا اور کہا "کسیکے لیے خواہد اینکہ سخن کند دریں کار یعنی در امارت میں پس بگو بنماید مرا سر خود یعنی حاضر شود فسخن احق بہ منہ ومن ابیہ ہر آئینہ ماسرا و ارتیم بامر خلافت از دے و از پدر دے۔ گفتہ اند کفایت ازین عمر و عمر بن خطاب کردہ و این معنی از فضول و غرور نفس از دست قال حبیب بن مسلمہ فہذا جیتہ گفت حبیب بن مسلمہ چہ جواب نداری تو اورا۔ قال عبد اللہ فخللت جوتی و ہمدت ان اقول۔ گفت عبد اللہ بن عمر کشادہم جوہ خود را و قصد کردم کہ بگویم احق بہذا الامر منک من قاتلک و اباک علی الاسلام سزاوارتر بای امر خلافت از تو کہے است کہ قتال کرد ترا و پدر ترا در حق اسلام یعنی شما کافر بودید و محاربہ میکردید بہ پیغمبر خدا بر اسلام۔ قسطلانی گفتہ کہ کنایت از امیر المومنین علیؑ است یعنی احق بای امر کہے بودہ است کہ بولے محاربہ کردی و قبول خلافت اونکردی فحشیت ان اقول کلمتہ تفرق بین الجمع و تشفک الدم پس ترسیدم کہ گویم کلمہ کہ تفریق کند اجتماع را و پرینہ و خون مردم و ذکرست ما اعد اللہ فی الجنان و یاد کردم ثوابے را کہ آمادہ کردہ است خدا بر صبر در بہشت۔ یعنی معاویہ نے بر سر منبر مدینہ میں خطبہ کے بعد کہا کون شخص ہے جو ہمارے اس امر خلافت میں کلام کرتا ہے اور ہم کو خلافت کے قابل نہیں جانتا۔ ذرا ہمیں اپنا منہ تو دکھائے۔ ہم بے شک اس سے اور اس کے باپ سے بدتر ہوا بہتر اور خلافت کے زیادہ مستحق و حقدار ہیں۔ یہ اشارہ عبد اللہ

بن عمر اور حضرت عمر کی طرف سے جو معاویہ کی فضول گوئی اور غرور کو ظاہر کرتا ہے حبیب بن مسلمہ نے عبداللہ بن عمر سے کہا، آپ نے معاویہ کو اس کا جواب کیوں نہیں دیا۔ ابن عمر نے کہا میں نے اپنی لکڑی کا ٹپکا کھلا اور اس کو جواب دینے کا ارادہ کیا۔ چاہا کہ کہوں کہ امر خلافت کے لیے مجھ سے وہ شخص زیادہ مستحق ہے جس سے تو نے اور تیرے باپ نے دین اسلام کے خلفاء لڑائیاں لڑی ہیں۔ تم کا فریضہ اور پیغمبر خدا سے اسلام کے برخلاف لڑائیاں لڑتے تھے۔ قسطلانی نے کہا ہے کہ یہ امیر المؤمنین علیؑ کی طرف اشارہ ہے کہ علیؑ خلافت کے بہترین حقدار تھے جن کی خلافت کو تو نے قبول نہ کیا اور ان سے لڑائیاں لڑیں مگر میں دے گیا کہ جماعت میں تفرقہ پڑھانے گا اور میں قتل ہو جاؤں گا اور خونریزیاں ہوں گی اس لیے میں نے صبر کیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حکیم اسلام شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

نکوئی با بداں کردن چنان است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

امیر معاویہ کے زیر اثر اہل شام کا اسلام

دمشق کا صوبہ اسلام کے دار الخلافہ مدینہ منورہ سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آفتاب اسلام کی نورانی شعاعیں اس دور دراز ملک پر اپنا پورا نور نہیں ڈال سکتی تھیں۔ پس یہاں کی نو مسلم مخلوق اور جدید العہد مسلمانوں کے سچے دین محمدی کے اصول کی تبلیغ و تعلیم جو کچھ بھی ہو سکتی تھی وہ الناس حلی دین مدو کہم کے مسلمہ اصول کے مطابق صرف فاتحین و حکمرانوں کے ذریعہ سے یعنی انہی کے اقوال

من کر اور افعال دیکھ کر وہ واقفیت حاصل کر سکتے تھے۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ معاویہ اور اس کے بعد اقرار شدہ دارفل نے جو نازہ مسلمان ہونے کی بناء پر زمانہ جاہلیت کی خوب اور کفر و شرک کے اثرات ایک بڑی حد تک ان میں پائے جاتے تھے۔ چند ہی روز میں انھوں نے اس تمام ملک کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہاں کی رعایا نے جو چار پانچ سال کی مسلمان تھی اسلام میں آنکھ کھولتے ہی جو دیکھا تو معاویہ اور اس کے بھائی بندوں ہی کو تخت حکومت پر جلوہ نمائی کرتے دیکھا اور جو کچھ اسلامی تعلیم حاصل کی وہ انہی لوگوں سے حاصل کی جو خود حقیقی اسلام سے کوسوں دور تھے۔ انھوں نے انہی کی سیرت کو سیرت محمدی اور انہی کے اقوال و افعال کو حکیم قرآن و حدیث سمجھا۔ مورخین نے اس امر پر کافی روشنی ڈالی ہے کہ بنی امیہ کے دیراثر شام کی مخلوق کس رنگ میں رنگی گئی تھی۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم کیسی توڑ موڑ کر دی جاتی تھی اور شریعت محمدی کے احکام کو کیسی بدنام صورت میں ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ وہ اسلام کا سچا مادی اور حقیقی جانشین رسول معاویہ اور ان کے اموی رشتہ داروں ہی کو سمجھتے تھے۔ ان ہی کے قول کو شریعت کا قانون اور انہی کے ہر فعل کو واجب العمل مانتے تھے۔ جمعہ کی نماز اگر بدھ کے دن پڑھ لی جائے تو رد تھی۔ معاویہ کو اگر رسول اللہ کہہ کر سلام کر لیا جاتا تو جائز تھا۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا خالص ریشم کی زرتار پوشاکیں پہننا مباح تھا۔ خلافت حکم خدا اور رسولؐ سونے چاندی کا لین دین اور تبادلہ مادی الوزن سے بڑھا کر زیادہ وزن پر کر لیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ دربار خلافت میں اگر کوئی غیر مذہب یہودی وغیرہ حضرت رسولؐ خدام کو بڑا مہلا کہتا تو رضامندی کے کانوں سے سن لیا جاتا۔ حجاجی بچے حلالی اولاد کی طرح حلال زادے سمجھے کر زنا کار باپ کی اولاد کے سگے بھائی بن

جلتے۔ نماز میں بسم اللہ اور تکبیرات کو چھوڑ دیا جاتا تو نماز میں کوئی نقص واقع نہ ہوتا۔
 ارکانِ دعا عملِ حج سے تبلیہ (اللہم لتیک، اللہم لتیک جو بعد از حرام حاجتوں کو کہنا
 سنتِ نبوی ہے) ترک کر دیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ زکوٰۃ فطرہ کی تعداد میں
 اگر اپنی رائے سے تبدیلیاں کر لی جائیں تو جائز تھا۔ ہر جمعہ کو خطبہ کے بعد حضرت
 علی علیہ السلام پر برہنہ منبر سے وشم کرنا داخل ثواب اور سنتِ معاویہ تھا۔
 اس کا ترک کرنا معصیت میں شمار تھا۔ شراب کے خم کے خم خورد خلیفہ صاحب
 چڑھا جلتے تھے اور ان کے لیے جائز تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تھا
 معاویہ کے زمانے میں اسلام۔

علامہ سعودی مروج الذہب جلد ۲ ص ۵۲ پر معاویہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ
 اہل شام کی اطاعت و فرمانبرداری معاویہ کے ساتھ اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب علیؑ
 سے جنگ کرنے کو صفین جا رہے تھے تو ان سب کو جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھا
 دی۔ اور سب نے خوشی سے پڑھ لی۔ عمرو عاص مصر سے چند لوگوں کو معاویہ کے
 سلام کے لیے لاتا ہے۔ جب دربار میں پیش ہوئے ہیں تو ابن خیاط معاویہ کو یا
 رسول اللہ کہہ کر سلام کرتا ہے۔ سب لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ معاویہ خوش ہو کر
 سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ ڈانٹ کر یہ نہیں کہتا کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں رسول
 اللہ نہیں ہوں۔ تبھی اس طرح سلام کرنا جائز نہیں۔ کیا ان جاہلوں کو بتانا اور
 سمجھانا معاویہ کا فرض نہ تھا؟ (طبری جلد ۶ ص ۱۸۷۔ کامل جلد ۴ ص ۵ نصیح کافیہ جلد ۹)
 شریعتِ محمدیؐ میں حرمِ ید و یدیا کا لباس مردوں کے لیے جائز نہیں۔ علامہ عقیلی نصیح
 کافیہ کے ص ۹۶ پر لکھتے ہیں۔ من حبرایو کلبیۃ الحریر واستعمالہ انیتہ
 الذہب والفضہ قولہ بعد سماع لبۃ فی ذلک ما اری باسًا
 یعنی معاویہ کے ان افعال و کردار میں سے جو خلاف حکمِ خدا و رسولؐ ہوئے کی

وجہ سے داخل معصیت ہیں۔ یہ امر بھی ہے کہ امیر معاویہ خالص ریشی لباس پہنتے تھے اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے۔ اگر کوئی روکتا کہ شریعت میں یہ جائز نہیں تو جواب میں یہ کہتے کہ ہم اس میں کوئی خرابی نہیں پاتے۔

علامہ جرجی زیدان تمدن اسلام میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے حریر دیا کے بیش قیمت اور شاندار لباس پہنتے ہیں زمینوں کی پیروی کی تھی (تمدن اسلام مترجمہ مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ص ۸۷)۔

شریعت محمدی میں سونے چاندی کی خرید و فروخت کے متعلق حکم ہے کہ بیع بالمثل یا بالوزن کی جائے۔ مگر معاویہ صاحب سونے چاندی کو زیادہ وزن پر فروخت کرنے کو جائز فرماتے ہیں۔ دیکھو علامہ عقیلی نصائح کافیہ ص ۹ پر امام مالک کی موطا اور شرح طاعلی قاری اور ابن عبد البر علی سند سے لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے پانی پینے کے سونے کے پیالے زیادہ وزن پر فروخت کیے۔ ابو دردا صحابی نے منع کیا اور کہا ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ زیادہ وزن پر خرید منع ہے۔ معاویہ نے کہا۔ میں تو اس میں کوئی خرابی نہیں پاتا۔ یہ سنکر ابو دردا نے فرمایا، کیا خوب! میں تو رسول اللہ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور اس پر اپنی رائے ظاہر کر رہے ہو۔ میں ایسے مقام میں جاں تم ہو نہیں رہوں گا۔ اس کے بعد ابو دردا مدینے کو چلے گئے اور حضرت عمر سے جا کر یہ سب حال بیان کیا۔ حضرت عمر نے معاویہ کو تنبیہی فرماں بھیجا اور لکھا کہ اس طرح کا عمل خلاف حکم رسولؐ بیع و شری میں ہرگز نہ کیا کرو۔ پھر علامہ زرقانی اور نسائی وغیرہ صحیح اسناد سے لکھتے ہیں کہ عبادہ بن صامت (مشہور صحابی رسولؐ) کے ساتھ بھی سونے کی بیع و شری کے معاملہ میں اسی طرح معاویہ کا قصہ ہوا تھا اور معاویہ نے ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ ہم تو اس کو زبا و یا سود نہیں سمجھتے

عبادہ نے کہا میں تو حضرت رسول خدام کا حکم بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو۔ خدا مجھے اس جگہ سے نکالے۔ میں اس سرزمین پر ہرگز نہ رہوں گا جس پر تم حاکم ہو۔ اس کے بعد عبادہ مدینہ چلے گئے۔ حضرت عمر نے پوچھا آپ کیوں چلے آئے؟ انہوں نے تمام قصہ بیان کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا، نہیں تہیں۔ آپ وہیں تشریف لے جایئے۔ وہ مقام اور زمین جہاں تم جیسے لوگ نہ ہوں بڑی قبیح ہے اور اس کے بعد معاویہ کو حکم بھیجا گیا کہ تم عبادہ بن صامت پر امیر و حاکم نہیں ہو۔ جو عبادہ کہیں اس پر لوگوں کو چلاؤ۔ بے شک عبادہ امین ہیں (نصائح کافیہ - دراسات اللیب ص ۶۴)

مشرح ابن ابی الحدید جلد ۵ اذالۃ الخفا و غیرہ

رسول اللہ کو سب دشمن کرنے والا کا قرہ ہے۔ اس بیان کے تحت ابن تیمیہ اپنی کتاب "صارم مسلول" میں لکھتے ہیں کہ ایک روز معاویہ کے دربار میں ابن اثرف یودی کے قتل کا ذکر ہو رہا تھا تو بنیامین یودی نے کہا ابن اثرف کے ساتھ غداری کی گئی اور اس کو مکروہ غدیر سے قتل کیا گیا۔ محمد بن مسلمہ انصاری بھی موجود تھے وہ فوراً یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور معاویہ سے فرمایا، بڑے افسوس کی بات ہے تمہارے سامنے رسول اللہ کو غدیر کہا جائے اور تم سنتے رہو اور تردید نہ کرو اور نہ مزاد دو۔ خدا مجھے تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے جمع نہ کرے، قسم خدا کی میں اسکو نہ چھوڑوں گا۔ ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ (نصائح کافیہ ص ۹)

زیاد بن سمیہ جو معاویہ کے پدر بزرگوار ابوسفیان کی زنا کاری کا نتیجہ تھا۔ خلافت حکیم خدا اور رسول اللہ للفرش وللعاہرہ المجر، یعنی جائزہ بیٹا اور حلال زادہ وہی ہے جو بیاہتا اور نکاحی بی بی سے پیدا ہو اور زنا کاری کی مزا سنگساری ہے۔ پس اس حکم ثلوث کے خلاف معاویہ نے ابن زیاد کو اپنا ناصر و مددگار بنانے کے لیے ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا سگا بھائی بنا ڈالا (تاریخ کامل ص ۲۲۴ - طبری جلد ۶ ص ۱۲۲، نصائح کافیہ ص ۵۶)

مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۹۵، استیعاب جلد ۱ ص ۱۹۵، تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۹۵
 علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ کا زیاد کو بھائی بنانا اول امر ہے جس سے علانیہ احکام
 شریعت محمدیہ کو رد کیا گیا اور حکم خدا و رسول کے خلاف کیا گیا۔ ہم اس واقعہ کو آئندہ
 کسی موقع پر تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔

معاویہ نے مدینہ رسول میں پہنچ کر جماعت کی نماز پڑھائی اور بعض تکبیروں کو نماز میں
 چھوڑ دیا۔ ہماورد القصار نماز پڑھنے والے کہتے ہیں یہ کیا بات ہے، نماز میں آپ نے
 بسم اللہ اور تکبیروں کو چھڑا لیا یا بھول گئے۔ بسم اللہ اور سجدہ کی تکبیریں کہاں گم ہو گئیں
 یہ سن کر معاویہ نے نماز کا اعادہ نہیں کیا (کنز العمال جلد ۴ ص ۲۱۱ دراسات اللیبیت)
 اسی طرح فرضہ حج میں تلبیہ کا کہنا امیر معاویہ نے بوجہ عداوت علیؑ بند کر دیا اور
 لوگوں نے اس امر میں معاویہ کا اتباع کیا (کنز العمال سنن بیہقی) ابن عباس نے سعیدؓ
 عرفہ کے روز پوچھا کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں سے تلبیہ کی آواز نہیں سنتا۔ سعید نے کہا لوگ
 معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ سن کر ابن عباس خیمہ سے نکلے اور پکار پکار کر فرمانے لگے۔
 لبیک اللہم لبیک اور فرمایا اگرچہ علیؑ زعم الف معاویہ ہو۔ بیشک علیؑ کی عداوت
 میں لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے۔

کنز العمال میں بحوالہ ابن جریر اسی طرح ابن عباس سے تین روایتیں نقل کی ہیں کہ ابن عباس
 نے فرمایا۔ خدا لعنت کرے ان پر جو عرفہ کے روز تلبیہ کہنے سے اس لیے منع کرتے ہیں
 کہ علیؑ عرفہ کے دن تلبیہ فرمایا کرتے تھے (نصائح کافیہ ص ۸)

زکوٰۃ فطرہ میں بھی معاویہ نے خلاف حکم خدا اور رسولؐ تغیر و تبدل کیا۔ ملا محمد معین
 اپنی کتاب دراسات اللیبیت میں ص ۱۷۰ پر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے زکوٰۃ فطرہ کے متعلق
 کہا ہماری رائے میں زکوٰۃ فطرہ دو سہرا، شام ہیں یعنی شام کے گہیوں دو سہرا۔ ابو سعید
 خدری نے فرمایا یہ معاویہ کی مقرر کردہ تعداد ہے۔ ہم نہ اس پر عمل کرتے ہیں نہ اسے

قبول کرتے ہیں۔ ہم عہد رسولؐ میں ہر ایک چھوٹے بڑے اور غلام و آزاد کی طرف سے
 زکوٰۃ فطرہ ایک صاع گندم ایک صاع پنیر یا جو یا کھجور یا زبیب اسی طرح نکالتے رہے
 یہاں تک کہ جب معاویہ حج کے لیے آیا تو اس نے کہا ہماری رائے میں دو مد
 گندم شام زکوٰۃ فطرہ ہے۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں جب تک زندہ ہوں کبھی
 معاویہ کے اس کہنے کے مطابق عمل نہ کروں گا۔ اور ابن زبیر نے معاویہ کی اس رائے
 کو سنکر کہا۔ بیش الفسوق بعد الایمان۔ یعنی ایمان لانے کے بعد فاسق
 ہونا بہت برا ہے۔ تعداد زکوٰۃ فطرہ تو بس صاع ہی ہے بلصالح کافیہ صاع
 اور دراسات اللیب ص ۷۷ سے ص ۸۰ تک پڑھو اور دیکھو کہ معاویہ نے اپنی
 خواہش نفسانی کے لیے احکام اسلامی کو کس بری طرح اپنی رائے سے بدل دیا تھا
 اور حلال رسولؐ کو حرام اور حرام رسولؐ کو حلال بنا دیا تھا۔

صاحب دراسات اللیب لکھتے ہیں کہ مقدم بن معدی کرب جو رسول اللہؐ
 کے اصحاب میں سے تھے وہ معاویہ کا بھائی عمرو بن ابی سفیان شام میں معاویہ
 کے پاس موجود تھے کہ معاویہ نے مقدم سے کہا آپ کو معلوم ہوا کہ حسن بن علیؑ کی
 وفات ہو گئی۔ مقدم نے افسوس کے ساتھ کہا انا للشر وانا الیہ راجعون
 معاویہ نے کہا مقدم! کیا تم بنی کی وفات کو مصیبت خیال کرتے ہو؟ انہوں
 نے کہا کیوں نہیں۔ حسنؑ وہ ہے جس کو رسول اللہؐ اپنی گود میں بٹھاتے تھے اور فرمایا
 کرتے تھے ”حسنؑ مجھ سے ہے اور حسینؑ علیؑ سے ہے“ یہ سنکر معاویہ نے کہا
 حسنؑ کا وجود آگ کی ایک چنگاری تھا جس کو خدا نے بجھا دیا۔ مقدم نے یہ سن کر
 فرمایا میں ہرگز آرام نہیں کروں گا جب تک تجھے تخیط و غضب سے بھڑکانا نہ لوں
 اور تجھے وہ باتیں نہ سنالوں جن کا سنا تجھے ناگوار ہے۔ ہاں اسے معاویہ اگر میں
 سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا اور اگر میں جھوٹ بولوں تو تجھے چھوٹا بتانا۔ ہاں

تجھے خدا کی قسم بتا، کیا تو نے رسول اللہ سے نہیں سنا ہے کہ سونا پہننا حرام ہے؟ معاویہ نے کہا، صحیح ہے۔ پھر مقدم نے فرمایا، اچھا میں پھر تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتا کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے زندہ جانوروں کی کھال پر بیٹھنا اور ان کو پہننا منع اور حرام فرمایا ہے۔ معاویہ نے کہا ہاں یہ بھی صحیح ہے مقدم نے کہا۔ بس قسم ہے خدا کی، اے معاویہ میں یہ ساری چیزیں تیرے گھر میں دیکھتا ہوں۔ معاویہ نے کہا، اے مقدم میں تجھ سے نجات نہیں پاسکتا۔

شرعیات اسلام کا حکم ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کرنے کے وقت رو قبلہ یا پشت قبلہ بیٹھنا جائز نہیں مگر حضرت ابو ایوب انصاری حب شام میں پہنچے تو تمام پیشاب اور پاخانہ کرنے کے مکانات کو رو قبلہ پایا۔ استغفار پڑھ کر منہ پھرا لیا۔ (دراسات الیب ۱۴۹) علامہ عقیلی نصائح کا قیہ میں ابن عساکر کی سند سے لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں معاویہ حب شام کا گورنر تھا عبدالرحمن انصاری نے دیکھا کہ شراب کے بھرے ہوئے ٹکے امیر شام کے لیے خریدے جا رہے ہیں۔ عبدالرحمن نے یہ دیکھ کر نیزہ سے ان سب مشکوں کو توڑ دیا۔ غلامان معاویہ ان سے لڑ پڑے۔ معاویہ کو اس قصہ کی خبر ہوئی تو کہا اس کو چھوڑ دو۔ یہ تو بڑھا ہو گیا ہے اور اسکی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمن نے فرمایا۔ معاویہ جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی۔ اگر میں زندہ رہا تو دیکھ لوں گا کہ معاویہ کے متعلق جو کچھ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے وہ سچ ہے۔ لا بقرت لطنہ اولاً موتن دونه (نصائح کا قیہ ۱۴۹)

ابن القیم انما ثمة اللہ فان میں لکھتے ہیں کہ ایک روز ابو دردا غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں آئے۔ گھر والوں نے غصہ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں میں اب کوئی امر بھی محمدؐ کا سا نہیں پاتے سوائے اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔ امام مالک کی روایت میں ہے کہ جو باتیں ہم پہلے پاتے تھے۔ ان میں سے ایک بات بھی اب ہم نہیں دیکھتے

بجز اس کے کہ اذان دے لیتے ہیں۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ ہم انس بن مالک صحابی کے پاس دمشق میں گئے تو ہم نے ان کو روکتے پایا۔ سبب پوچھا تو فرمایا کہ جو باتیں ہم عہد رسول میں پاتے تھے۔ اب وہ سب ضائع کر دی گئی ہیں۔ صحیح بخاری ص ۳۱۵۔ حضرت حسن بصری جو بہت جلیل القدر اور مستند علمائے اہلسنت میں سے گزرے ہیں اور امام بصری کے نام سے مشہور ہیں معاویہ کے حالات پر نہایت جامع الفاظ میں روشنی ڈال گئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہو تو دائمی عذاب آخرت کے لیے کافی ہے۔

۱۔ اس نے اس امت پر تلوار کھینچی اور بغیر مشورہ کے مخالفت کو لے لیا۔
۲۔ اپنے بعد اپنے بیٹے کو سیکر و خمیر، شرابی و بہنگی، چرسی، نشہ باز اور خلاف حکم خدا و رسول و ریشم پہننے والا اور طنبورہ بجانے والا تھا مسلمانوں پر خلیفہ بنا گئے۔

۳۔ زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا سگا بھائی بنا لیا۔

۴۔ اس نے حجر اور اصحاب حجر کو قتل کیا۔ پس دہل ہے اور افسوس ہے اس پر حجر اور اصحاب حجر کی طرف سے۔ اس فقرہ کو تین دفعہ دہرایا (تاریخ طبری ص ۱۹۶) تاریخ کامل جلد ۲ ص ۴۵۔ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۶، انصاری کافیہ ص ۵۷

یہ حجر بن عدی نہایت بزرگ صحابی، عابد و زاہد، مستجاب الدعوات لوگوں میں سے تھے۔ چونکہ حضرت علیؑ کے فدائی اور جان نثار تھے، اس جرم میں کوثر سے قید کر کے طوق و زنجیر پہنا کر تمام بلائے گئے اور قتل کیے گئے (طبری جلد ۲ ص ۱۵ و ص ۱۶) کامل جلد ۳ ص ۲۳۶ و ص ۲۳۷، استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۴

ان معتبر کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیکڑوں مقدس مہتیاں صرف

حق بات کہنے اور علیؑ کی محبت کا دم بھرنے کی وجہ سے تلوار کے گھاٹ اتار دی گئیں
معاویہ نے خود بھی حجر بن عدی کے قتل کا اقرار کیا ہے۔ مرتے وقت کہتا تھا یوحی
منک یا حجر لوویل اے حجر قیامت کے دن تمہارے اس قتل کا مجھ سے سخت
مواخذہ ہوگا (نصائح کا فیہ ص ۵۹)

آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے متعلق بار بار اپنی زبان وحی ترجمان سے
ارشاد فرمایا۔ یا علی انت منی وانا منک اور کبھی فرمایا علیؑ منی وانا
مند اور کبھی فرمایا علیؑ منی بمنزلة الرأس من جسدی کبھی فرمایا
من سب علیاً فقد سبنی کبھی فرمایا یا علی من البغضك فقد
البغضني من اذالك فقد اذاني ومن جاريك فقد جار ميني
اللهم وال من والاه وعاد من عاداه (ازالة الخفاء مقصد ۲ ص ۲۶
و ۲۷۹۔ استیعاب جلد ۲ ص ۲۷۱، مستدرک امام حنبل ص ۱۲۹ و ۱۶۲، اسعاف الراغبین
ص ۱۵۲ و ۱۵۶، ثروت الموبد ص ۵۸ و ۱۱۲، مودة القربی ص ۱۳، تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲
فصول المهمة ص ۱۲۲ و ۱۲۶، قصائص نسائی ص ۲۹ و ۳۹، نصائح کا فیہ ص ۶۶ و ۶۹
مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴، صواعق محرقة ص ۲۴، نور الابصار ص ۱۱۹، صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۳
مطالب السؤل ص ۶۸، ینابیع المودة ص ۵۳، ارجح المطالب ص ۵۵ و ۵۱۴)

پس ان احادیث کے ہوتے ہوئے حضرت علیؑ علیہ السلام پر معاویہ کا سب و شتم
کرنا اور ان سے لڑنا کیا حضرت رسولؐ خدام کی ذات سے لڑتا اور ان پر سب و شتم
کرنا نہ تھا اور کیا ایسی صورت میں معاویہ دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ کیا
اس کا قتل مسلمانوں پر واجب نہ تھا۔ معاویہ کی یہ وہ بدعت تھی جس کا اتباع
انہی برس تک اس کے تابعین نے بلا در اسلاحی میں کیا یعنی حضرت علیؑ علیہ السلام
پر تبراً کیا جاتا رہا۔ بغیر اس سنت معاویہ کو ادا کیے ہوئے نماز جمعہ قبول نہیں ہو

سکتی تھی۔ دربار خلافت سے فرمان جاری ہوتے تھے کہ ہر جمعہ کو نماز و خطبہ کے بعد مسجدوں میں علی الاعلان علیٰ اور ذریت طاہرہ محمدیہ کو سب و شتم اور لعن و تبرا سے یاد کیا جائے۔ لوگوں کو ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اصحاب رسولؐ کو خود معادیہ مجبور کرتا تھا اور کہتا تھا اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں تم کو سخت سزا دوں گا۔ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد شام میں خوشی کا جشن منا کر قصر خضراء سے اظہار مسرت میں تکبیروں کے نعرے لگا کر معادیہ حج کرنے آتا ہے اور بعد فراغ حج مدینہ منورہ پہنچ کر منبر رسولؐ پر بیٹھتا ہے۔ حضرت علیؑ پر لعن و تبرا کا ارادہ کرتا ہے۔ لوگ بکا اٹھتے ہیں کہ مال سعد بن ابی وقاص یہاں موجود ہیں۔ پہلے ان سے پوچھ لو پھر کچھ بولنا سعد کو بلاتا ہے اور اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ سعد کہتے ہیں کہ اگر تم ایسا کرو گے تو ابھی مسجد سے نکل جاؤں گا اور پھر کبھی نہ آؤں گا۔ پس معادیہ خاموش ہو گیا اور جب تک سعد زندہ رہے مسجد رسولؐ میں لعن نہ کی۔ سعد کے مرنے کے بعد منبر پر جا کر اس نے اپنے اس ناپاک ارادے کو پورا کیا۔ حضرت ام سلمہؓ زوجہ رسولؐ خذراء نے معادیہ کو لکھا کہ تم اپنے منبروں پر بیٹھ کر خدا و رسولؐ پر لعنتیں کرتے ہو، یعنی تم جب علیؑ اور اولاد علیؑ پر لعنت کرتے ہو تو درحقیقت خدا اور اس کے رسولؐ کو لعنت کرتے ہو۔ قسم خدا کی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ علیؑ کو دوست رکھتا ہے۔ (نصائح کافیہ ص ۶۹)

صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۵ میں خود سعد بن ابی وقاص کے بیٹے حمار بن سعدؓ منقول ہے کہ معادیہ نے سعد کو حکم دیا کہ تم ابو تراب کو کیوں نہیں سب کرتے۔ سعد نے کہا مجھے علیؑ کی بابت تین باتیں یاد ہیں جو رسول اللہؐ نے فرمائی ہیں۔ پس میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ بخدا اگر میرے لیے ان میں سے ایک بھی ہوتی تو مجھے سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ عزیز ہوتی۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے جب ایک جنگ کو جاتے

ہوئے علیؑ کو اپنے بعد مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور علیؑ نے اس کی شکایت کی تھی تو حضرت
 نے فرمایا تھا یا علیؑ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک
 وہی ہے جو موسیٰ کے نزدیک ہارون کی تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں ہے۔ دوسرے
 روز خیبر میں میں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ کل میں یہ علم اس کو دوں گا جو خدا اور اس کے
 رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسولؐ اسے دوست رکھتا ہے۔
 ہم سب نے اس عزت کے ملنے کی آرزو میں اپنی گردنیں بلند کیں مگر حضرت نے فرمایا
 علیؑ کو بلاؤ۔ علیؑ آئے آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا
 لعاب دہن لگایا اور علیؑ کو علم کرامت فرمایا۔ پس علیؑ کے ہاتھ پر خدا نے خیبر کو فتح فرما
 دیا۔ تیسرے حب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو
 بلایا اور فرمایا۔ اللھم هؤلاء اہلی۔ خدایا یہ میرے اہل ہیں (صحیح ترمذی جلد ۲
 ص ۲۱۴، خصائص نسائی قلمی ص ۳۲، مروج الذهب جلد ۲ ص ۴۲، تاریخ طبری تاریخ کامل)
 معاویہ حضرت عمارؓ یا سر کا قاتل تھا اور آنحضرتؐ نے ان کے قاتل کے متعلق
 فرمایا تھا۔ یا عمار تقتلک فیئتہ باغیہ تدعوہم الی الجنة ویدعونک
 الی النار (اے عمار تمہیں ایک گروہ باغی قتل کرے گا، تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے
 اور وہ تم کو جہنم کی طرف کھینچیں گے) (ذرقانی جلد ۱ ص ۴۵، صحیح مسلم جلد
 ۳ ص ۳۹۶-۳۹۷، صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۶۱، سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۴۶، تاریخ طبری جلد ۲
 ص ۲۱-کامل جلد ۳ ص ۱۵۶، ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۲۵، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۰۹، نور الالبصار
 ص ۱۲۶-اسعاف الراغبین ص ۶۶، مدارج النبوة ص ۸۷، مسند امام حنبل ص ۲۸۹-
 استیعاب جلد ۲ ص ۴۲۳ و ۴۲۴، ینابیع المودة ص ۱۲۸، مطالب السؤل ص ۸۳، ۸۴،
 سر العالمین غزالی ص ۸، معارج النبوة ص ۱۹، روضۃ الاحباب ص ۲۰، مروج الذهب جلد ۲
 تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۵۳، انالہ الخفاء ص ۱۵۳، نیز بعد آنے والے قتل کی پیشینگوئی

فرمائی ہیں۔ ان میں بھی فتنہ شام کو بہ صراحت ذکر فرمایا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کی ازالۃ الخفا مقصد دوم میں یہ ارشاد نبوی ہے ”شام سے فتنہ اٹھے گا اور فتنہ شام بنی امیہ سے ہے۔“

معاویہ کی خلافت و حکومت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں وہیہ ہنات و منات و منات یعنی اس کی حکومت و فساد ہی فساد اور فتنے ہی فتنے ہیں (ازالۃ الخفا) نیز بار بار فرمایا ”سبیل“ ”سبیل امیہ و سبیل“ ”سبیل امیہ (نصائح کافیہ)

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بنی امیہ نے قوت پکڑتے ہی دین الہی کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اسلام میں بے شمار فتنے برپا کر دیے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ”وہ قریش کے دو قبیلے بنو امیہ اور بنو مغیرہ ہیں۔ تفسیر درمنثور ص ۱۵۷، پارہ ۱۳، سورۃ ابراہیم کی تفسیر کے سلسلے میں لکھا ہے۔ ماخرج البخاری فی تاریخہ و ابن جریر و ابن منذر و ابن مردویہ عن عمر بن الخطاب قال فی قولہ تعالیٰ الحرث الی الذین الخ ہا الا فجر ان من قریش بنو امیہ و بنو مغیرہ فاما بنو المغیرہ فکفیتوہم یوم بدیر و اما بنو امیہ فمقتعوا الی حین یعنی بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے آیۃ الحرث الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ نعمت خدا کو کفر سے بدلنے والے قبیلہ قریش کے دو سب سے بڑے فاجر گروہ ہیں بنی امیہ اور بنی مغیرہ۔ بنی مغیرہ کو تو بدر کے روز تم ختم کر چکے مگر بنی امیہ ابھی تک باقی ہیں۔“

معاویہ کی علی سے بغاوت اور دشمنی الیہ رسول

کو سلطنت کا اصول قرار دینا اور امام حسن کا صلح کرنا حق تھا

جب حضرت علیؑ نے اصحاب کبارؓ کو جوین و انصار کے اجماع کامل اور اتفاق تام

سے اور ان کی درخواست و اصرار پر مجبور ہو کر خلافت ظاہری کو قبول فرمایا تو امیر معاویہ ان

سے جنگ کرنے اور بغاوت کی خاک اڑانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا پرست حکومت

دولت کے لالچی ان کے شریک حال بن کر علیؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ بڑا بیول کا

سلسلہ بندھ جاتا ہے اور حضرت علیؑ کے آخری نسل تک معاویہ کی فتنہ پر داری اور

برسر متبرست و شتم ذمی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آل محمدؑ کے فضائل و مناقب کو مٹانا خلافت

سلطنت کا اصول قرار دیا جاتا ہے۔ تاریخ و سیر کی کتابیں ان نازیبا اور وحشیانہ کاروائیوں

سے پر ہیں جو معاویہ نے امیر المومنین علیہ السلام کے عہد خلافت میں ان کے اوردان کے دوستوں

کے ساتھ خفیہ یا علانیہ کی ہیں۔ علامہ ابن الحدیدؒ کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر کے ص ۲۵۵

میں امام زہریؒ اور محمد بن سعدؒ اصنفائی کی اسناد سے جو کچھ منقول ہے اسے دیکھنا چاہیے۔

علامہ محمد بن عقیلؒ کی تصاریح کا بیہ کے عت اور ابو عثمان حافظؒ کی کتاب الرد علی الامامہ

اور علامہ ابو الحسن مدائنیؒ کی کتاب احداث میں جو کچھ اس بارہ میں لکھا ہے اسے پڑھو کہ

معاویہ نے کیا کہا ہے اور اپنے حکام و عمال کو کیا کیا احکام بھیجے ہیں۔

حضرت علیؑ علیہ السلام کے شہید ہو جانے کے بعد معاویہ نے شیطاں حضرت امام حسن

علیہ السلام سے بھی اپنی مخالفت کو کھلم کھلا جاری رکھا اور جب تک امام حسنؑ نے مجبور ہو کر

خلافت کو نہیں چھوڑ دیا۔ معاویہ نے اس کی انداز رسانی سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ملک شام

سے عراق و حجاز تک اموی سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ اور چپہ چپہ پر بنی امیہ کے

زہریلے جراثیم بکھر رہے ہوئے تھے۔ رشوتیں دی جاتی تھیں۔ انعام و اکرام کا بازار گرم تھا۔

قتل و غارت کی دھمکیاں تھیں۔ غرض اہل رسول کے اقتدار کو مٹانے کے لیے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ امام حسنؑ کے ساتھی جی چھوڑ بیٹھے بلکہ خود امام حسن علیہ السلام طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔

بے شک امام حسنؑ علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کی طرح دنیا کے حریص نہ تھے جس طرح تقریر حکیمین کے وقت نا اہل مسلمانوں کی بہت اور صند سے مجبور ہو کر حضرت علیؑ علیہ السلام نے ان کی رسی ان کی گردن پر چھوڑ دی تھی اسی طرح جب حضرت امام حسنؑ نے بھی اپنے دنیا پرست ساتھیوں کی حالت خراب دیکھی اور جنگ سے جی چراتے پایا تو انھوں نے بھی حکومت سے دست کشی اختیار کر لی اور جس طرح ان کے نانے نے مشرکین کو کھانے سے حدیبیہ میں صلح فرمائی اسی طرح امام حسنؑ نے بھی مصلحتاً ایہ معاویہ سے صلح کی۔ اس صلح میں بھی اسلام کی ہیبت کو مد نظر رکھتے ہوئے جو شرطیں فرمائی وہ اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ آپ کو مسلمانوں سے کیسی ہمدردی تھی۔ گو معاویہ نے بعد میں کسی ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ سب سے بڑی شرط یہی تھی کہ معاویہ اپنے بعد اپنا جانشین کسی کو نہ بنائے، اور خلافت اس کے بعد امام حسنؑ کی طرف منتقل ہو (الامامة والسياسة ص ۲۵۹ و تاریخ خمیس ص ۲۲۳) اس شرط کو قرار دینے سے بڑی غرض یہی تھی کہ معاویہ کے بعد یزید بدکردار مسلمانوں کا بادشاہ نہ ہو اور لوگ اس کے ظلم و ستم اور فسق و فجور سے محفوظ رہیں۔ محض اسی شرط کی وجہ سے معاویہ نے امام حسنؑ کو نہ ہر دلوادیا۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنی اس صلح سے آنحضرتؐ کی اس حدیث کی تصدیق فرمائی تھی۔ "میرا یہ فرزند مسلمانوں کے دو گروہ عظیم میں صلح کا موجب ہو گا۔" اس حدیث میں لفظ مسلمین وارد ہے جو تو اتر کے ساتھ تمام کتب تاریخ و احادیث میں درج ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۹ و ص ۱۴۰، تاریخ الخلفاء ص ۱۹، ابوالفداء ص ۱۹۳، تاریخ خمیس ص ۲۲۳، شرف المویذ ص ۶، اسعاف الراغبین ص ۳۳، اتحاد منہا

صواعق محرقة صلی لفظ مسلم کا اطلاق مومن و منافق دونوں کے لیے ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی منافق مسلم کہلاتے تھے۔ پس اس حدیث سے گروہ بنی امیہ کے لیے جو بظاہر اسلام کا چولا پہنتے ہوئے تھے مگر حقیقت میں مومن اور سچے مسلمان نہ تھے، کوئی بزرگی اور فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور معاویہ اور اس کے گروہ کے بدمعاش ہونے اور سچے مسلم کہلانے کی دلیل نہیں بن سکتی اور نہ اس سے امام حسنؑ کا معاویہ کو قابل خلافت سمجھ لینا ظاہر ہوتا ہے امام حسن علیہ السلام نے تو نہ کبھی اس کو خلیفہ رسولؐ جانا اور نہ امیر المومنین سمجھا، نہ اس کی اطاعت کا کبھی اقرار فرمایا اور نہ اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے صلح فرمائی۔ بلکہ یہ دیکھ کر کہ معاویہ کی سازشیں کام کر رہی ہیں۔ اور مسلمان نصرتِ حق سے منہ موڑ رہے ہیں تو مجبوراً آپؑ نے اپنی بیعت کو ان کی گردن سے اٹھا لیا اور خلافت کو چھوڑ بیٹھے۔ امام حسن علیہ السلام کے ان خطبوں اور تقریروں کو دیکھو جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس صلح کے متعلق موجود ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۰۶ طبری ۹۲۔ الامامة والسياسة۔ تاریخ خمیس۔ ابو الفداء تاریخ کامل میں امام حسنؑ کا خطبہ اور قیس بن سعد کی تقریر جو اہل لشکر سے ہوئی اور اہل لشکر کا جواب قابل ملاحظہ ہے۔ امام حسنؑ لشکر کی بے وفائی دیکھ کر فرماتے ہیں ”تم نے دین کو دنیا پر مقدم سمجھ لیا ہے اور معاویہ ہم کو ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف۔ اگر تم لوگ حق پر مرنے کے لیے تیار ہو تو ہم ان سے جنگ کے لیے آمادہ ہیں اور اگر ذلت کی زندگی کے خواہاں ہو تو ہم کو اختیار ہے کہ معاویہ سے صلح کر لیں۔“

جواب میں البقیۃ البقیۃ کی چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو جاتی ہیں یعنی ہم دنیا کی زندگی کے طالب ہیں۔ قیس بن سعد اہل لشکر سے کہتے ہیں۔ ایہا الناس تم امامِ گمراہ کی اطاعت کرنا چاہتے ہو یا اس سے راہِ الہی میں جہاد کرنا پسند کرتے ہو سب نے پکار پکار کر کہا۔ نہیں۔ ہم کو تو اس گمراہ امام کی ہی اطاعت منظور ہے۔

امام حسنؑ کے وہ الفاظ دیکھو جو معاویہ اور عمرو عاص کی موجودگی میں اہل کوفہ سے فرماتے ہیں۔ اتی ادرہی لعلہ فتنہ لکھ و متاع الیٰ حسین یعنی میں خیال کرتا ہوں کہ یہ تمہارے لیے فتنہ ہو اور صرف چند دن کی بہار یعنی حکومت و خلافت معاویہ (طبری۔ کامل، محرم نامہ ص ۱۷۱ حسن نظامی)

علامہ عقیلی نے نصائح کافیہ ص ۱۵۲ پر امام حسن علیہ السلام کی اس صلح کے متعلق خوب لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ان تسلیم الحسن الامر الیہ غیر مبرور لہ لانہ لم یسلمہ الا مضطراً و صوناً لدماء المسلمین و اخذ باخف الضررین و اھون التزیق علماً منہ ان معاویہ مصر علی القتال و سفلی الدماء فکان من رایہ تسلیم الامر و حقن دماء المسلمین و تحقق بذلك قول حبذہ ان الیٰ بنی ہذا اسید لعل اللہ ان یصلح بہ بین ذیئین عظیمین من المسلمین فالحسن ماثب بہذا الصلح مصیب ذیہ و معاویہ مخطی معاقب علیہا مبقوت بہ و لا کرامتہ یعنی حسنؑ کا امر خلافت کو چھوڑ دینا حسنؑ کی نیکی اور برہمیں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے کہ حسنؑ نے امر خلافت کو نہیں چھوڑا مگر مجبور و مضطر ہو کر مسلمانوں کے خون بچانے کے لیے چھوڑ دیا اور وہ ضرر میں سے خفیف ضرر کو اختیار کیا اور دو شرور میں آسان شر کو قبول کیا کیونکہ وہ بیان کرتے تھے کہ معاویہ جنگ کرنے اور خون بہانے پر مصر ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا پس حسنؑ کی رائے یہی ہوئی کہ خلافت کو چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے خون کو بچائیں اور اپنے نانا رسول خداؐ کے اس قول کو کہ میرا یہ فرزند سردار ہے اور مسلمانوں کے دو گروہ عظیم میں صلح کا موجب ہوگا سچا ثابت کر دکھائیں۔ پس حسنؑ بلا شک اس صلح میں داخل ثواب ہیں اور اس فعل میں درستی اور نیکی یہ ہیں اور معاویہ اس معاملہ میں مخطا و وار

اور استحق عذاب ہے۔ اس کے لیے اس معاملہ میں کوئی بزرگی اور کرامت نہیں۔
 اسی ضمن میں پھر ص ۱۵۴ پر علامہ عقیلی تحریر فرماتے ہیں۔ فقد صالح صلی اللہ
 علیہ وآلہ کفار قریش یوم الحدیث علی ان یرجع الی المدینۃ ہو واصحابہ
 ولا حج ولا عمرۃ وعلی ان یرد الی الکفار من جاعۃ منهم مسلماً و
 ان لا یدخل النکۃ فی المقابل الاثلاثۃ ایاہ کسلاح المسافر فقط ولم
 یرضوا مع هذا بکتابۃ محمد رسول اللہ ففتحها من الکتاب بیدہ
 الشرقیۃ وایدلہ ببخمد بن عبد اللہ المریمین هذا الصلح حقاً
 من جانب النبی وباطل من جهة کفار قریش وکذا لک صالح
 النبی عینہ واقرب علی ان یعطیہما ثلث ثمار المدینۃ ان مرجع
 یمن معہما عن مساعدۃ الی سفیان والاحزاب لولا ان سرعداً
 اشار علی النبی ان لا یدرمہ ان لم یکن وحیاً فاستحسن النبی رايہ
 ولم یدرمہ اولم یکن هذا حقاً من جهة النبی وباطل من
 جهة الاخری فکذا لک صلح الحسن فهو حق من جهة وباطل
 من جهة معاویۃ مخطی متغلب اثم لا مرہب ومع ذلك
 فانه نکت ونقض اکثر ما عاہد اللہ علیہ فی ذلك الصلح
 ملخص قضیۃ الصلح من فتح الباری شرح صحیح بخاری ومن
 تاریخ ابی جعفر الطبری ومن الکامل لابن اثیر وغیرہا للعلم
 ما لاجاء الامام الحسن الی ذلك الصلح وما نکت معاویۃ من عہودہ
 (یعنی رسول اللہ نے روز حدیبیہ کفار سے اس امر پر صلح فرمائی کہ حضرت مع اپنے
 اصحاب کے مدینہ کو لوٹے جائیں اور نہ حج کریں اور نہ عمرہ اور کفار قریش میں سے
 جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ اہل مکہ کو واپس دے دیے جائیں اور آئندہ سال بھی مکہ

میں داخل نہ ہوں۔ مگر تین دن کے لیے اور وہ بھی فقط مسافروں کی طرح اور پھر باوجود ان سب باتوں کو قبول فرما لینے کے کفار مکہ صلح نامہ میں لفظ محمد رسول اللہ لکھنے جلنے پر راضی نہ ہوئے اور حضرت نے خود اس لفظ کو اپنے دست مبارک سے مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھوایا۔ کیا یہ صلح رسول کی طرف سے حق اور کفار کی جانب سے باطل نہ تھی اور ایسا ہی رسول اللہ نے عینہ اور اقرح (یہودیوں کے دو قبیلوں سے) اس امر پر صلح فرمائی کہ باغات مدینہ کے بچاؤں کا ایک ثلث حصہ ان کو دیا جائے گا۔ اگر وہ مع اپنے ساتھیوں کے ابوسفیان اور اس کے گروہ کی امداد سے ہٹ جائیں۔ سعد نے اشارۃ عرض کیا، اگر وہی اس کے خلاف نہ ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور اس تجویز کو نہ چھوڑا۔ پس کیا یہ صلح اور یہ تجویز رسول اللہ کی برحق نہ تھی اور فریق دوم کی طرف سے کذب و بطلان؟ پس اسی طرح امام حسنؑ کی صلح حق ہے ان کی طرف سے اور باطل ہے معاویہ کی جانب سے۔ بے شک معاویہ زبردستی غلبہ کرنے والا خطاوار و گنہگار تھا۔ اس نے باوجود مسینہ زوری سے خلافت لینے کے جو عہد کیا تھا اس کو توڑ دیا اور کسی ایک شرط پر وفانہ کی۔ اس قضیہ صلح کا یہ سب خلاصہ فتح الباری شرح صحیح بخاری اور ابوسعفر طبری کی تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر وغیرہ سے لکھا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ امام حسنؑ اس صلح کے لیے کس طرح مجبور ہو گئے تھے اور معاویہ نے اپنے عہدوں کو کس طرح توڑا تھا۔

اس صلح کے بعد نردانی گروہ خوارج نے معاویہ سے جنگ کے لیے خروج کیا۔ معاویہ نے امام حسنؑ کے پاس کہنا بھیجا یا تحریر بھیجی کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہو کر اس گروہ سے جنگ کریں۔ پس اگر امام حسنؑ معاویہ کو مسلمانوں کا جائز حاکم مانتے ہوتے تو کیا معاویہ کی فرمائش کی تعمیل ان کا فرض نہ ہوتا لیکن انھوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ سختی سے جواب دیا۔ سبحان اللہ! جب میں نے تیرے ساتھ جنگ کرنے کو جو ہر طرح مباح

اور مسلمانوں کی بہبودی کا باعث تھی ترک کر دیا تو کیونکر ممکن ہے کہ میں تیرے ساتھ شامل ہو کر جنگ کروں (انصاح کافیہ ص ۱۵۷ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۸۸ - تاریخ طبری)

پس یہ ہے وہ صلح معاویہ کی جس پر گروہ بنی امیہ اور طرفداران یزید و معاویہ بڑے زور شور سے بیان کیا کرتے ہیں کہ امام حسنؑ نے خلافت معاویہ کو قبول کر لیا تھا اور اس کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ پس اس کے بعد یزید بھی اس کا جانشین و خلیفہ تھا۔ امام حسینؑ پر اس کی بیعت فرض تھی۔ کیا ان حالات و واقعات کو دیکھ کر امام حسنؑ کے ان جوابوں، خطبوں اور کلاموں کو پڑھ کر ایک ذی عقل انصاف پسند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ کی بیعت کو قبول کر لیا تھا اور وہ اس کو خلیفہ واجب الطاعت سمجھتے تھے۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ وہاں رضا مندی کا کوئی تعلق ہی نہ تھا صرف یار و انصار کے منہ موڑ لینے اور مددگاروں کے نہ ہونے سے مجبور ہو کر امام حسنؑ نے حکومت کو چھوڑا تھا۔ معاویہ نے اس کو غنیمت سمجھا۔ اگر وہ بھی یزید کی طرح کھلم کھلا اسی وقت امام حسنؑ کا خاتمہ کر دینا مناسب سمجھتا تو یقیناً امام حسنؑ کے ساتھ اس وقت وہی سلوک ہوتا جو امام حسینؑ کے ساتھ کر لیا میں ہوتا۔ لیکن معاویہ بنی امیہ کی اس خلافت کو مستحکم بنانے اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور یزید کو اپنا جانشین قرار دینے کی اسلیم کو بخوبی سمجھ چکا تھا۔ مشہور دھواۃ عرب میں شمار ہوتا تھا۔ یزید کی طرح بدست رنگیلا، شرابی اور بے عقل انسان نہ تھا۔ اس لیے اس نے یزید کی طرح بے عقلی سے کام نہ کیا۔ وہ کھلم کھلا قتل کے برے نتائج کو جانتا تھا۔ اسی لیے یزید کو بھی حسینؑ کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچنے کی ہی وصیت کی تھی۔ ورنہ اگر معاویہ بھی امام حسنؑ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا جو حسینؑ کے ساتھ ہوا تو آج دنیا میں جو یزید کا حشر ہو رہا ہے وہی اس کا ہوتا اور خطائے اجتہادی کا جو کچا رنگ اس کے افعال پر چڑھایا گیا ہے۔ سب ہوا ہو جاتا۔ پس اس مدعا پر قتل امام حسنؑ کو بصیغہ راز پورا کرنا ہی مدبرانہ پہلو

سے مناسب سمجھا گیا اور رسول خدام کے اس سبط اکبر کو زہر دغا سے شہید کر کے صلحنامہ کی اس شرط کو کہ معاویہ کے بعد خلافت حسن کی طرف منتقل ہوگی مٹا دیتے اور یزید کو اپنا جانشین بنا دینے کا راستہ صاف کر دیا۔ اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ امام حسن کی شہادت زہر سے ہوئی اور ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ دیا گیا۔ تمام مورخین و محدثین برابر یہی لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ زہر کا پیالہ امیر معاویہ کے اشارہ یا یزید کی تجویز سے پلایا گیا تھا و مردج الذہب جلد ۲ ص ۳۶ - استیعاب جلد ۱ - ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۳ تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱ المصارع کافیہ ص ۱۱۱ - تذکرہ خواص الامہ - طبقات ابن سعد - روضۃ المناظر شواہد النبوة ص ۱۳۱ - محرم نامہ و یزید نامہ - حسن نظامی ص ۸۳ و ۸۴) تعجب ہے ان لوگوں کی عقل پر جو امام حسن کی شہادت کے واقعہ کو زہر سے تو بتاتے ہیں مگر اس امر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یہ زہر معاویہ کے ایمان سے دیا گیا تھا یا یزید کی تجویز تھی بلکہ دونوں کو اس الزام سے بری کرنے کی جرأت فرماتے ہیں۔ حیح چہ دلا و راست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ اگر معاویہ اور یزید نے زہر نہیں دلایا تو پھر تیسرا کون شخص امام حسن کا رقیب اور اس وقت خلافت کا دعویدار تھا اور ان کا وجود ذیجود کس کے قلب بخش میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ پھر امام حسن کی خبر شہادت پہنچنے پر دربار شام میں امیر معاویہ کے محلات میں خوشی کے نعرے کیوں بلند ہوئے۔ شکر کے سجدے کیوں کیے گئے۔ مردان کو کیوں لکھا گیا تھا کہ حسن کی حالت کی پے بہ پے خبر ہم کو بھیجتے رہو۔ ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۸ - حبیب ذائد معاویہ کے پاس امام حسن کی خبر وفات لے کر پہنچا تو معاویہ نے کہا۔ عجباً من الحسن شرب شربت من غسل بماء ہدیمۃ فقضیٰ مجبہ یعنی تعجب ہے کہ حسن نے شہد کا شربت ردی پانی ملا ہوا پیا اور انتقال کر گئے۔ (غالباً یہ ماء ردی وہی ہوگا جو مردم سے منگوا یا تھا یعنی زہر) پھر حیوة الحیوان دمیری سے لکھتے ہیں۔ لہذا مرض الحسن کتب مردان بن الحاکم الی معاویۃ بذلك وکتب الی معاویہ ان اقبل المطلق الی بخیر الحسن فلما بلغ معاویۃ فوۃ سمع تکبیراً

من الخضر افکیر اهل الشام بذلك التكبير فقالت فاخترت قرصه
 معاوية اقر الله عينك ما الذي كبرت لاحد فقال مات الحسن
 فقالت اعلى موت ابن فاطمة تكبير فقال ما كبرت شامة ولكن
 سر قلبي ودخل عليه ابن عباس فقال يا ابن عباس هل تدري
 ما حدث في اهل بيتك قال لا ادرى باحدث الا اني امراك
 مستبشراً وقد بلغني تكبيرك فقال مات الحسن فقال ابن عباس
 رحم الله ابا محمد ثلاثا والله يا معاوية لانتد حفرته حضرتك
 ولا يزيد عمره في عمرك ولئن كنا اصبنا بالحسن فلقد اصبنا بامام
 المتقين وخاتم النبيين فخير الله تلك الصورة وسكن تلك
 العبرة وكان الخلف علينا بعدك (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۸) یعنی جب
 امام حسن بیمار ہوئے مروان نے اس کی اطلاع معاویہ کو لکھی۔ معاویہ نے جواب
 میں لکھا، حسن کی حالت کی خبر ہم کو جلد جلد بھیجتے رہو۔ جب معاویہ کو امام حسن
 کی شہادت کی خبر ملی تو قصر خضراء (معاویہ کا خاص محل) سے تکبیر کی آوازیں سنیں
 اس تکبیر کی آواز سنکر اہل شام نے بھی تکبیریں کہیں۔ اس وقت فاطمہ بنت قرظہ
 نے معاویہ سے کہا۔ خدا تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے۔ کس خوشی پر آپ نے
 یہ تکبیر کہی ہے۔ معاویہ نے کہا حسن مر گئے۔ یہ سن کر اس بیچاری نے کہا کیا فاطمہ
 کے بیٹے کے مرنے پر غم یہ تکبیروں کے لرے بلند کرتے ہو؟ معاویہ نے کہا میں
 نے شہادت سے تکبیر نہیں کہی بلکہ میرے دل کو راحت اور خوشی حاصل ہوئی۔ اس
 کے بعد ابن عباس آگئے۔ معاویہ نے کہا، تم کو خبر ہے تمہارے خاندان میں
 کیا حادثہ گزرا۔ کہا مجھے نہیں معلوم۔ البتہ میں آپ کو خوش و خرم دیکھتا ہوں
 اور تمہاری تکبیروں کی آواز بھی سنی ہے۔ معاویہ نے کہا، حسن مر گئے۔ یہ سنکر
 ابن عباس نے تین مرتبہ کہا، خدا ابو محمد (حسن) پر رحم کرے، لیکن اے معاویہ حسن
 کی قبر نے تمہاری قبر کو بند نہیں کیا اور ان کی عمر تمہاری عمر میں کوئی زیادتی نہیں

کرے گی اور ہم پر جو کچھ مصیبتِ حسنؑ کے فوت ہونے سے واقع ہوئی ہے تحقیق ہم پر ایسی ہی مصیبتِ امامِ المتقین (علی) اور خاتم النبیین (حضرت رسولِ خدا) کی وفات سے بھی آئی تھی۔ خدا نے ایک کے بعد دوسرے کے وجود سے اس شکافِ مصیبتِ عالم کو جوڑ دیا اور یہ غم کے آنسو تھے۔ ایک کے بعد دوسرا وجود باعثِ تسکین بنایا۔ اب ہم میں اس کے بعد بھی ان کا قائم مقام موجود ہے۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام حسنؑ کو ایک بار نہیں بار بار زہر دیا گیا تھا جس سے حضرت ہمایہ رہنے لگے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سات مرتبہ زہر دیا گیا۔ تاریخ خمیس وغیرہ میں ہے کہ خود امام حسنؑ نے آخری مرتبہ جس کے بعد شہادت ہوئی۔ فرمایا۔ انی قد سقیبت السم مراراً مجھے کئی دفعہ زہر پلایا گیا ہے۔

علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامارۃ والسیاسة حصہ اول ص ۲۶۶ میں لکھتے ہیں۔ فلما اتاک الخیر اظهر فرحاً و سروراً حتی سجد و سجد من کان معہ یعنی جب امام حسنؑ کی وفات کی خبر امیر معاویہ کو ملی تو خوش ہوئے اور فرحت و سرور کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ شکر کے سجدے کیے اور مصاحبوں ساتھیوں نے بھی اس کے ساتھ ہی سجدے ادا کیے۔ پھر ابن عباس کا آنا اور امیر معاویہ سے باہمی گفتگو کو درج کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ابن عباس بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے تھے اور معاویہ سے کہتے تھے۔ قد بلغنی الذی اظهرت من الفرح والسرور لوفاته اما والله ما سجد جسدک حفرتک ولا زاد نقصان اجلہ فی عمرک و لقد مات هو خیر منار و لیئن اصبنا بمن کان خیراً منه جدک رسول اللہ فجیر اللہ مصیبۃ و خلفت علینا من لجدہ احسن الخلافة یعنی تحقیق حسنؑ کی موت پر جو خوشیاں تم نے منائیں

اور جو اظہارِ فرحت و سرور تمہارے کیا تجھے معلوم ہوا۔ مگر قسم ہے خدا کی اسے معاویہ حسنؑ کی لاکش نے تمہارے گڑھے کو بند نہیں کیا اور حسنؑ کا مرنا تمہاری عمر کو نہیں بڑھائے گا۔ تحقیق یہ اس کی موت ہے جو تجھ سے بہتر ہے اور ہم پر حسنؑ کی موت سے جو مصیبت آئی ہے بس ایسی ہی مصیبت ہم پر پہلے بھی یعنی حسنؑ کے نانا رسول اللہؐ کی موت سے جو حسنؑ سے بہتر تھے۔ پس اللہ نے اس مصیبت پر رسول اللہؐ کے بعد بہترین خلف ہمارے واسطے چھوڑا جس سے اس مصیبت میں کچھ تسکین اور صبر ہوا (یعنی علیؑ) پھر علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر ابن عباسؓ نے چیخ ماری اور رونا شروع کیا۔ سب حاضرین مجلس بھی ابن عباسؓ کے ساتھ رونے لگے اور معاویہ بھی روئے۔ راوی کہتا ہے کہ ایسا رونا میں نے کسی دلی نہیں دیکھا (ذکر حسینؑ سن کر رونے لگانے پر اعتراض کرنے والے اور ذکر حسینؑ کی مخالفت کرنے والے ذرا ابن عباسؓ کے اس ذکر اور رونے پر توجہ کریں اور انصاف فرمائیں) ابن عباسؓ نے دربار امیر معاویہ کو وفات امام حسنؑ کی مجلس نہیں بنایا تھا تو اور کیا تھا؟ پھر معاویہ نے ابن عباسؓ سے پوچھا میں نے سنا ہے کہ حسنؑ نے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے چھوڑے ہیں۔ فقال ابن عباسؓ کلنا کان صغیراً فنکدرنا یعنی ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم سب ہی چھوٹے تھے، صغیر تھے، پس بڑے ہو گئے۔ معاویہ نے پوچھا حسنؑ کی عمر کیا تھی؟ ابن عباسؓ نے فرمایا یہ اس سے بھی زیادہ اعظم امر ہے کہ کوئی شخص حسنؑ کی ولادت سے اپنے جہل کا اظہار کرے (یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ حسنؑ کب پیدا ہوئے تھے؟ اور کیا حسنؑ کی عمر اب مرنے کی تھی؟) معاویہ نے ابن عباسؓ سے کہا۔ اصبحنا سیدنا قوماً من بعدک۔ یعنی اب تو حسنؑ کے بعد آپ ہی اپنی قوم و قبیلہ میں سردار ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں۔ کیا ابا عبد اللہ الحسینؑ باقی نہیں ہیں۔

(امامة والسياسة ص ۲۷۱، انصاری کافیہ ص ۶۔ عقد الفریدان عبد اللہ ص ۳۵)

وغیرہ) بس جس طرح مکہ فتح ہونے تک ابوسفیان رسول اللہؐ سے جنگ کرتے رہے

اسی طرح حضرت امیر معاویہ مسلمان ہو کر طاقت و قوت پکڑنے پر حضرت علی مرتضیٰ امیر المومنین
مسلمانوں کے برحق امام و خلیفہ سے لڑائیاں لڑتے اور جنگ آزائیاں فرماتے رہے
اور علیؑ کے بعد سبط اکبر جان رسولؐ حضرت امام حسنؑ سے بغض و عداوت اور دشمنی
کے گل کھلاتے رہے زبردستی جبر و تشدد سے اسلام میں فتنہ و فساد برپا فرما کر
مسلمانوں کے خون بہا کر سلطنت اسلامی اور خلافت محمدیؐ مستقیم سے پھین بیٹھے
اور امیر المومنین بن بیٹھے اور پھر چلتے چلتے اسی طرح زبردستی ظلم و تشدد سے چھین
ہوئی اس غاصبانہ خلافت کی ریتی اور ظلم و جور و استبداد کی خونخوار تلوار
اپنے فرزند دلبند رنگیلے نھزادے یزید کے ہاتھ میں دے گئے۔

یزید کی ولیعہدی اور خلافت کی تحقیق

علماء کے اقوال اور ارشادات یزید کے متعلق
یہ ہمارا قول نہیں ہے بلکہ امام حسن بصری جیسے مستند و معتبر تابعی بزرگ کا قول
ہے جن کو اسلام کے تقریباً تمام فرقے امام دین اور بزرگ اسلام مانتے چلے آتے ہیں
تاریخ طبری جلد ۵، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۵۵ - تاریخ الواقعات جلد اول ص ۱۱۱
وفیہ کو طاحظہ کرو۔ قال حسن البصری امر بجمع خصالی کون فی معاویہ
لو لم تکن فیہ الا واحدۃ فكانت مولفۃ
۱۔ انتزاعہ علی ہذہ الامۃ بالذیفۃ علی اذن الامر من غیر مشورۃ
ومنہم بقایا الصحابہ ذوالفضیلۃ
۲۔ واستغللۃ لعدۃ امینہ سکیراً خیاراً یلبس الحریر و یجرب
بالطنابین
۳۔ وادعائہ زیاداً و قد قال رسول اللہ الولد للفرش
والعاهل یجبر۔

۴۔ وقتلہ حجراً واصحاب حجر فیا ویلاً لہ من حجر ثلاث مرات۔

یعنی حسن بصری ارشاد فرماتے ہیں۔ امیر معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں ہو تو وہی عقاب دائمی کے لیے کافی ہے:

۱۔ یعنی امیر معاویہ نے اس امت مرحومہ نبوی پر تلوار کھینچی یہاں تک کہ بغیر مشورے و مشورہ زبردستی خلافت اسلامیہ پر قبضہ کر بیٹھے۔ حالانکہ امت میں اس وقت بقیہ اصحاب رسول اللہ ان سے بہتر صاحبان فضیلت خلافت کے اہل موجود تھے۔

۲۔ اور پھر اپنے بعد اپنے بیٹے کو جو شرابی کبابی، بھنگی چوری خلافت شرعیہ محمدیہ رشیم پہنتا اور طنبور سے بجاتا تھا۔ امت پر خلیفہ بنا گئے۔

۳۔ اور زیادہ کو خلافت حکم شرعیہ ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا بھائی بنا لیا حالانکہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیٹا وہی کہلاتا ہے جو جائزہ بیاہتا بی بی سے ہو اور زنا کار کے لیے منرائے سنگساری ہے۔

۴۔ امیر معاویہ نے حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ پھر تین مرتبہ فرمایا، معاویہ کے لیے افسوس ہے حجر کی طرف سے۔

یہ حجر بن عدی رسول اللہ کے بڑے مقدس بزرگ صحابی تھے۔ اور حضرت علی کے خاص دوستوں اور مددگاروں میں سے تھے (

الفرق امام حسن کی شہادت کے بعد فوراً ہی نزدیک کے لیے ولید بن ابی معشر کی تجویز اور خلافت و بیعت کی تدبیریں ہونے لگیں اور یہ آندھی شام سے اٹھی اور عراق و حجاز پر خاک برسائے لگی۔ ہر قسم کے جہال پھیلائے گئے۔ روپیہ پیسے کے لالچ علیحدہ دیے گئے۔ قتل و غارت کی دھمکیاں جدا سنائی گئیں۔ درہم و دینار کی ندر پاشی سے لوگوں کے ایمان خریدے گئے۔ تاریخ طبری جلد ۶ تاریخ کامل جلد ۳ میں ان واقعات کو پڑھو۔ ابن قتیبہ کی سیاست والامامہ کو مطالعہ کرو۔ مروج الذهب معنی پرنظر ڈالو، مورخین و محدثین کی تمام تصنیفات میں یہ واقعات نظر آتے ہیں کہ

یزید کی ولیعهدی اور خلافت و بیعت کے لیے کیسی کیسی سیاسی سازشیں اور چال بازی کی گئی تھیں۔ کوفہ میں متغیر بن شعبہ تیس تیس درہم لفظ دیتے ہیں اور لوگوں کے دین و ایمان کو خریدتے ہیں اور یزید کے لیے بیعت پر لوگوں کو راضی کرتے ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۵۲ لبرہ کے لیے زیاد کو لکھا جاتا ہے۔ شام میں جو تہ کیسین کی جاتی ہیں اور جس طرح بیعت یزید کے لیے لوگوں کو راضی اور آمادہ کر کے بیعت لی گئی وہ امامت والی سیاست ابن قتیبہ میں مفصل موجود ہے۔ مدینہ اور مکہ کے لیے مروان بن حکم کو لکھا گیا۔ جس کے واقعات بھی تاریخوں کی کتابوں میں درج ہیں۔

اصحاب و اصحاب زادگان، بزرگان دین، سرداران حجاز، مشرفلے مکہ و مدینہ نے جس زور شور سے مخالفت فرمائی۔ مفصل تاریخ و سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر کے مکالموں اور تقریروں کو دیکھو جو خود امیر معاویہ اور مروان بن الحکم سے ہوئی ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر اور حضرت امام حسینؑ و عبداللہ ابن عباسؑ وغیرہ وغیرہ مقدس و بزرگ ہستیوں کے جوابات کو دیکھو جو تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن قتیبہ، نصاب کافہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ خود بنی امیہ کے ارکان دولت حضرت امیر معاویہ کے دست و بازو زیاد، مرقان، سعید ابن عثمان وغیرہ بھی یزید کو خلافت کے ناقابل و نااہل بتاتے ہیں۔ اور امیر معاویہ کی اس تجویز کی مخالفت کرتے ہیں اور روکتے ہیں کہ ایسا مت کرو زیاد لبرہ سے لکھتا ہے کہ خلافت و حکومت اسلام اور اس کی ضمانت ایک بہت عظیم اور بزرگ کام ہے۔ یزید کا اہل و سنت، شکار کا دلدادہ کھنڈر الکا ہے۔ وہ ہرگز اس کا اہل نہیں (تاریخ طبری ص ۱۶۹ تاریخ کامل ص ۱۲۵) مروان بن الحکم بھی یزید کی بیعت کو ٹھنڈے دل سے قبول نہیں کرتے۔ علامہ سعودی مرقع الذہب میں لکھتے ہیں کہ مروان مدینہ کا حاکم اور گورنر تھا۔ امیر معاویہ نے ان کو لکھا کہ ہم نے یزید کو اپنا ولیعهد بنالیا ہے اور اس کے لیے ولیعهدی کی بیعت

لی جا چکی ہے۔ تم خود بھی یزید سے بیعت کرو اور ہماری طرف سے وہاں یزید کے لیے مدینہ میں لوگوں سے بیعت لو۔ مروان نے جب امیر معاویہ کا یہ حکم سنا تو غصہ سے براغزوہ ہو کر گھر میں گئے۔ گھر والوں اور اپنے باموں نے جو قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں پر بھی اپنی اس ناراضی اور رنج و غضب کا اظہار کیا اور اسی غصہ میں دمشق کو امیر معاویہ سے خود بات چیت کھٹے کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر امیر معاویہ سے ملے۔ اس انداز سے چلتے تھے جس طرح دو برابر کے ہم پلہ عزیز رشتہ دار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ سے بعد سلام علیک غصہ سے بھرے ہوئے تیز و تند طولانی تقریریں کیں اور خوب امیر معاویہ کو لتاڑا اور کہا اے ابوسفیان کے بیٹے اہم مداخلات کو درست کر یہ کیا کر رہا ہے۔ بھوکوں کو امیر اور مردار بناتا ہے، اس ارادے سے باز آ۔ یاد رکھ تیری قوم میں تیرے جیسے اور بھی موجود ہیں اور جو تیرے مشوروں میں اور تیرے کاموں میں تیرے وزیر و مددگار ہیں (امیر معاویہ) یا اسی چال چلتے ہیں اور مروان کو ٹھنڈا کرنے کا ڈونڈتے ہیں، فرماتے ہیں، اے مروان خفانہ ہو، تم بے شک امیر المومنین کی نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کی نصیحت و پناہ اور مددگار ہو۔ پس یزید کے بعد تم کو ہی یزید کا ولیعهد ہم نے قرار دیا ہے اور مروان کو یزید کا ولیعهد قرار دیا۔ اس طرح مروان کو ٹھنڈا کر کے زبانی وعدہ دے کر مدینہ کو واپس کر دیا کہ پس یزید کے بعد تم ولیعهد ہو۔ اس طرف مروان مدینہ پہنچتا ہے۔ ساتھ ہی حکومت مدینہ سے معزولی و موقوفی کا پروانہ بھی پہنچ گیا اور بجائے مروان اپنے حقیقی بھتیجے ابوسفیان کے پوتے و کبیر کو حاکم مدینہ بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس طرح مروان کی ولیعهدی کا وعدہ پورا فرمایا گیا۔ مروج الذهب مسعودی جلد ۲ ص ۵۲۵۔ ابن قتیبہ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو الامامۃ والسیاستہ جلد اول ص ۲۴۹ تا ۲۵۹۔

حضرت عثمان کے بیٹے سعید ابن عثمان بھی یزید کی بیعت و خلافت پر بہت گہرے اور امیر معاویہ

لڑتے جھگڑتے ہیں اور اپنے حقوق جتاتے اور یزید کو نا اہل و ناقابل بتاتے ہیں۔ ان کو بھی خراسان کی سپہ سالاری اور خلعت سرفرازی دے کر رضامند کر لیا جاتا ہے۔ تاریخ کامل، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۶۱۔ اور امامت و السیاستہ ص ۳۰۳۔ ابن خلکان جلد ۲ ص ۴۴۴۔ پس امیر معاویہ کی خلافت و حکومت کا یہ سچا آئینہ اور اصل نقشہ ہے کہ جس کو جائز خلافت اسلامی سلطنت محمدی اور مسلمانوں کی بادشاہت و امارت کہا جاتا ہے اور یہی وہ خلافت اسلامی اور سلطنت محمدی ہے کہ جو اس طرح ظلم و جور سے حاصل کر کے امیر معاویہ کی جائیداد و ملک و ترکہ و ورثہ قرار پا کر بعد امیر معاویہ ان کے لائق و خالق رنگیلے صاحبزادے یزید کو پہنچ جاتی ہے اور یزید مسلمانوں کے جائز، خلیفۃ المسالین اور امیر المؤمنین قرار پا جاتے ہیں اور آئندہ خاندان بنی امیہ کے رنگیلے عیش پرست شہزادوں کے لیے مخصوص کر دی جاتی ہے۔ اور نیز اس اجماع و اتفاق امت کی بھی یہی وہ سچی تصویر ہے کہ جس کی بنیاد پر یزید کو خلافت اسلامی کا حقدار اور اہل پکارا جاتا ہے۔ اور اسی اتفاق و اجماع کی بنیاد پر حسینؑ فرزند رسولؐ کے لیے معاذ اللہ یزید فاسق و فاجر، ظالم و جاہل، مخرب دین اسلام کی بیعت و اطاعت کو واجب و فرض بتایا جاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ گر ہمیں مکتب است و این ملا، کا یہ طفلان تمام خوابدہ شد۔ ایکے علی الاسلار ان کان باکیا۔ پس کیوں نہ رویا جائے اس اسلام پر اور اس خلافت پر جس کے خلیفہ اور امیر یزید جیسے بیاہ کاڑھے دین مخرب اسلام لوگ ہوں۔

بلا شک خلافت رسولؐ اور اسلام الہی کے لیے یہ زمانہ

ایسا سخت و شدید مصیبت کا زمانہ تھا کہ سب کی نظیر کسی آئندہ زمانہ میں نظر نہیں آتی ۔

امیر معاویہ اور یزید کے زمانہ میں

حقیقی اسلام کی کیا حالت تھی؟

کتب تاریخ و حدیث کی ورق گردانی سے کھلم کھلا نظر آتا ہے کہ خلافت رسول کے پردے میں اسلام کے نورانی احکام اور دین محمدی کے روحانی خیر و برکت کے قانون کیونکر ملیا میٹ ہو رہے تھے۔ بنی امیہ کے ظلم و جور اور استبدادی حکومت کی آنکھیاں کس زور شور سے چل رہی تھیں۔ اس زمانہ کے واقعات تاریخی حالات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ بلاد اسلامی میں اتم الخجائث شراب نابکار کا عام رواج ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ و مدینہ میں بھی جو اسلام کا گھر ہیں اور جہاں سے ہدایت محمدی کے چشمے ابلتے تھے اور جہاں حرمت شراب کا حکم ہونے پر سینکڑوں شراب کے بھرے بھرے ٹمکے اور گھڑے ایک دم توڑ دیئے گئے تھے۔ ان مقدس مقامات میں بھی گانے بجانے اور عام شراب نوشی و لہو و لعب کا عام رواج ہو گیا تھا۔ یزید کے فسق و فجور اور بد اعمالیاں اس کے مصاحبوں، عاملوں اور حاکموں میں بھی پھیل گئی تھیں۔ علامہ سعودی مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۸ میں لکھتے ہیں۔ غلب علی اصحاب یزید و عمالہ ما کان لیفعلہ من الفسوق و فی ایامہ ظہر الغناء بملکہ و المدینہ و استعملت الملاحی و اظہر الناس شرب الشراب یعنی یزید کے فسق و فجور کے اعمال اس کے اصحاب و عمال پر بھی غالب کئے گئے تھے اور اس زمانہ میں ظاہر و باطن کا سنا بجلنے، شراب نوشی اور لہو و لعب کا لوگوں میں عام رواج ہو گیا تھا (منزل الابار علامہ بادشہی ص ۹۸) یزید شہزادگی کے زمانہ میں باپ کی ہدایت پر اہل مکہ و مدینہ کو اپنی قابلیت اور لیاقت دکھانے کے لیے حج کو آتے ہیں اور مدینہ رسول میں پہنچ کر مصاحبوں کے جھگڑے میں شراب کا دور چلتا ہے۔ سچ ہے۔ جو کفر از کعبہ بدخیز و

کچھ مانڈ مسلمانوں نے تاریخ کامل جلد ۶ ص ۶۳) خلیفہ کا بیٹا، خلیفہ کا ولیعہد رائیڈہ امیر المؤمنین ہوئے والا جب شراب پیے اور پلاسٹے تو پھر مصاحب اور حاشیہ نشین دولت کیوں نہ مینیں اور کیوں نہ رنگ کھیلیں۔ فی الحقیقت خلافت راشدہ کے بعد اسلام کے اور انی احکام اور دین محمدی کے قانونوں میں بڑی تیزی کے ساتھ تغیر و تبدل واقع ہو رہے تھے۔ بنی امیہ کی بدکاریاں اور ان کے ظلم و جور و فسق و فجور کی استبدادی آندھیاں اسلام کے روشن چہرہ پر پردے ڈال رہی تھیں۔ ذاتی اجتہادوں کی آڑ میں نماز و حج وغیرہ کے احکام فقہی اور اہل کائنات دینی میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ نماز جمعہ قبل از جمعہ بدھ کے دن بھی پڑھی جاسکتی تھی اور پڑھی گئی۔ مروجہ مذہب مسعودی جلد ۲ ص ۵۷ دسترخوان خلافت پر خلافت شریعت محمدی سونے چاندی کے برتن بچنے جانتے تھے۔ حکم شریعت بتانے والوں اور اس نعل سے روکنے والوں کو کہہ دیا جاتا تھا کہ ہمارے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نصائح کافیہ ص ۹۶-۹۷۔

بانی اسلام سرکار ختمی مرتبت اوداحوالہ الفدا کی توہین جبرے دربار خلافت میں کی جاتی تھی اور کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا تھا (ابن تیمیہ کی صاوم مسلول اور نصائح کافیہ ص ۵۷) امیر شام کو رسول اللہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا اور کچھ پروا نہ کی جاتی تھی۔ نصائح کافیہ ص ۹۷، طبری جلد ۶ ص ۱۸۴ احکام خدا و فرمان رسول کے برخلاف ازواج مطہرات نبوی کی ہتک حرمت کی جاتی تھی۔ حضرات اہل بیت المؤمنین سے جیسا سوز سلوک ہوتے تھے مگر افسوس مجرم کو کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔ مدارج النبوة شاہ عبدالحق دہلوی ص ۱۴۵ وغیرہ۔ غرض کہ کتب صحاح اور کنز العمال و دراسات اللیب وغیرہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام محمدی اور دین الہی کی کیا گت بن رہی تھی۔

کوئی شک نہیں کہ گو یزید نے خلیفہ شام کی ہی گود میں تربیت پائی تھی اور امیر شام کے ہی گوارہ خلافت میں ظلم و جور اور خونریزی کی استبدادی لوریاں اور

عیش پرستی و نفس پروری کے میٹھے نغمے سنے تھے مگر پھر سالۃ خلافت شام کا زمانہ
 یزید کے زمانے سے بہتر اور کھلم کھلا فسق و فجور اور کفر و زندقہ کا زمانہ نہ تھا، لیکن
 جب امیر معاویہ کے بعد حسب وصیت خلافت کے ولیعهد یزید ابن معاویہ تخت
 خلافت پر بیٹھ کر امیر المومنین بنے تو اسلام محمدی کی کھلم کھلا بربادی و تباہی اور مٹ
 جانے کا وقت آگیا۔ خلافت شریعت افعال و کردار کے علانیہ رواج پانے اور مسلمانوں
 میں انتہائی مخرب اخلاق، منک دین و ایمان اعمال کے ظاہر و باطنی خوف و خطر پھیلنے
 کا زمانہ پہنچ گیا۔ اسلام روحانی، احکام نبوی اور شریعت الہی پر یزید کی عیش پرستی و
 نفس پروری اور کفر و زندقہ کے پردے پڑنے لگے۔ جبر و تشدد اور ظلم و جور کی گرمی باز
 درجہ کمال کو پہنچ گئی۔ یعنی بزرگان دین و ملت احکام قرآنی اور حقیقی شریعت اسلامی کے
 سچے پیرو حضرات پر اور ان مقدس مہنتیوں پر جو بلاشبہ محبہ اسلام اور روح نبوی تھے
 یزید جیسے انسان صورت و شیطان سیرت کو امیر المومنین و خلیفۃ المسالین تسلیم قبول
 کر لینے کے لیے اور بحیر اس کی بیعت و اطاعت میں داخل ہونے کے لیے جبر و تشدد
 اور انتہائی سختیاں ہونے لگیں۔ قتل یا بیعت کا سوال پیش ہو گیا۔ اسلام میں رہنے
 اور دین محمدی میں تابیلیاں ہونے لگیں اور سچے اسلام محمدی پر وہ مصیبت کا
 وقت آگیا جس کی خبریں بانی اسلام مخبر صادق آنحضرتؐ نے فرمائی تھیں۔ بقول
 مولانا ابوالکلام آزاد۔ اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لیے
 حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ بس حسین اس قربانی کے لیے کھڑے ہو گئے اور بقول مولانا
 شہید انصاری محض خلافت کی روحانی عظمت اور اس کی اصلی شان کے تحفظ کے لیے
 ان شدائد و مظالم کو انگیز کر لیا جو حسین پر یزید و لشکر یزید کے ہاتھوں سے گزرے
 تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۱۱، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۱۱ میں ہے کہ جب امیر
 معاویہ کے بعد یزید تخت خلافت پر بیٹھا تو فوراً ہی سب سے پہلے حکم دیا

ولید بن عتبہ کو فرمان شاہی کے ذریعہ امیر معاویہ کی رحلت کی اطلاع دی گئی اور نہایت تاکید سے لکھا گیا کہ حسین بن علیؑ، عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عمر سے یزید کے لیے فوراً بیعت و اطاعت کا اقرار لیا جائے اور اس کے لیے سختی سے گرفت کی جائے۔ بلا بیعت لیے ہرگز نہ چھوڑا جائے کتاباً آخر صغیراً فیہ اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ و ابن زبیر و ابن عمر بالبیعت، اخذ الیس فیہ مرخصت حتی یبالیعوا یعنی ایک چھوٹا فرمان بھی بھیجا گیا۔ جس میں لکھا گیا تھا کہ اما بعد حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر اور ابن عمر کو بیعت کے لیے پکڑو اور ایسی سختی سے پکڑو کہ جب تک بیعت نہ کر لیں نہ چھوڑے جائیں اور بروایت ابو مخنف حسینؑ کے متعلق صاف الفاظ میں یہ حکم تھا کہ حسینؑ یا بیعت کریں یا قتل ہو جائیں اور ولید اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کی سزا میں حکومت مدینہ سے معزول کیا گیا (تاریخ کامل، تاریخ طبری وغیرہ)

بس یہ اسی حسینؑ فرزند رسولؐ جگر گوشہ بتول اپنے زمانہ کے جانشین رسولؐ کی ہی سب سے پہلی مبارک آواز صدائے احتجاج ہے جو بنی امیہ کے انتہائی مظالم اور نیریز کی فاقہ و ظالمانہ حکومت و خلافت کے مقابلہ میں (جو بلا شک خلاف احکام الہی اور اسلام محمدی تھی) حسینؑ کے کٹے ہوئے سر خون آلود گلے اور ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے جن کو حسینؑ کے نانا رسولؐ الہی اسی لیے بوسے دیتے اور مثل رطب چوستے تھے بلند ہوئی اور فضا سے اسلام میں گونجی، موتوں کو جگایا، ہدایت کا راستہ بتایا۔ مسلمانوں میں حریت اسلامی اور اخلاقی حیرات کی روح بھونکی۔ مکہ نے کروٹ بدلی۔ مدینہ نے آنکھیں کھولیں۔ بنی امیہ کے ظلم و تشدد اور یزید کی بے دینی اور فسق و فجور کے پردے اٹھ گئے۔ اسلام محمدیؐ کا نورانی چہرہ یزید و بنی امیہ کے فسق و فجور اور کفر و زندقہ کے سیاہ دھبوں سے پاک و صاف ہو کر علیحدہ نظر آنے لگا۔ کوئی شک نہیں اگر حسینؑ یزید کی بیعت و اطاعت سے انکار نہ فرماتے اس کو خلافت محمدیؐ اور اسلام الہی کی حکومت

وامارت کے ناقابل ظاہر فرما کر ایسا سخت احتجاج نہ فرماتے، سر نہ کٹاتے، شہید نہ ہوتے۔
 قربانگاہ اسلام پر اپنی قربانی نہ چڑھاتے تو آج اسلام وہ اسلام نہ کہلاتا جو رسول عربی
 ﷺ کے آئے تھے۔ یقیناً بنی امیہ کے تمام فسق و فجور یزید کی جملہ بد اعمالیاں، شراب نوشیاں
 ماں بہنوں، بیٹیوں سے زنا کاریاں، عیش پرستیاں، مخرب اخلاق اور قابل شرم و
 حیا سوز بد کاریاں اسلام میں مذہباً مباح اور جائز سمجھی جاتیں۔ امیر المومنین خلیفہ رسول
 امیر اسلام کا ہر فعل سنت سمجھا جاتا اور یہ سچا اسلام دین محمدی جو بلا شک و شبہ
 بہترین دین ہے کفر سے بدتر نظر آیا۔ پس کیا حسینؑ کا اسلام اور مسلمانوں پر یہ احسان عظیم
 نہیں ہے؟ کیا تاریخیں اور واقعات اس کے شاہد نہیں ہیں۔ کیا حسینؑ نے یزید کی ظلمانہ
 وجاہت اور عیش پرستی و نفس پروری کی حکومت و خلافت سے علیحدہ ہو کر اور اس
 کی اطاعت و بیعت سے انکار فرما کر کیا دنیا کو نہیں بتا دیا اور سمجھا دیا کہ ظلم و جور کی
 وجاہت حکومتیں پرستی و دنیا داری کی سلطنتیں اور دنیوی بادشاہتیں اسلامی کہلاتی
 ہوں یا غیر اسلامی کبھی دیانتی حکومت و خلافت اور سچی محمدی و اسلامی سلطنت نہیں
 کہی جاسکتی اور ایسے خلیفوں بادشاہوں کے افعال شنیعہ اور اعمال بد شرعیات اسلامی
 اور دین محمدی کے ہرگز موافق و مطابق نہیں ہیں اور مسلمانوں کے لیے ان کی تقلید و
 پیروی کبھی جائز و مباح نہیں ہے۔ اور کیا یہ حسینؑ کے سچے اسلام محمدی پر شہید و قربان
 ہو جانے اور بیعت و اطاعت یزید میں داخل ہونے سے انکار کرنے کا ہی نتیجہ نہیں
 ہے؟ کہ حسینؑ کی شہادت کے بعد سے ہی بس یزید کی خلافت کے متعلق یہ کہا جانے
 اور سمجھا جانے لگا کہ یزید اور دوسرے بادشاہ اور خلفاء اسلامی ظالم و جاہل اہل
 و ناقابل محض دنیوی فرمان رواؤں اور بادشاہوں کے معنی میں خلیفہ ہیں۔ خلافت
 محمدی، دیانتی سلطنت، الہی حکومت اور چیز ہے اور یہ دنیوی سلطنتیں، سیاسی
 بادشاہتیں اور چیز ہیں۔ یقیناً اگر حسینؑ بیعت و اطاعت یزید سے انکار نہ فرماتے

شہید نہ ہو جاتے اور اس طرح ہر دیکر خون میں نہا کر خلافت محمدی کی روحانی عظمت اور اس کی اصلی شان کا تحفظ نہ فرماتے۔ یزید کی بدکاریوں اور بد اعمالیوں کو الہم نہ فرماتے تو بلا شک بادشاہت اور خلافت میں تیسروں فرق ہرگز نہ کیا جاسکتا۔ اور واقعی اگر یہ نفس پرست دشمنان اسلام بنی امیہ شہنشاہ اسلام تاجدار رسالت کے اصلی و حقیقی رسول الہی کے قابل و اہل سچے جانشینوں سے جو اپنی ذاتی قابلیت و اہلیت اور علم و عمل اور سیرت کی وجہ سے مجسمہ اسلام اور سیرت محمدی کا سچا نمونہ تھے۔ حقیقت نہ کرتے۔ لڑائیاں نہ لڑتے اور اپنی ظالمانہ و جابرانہ فساد انگیز سازشوں سے اس خلافت اسلامی اور سلطنت محمدی کو جسے بانی اسلام نے زمین و آسمان کے مالک خدائے لاشریک کی مرضی و منشاء کے مطابق دین و دنیا کی بہبودی و فلاح کے لیے اصول اسلامی اور قانون الہی پر قائم فرمایا تھا نہ چھین بیٹھتے اور سچے دل سے ان حقیقی وارثان خلافت قابل و اہل جانشینان رسول کی فرماں برداری و اطاعت میں ہر تسلیم و تمکین کر دیتے، یزید بے دین فاسق و فاجر شیطان طمینت فرعون سیرت خلیفہ رسول اور امیر المؤمنین نہ بنایا جاتا بلکہ حسینؑ فرزند رسولؐ اپنے زمانہ کا سچا جانشین بنی، اسوۂ رسولؐ کا کامل مجسمہ سیرت محمدی کا کامل آئینہ سلطنت محمدیہ اور حکومت اسلامی کے تحت پر جاگوہ فگن ہوتا تو یقیناً دنیا اس سلطنت محمدی اور حکومت رسولؐ عربی کا مکمل نمونہ اور اس سچی اسلامی بادشاہت کی وہ کامل تصویر دیکھ لیتی جو زمانہ رسالت میں نظر آتی تھی۔

بے شک بانی اسلام اور احسانہ العذا جس طرح سلطان دین پرور میں اسی طرح دنیوی امور میں بھی شہنشاہِ رحم گستر ہیں رسولؐ الہی صرف دینی و روحانی امور کی ہی اصلاح و درستگی کے لیے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ دنیوی اور معاشرتی و تمدنی معاملات کی اصلاح و درستگی بھی حکم الہی و منشاء خداوندی کے مطابق و ایسی ہی ضروری اور لازمی تھی جس طرح دینی اور روحانی امور کی اصلاح ضروری تھی یہ محمدؐ کی سلطنت یہ اسلامی حکومت بلا شک دین و دنیا دونوں کی حقیقی اور سچی بادشاہت

ہے۔ اصول اسلامی کے ماتحت قانون محمدی کے مطابق نہ دین دنیا سے علیحدہ ہے نہ دنیا دین سے جدا بلکہ جو دنیا قانون الہی اور حدود و شریعت محمدی کے ماتحت ہے وہ بلا شک عین دین ہے۔ بس یہی محمد کی سلطنت ہے۔ یہی خلافت رسول ہے۔ اسی سلطنت و بادشاہت کو شہنشاہ اسلام نے دین و دنیا کی ترقی و بہبود و فلاح کے لیے قائم فرمایا تھا کہ جس کو ان ظالم بنی امیہ نے اپنی ہوا و ہوس، عیش پرستی و نفس پروری کے لیے تباہ و برباد کر دیا۔ ان عیش کویش، دنیا پرست، نفس پرور، ظالم و جابر نا اہل و ناقابل خلیفوں فرمانرواؤں کی خلافت و حکومت کو جائز و مباح اور برہم حق ظاہر کرنے کے لیے جس حدیث شریف کو بطور حجت و دلیل پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ نبوتی خلافت ۳۰ سال تک ہے اس کے بعد پھر بادشاہت ہے، بس وہ بھی اگر نظر انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو ہمارے اس بیان کے ہرگز منافی و مخالف نہیں ہے اور دنیا پرست ظالم و غاصب خلیفوں کی خلافت و حکومت اور سلطنت کے مباح و جائز قابل اطاعت اسلامی سلطنت اور حکومت محمدیہ کہلانے کے لیے کسی طرح دلیل و حجت نہیں قرار پاسکتی۔ اس مخبر صادق عالم کان و مایکون نے بطور پیشینگوئی اس زمانہ کی خبر دی ہے کہ ہمارے بعد ۳۰ سال تک تو ایسا زمانہ ہوگا جو بظاہر شریعت محمدی اور قانون اسلامی پر چلے اور قائم رہنے کا زمانہ ہوگا اور جس کو خلافت نبوتی اور سلطنت محمدی حکومت اسلامی کہا جاسکتا ہے مگر اس کے بعد (یعنی حضرت علیؑ کی شہادت پانے اور امام حسنؑ کے مجبور ہو کر ظاہری خلافت کو چھوڑ دینے کے بعد) دنیا پرست خلیفوں کی بادشاہت و فرماں روائی کا زمانہ آجائے گا یعنی ظالم و جابر ہوا و ہوس کے بندے ناقابل و نا اہل لوگ دنیوی لالچ اور دولت و حکومت کی حرص میں اہل حق سے برہم جنگ و فساد ہوں گے۔ فتنے اٹھائیں گے اور ہماری سچی خلافت حقیقی اسلامی سلطنت اور محمدی بادشاہت کو بظاہر اہل حق سے چھین کر

خود خلیفہ و بادشاہ بن جائیں گے اور ہماری اس اسلامی سلطنت اس کے احکام اور ہماری سنت و طریق میں کھلم کھلا تبدیلیاں کریں گے۔ اسلام میں رہنے والیں گے اور ہماری اس دین و دنیا کی نورانی سلطنت کو اور حق و عدالت کی بے مثال بادشاہت اور حریت و مساوات اسلامی کی بے نظیر سلطنت کو مٹا دیں گے اور اس طرح خلافت نبوتی ختم ہو جائے گی اور خلفائے جور بادشاہان ظلم کی بادشاہت و فرماں روائی کی حکومت مسلمانوں پر ہو جائے گی۔ پس کسی طرح یہ حدیث بھی ان خلیفہ نما فرماں رواؤں کی حکومت و بادشاہت کے جائز و مباح قابل اطاعت ہونے کے لیے ہرگز نہ گزریں گے اور حجت نہیں ہو سکتی۔

بلاشبہ تاجدار رسالت شہنشاہ اسلام خیر مجسم ہادی کامل نے کبھی کسی فاسق و فاجر ظالم و جابر خلافت شریعت محمدی کھلم کھلا خلافت احکام و قانون الہی عمل کرنے والے کی اطاعت و فرماں برداری کو جائز و برسر حق نہیں فرمایا اور نہ کبھی ایسے شخص کو مسلمانوں کی جماعت کا امیر و سردار بنایا۔ تاریخ و سیر کی کتابوں کو دیکھا جائے، سیرت نبویؐ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس بادشاہ دین و دنیا نے اپنے عہد مبارک میں کبھی بھی ایک ایسے شخص کو جو علی الاعلان کھلم کھلا فسق و فجور، ظلم و تعدی، زنا کاری و شراب خواری کا مرتکب و عادی اور تارک الصلوٰۃ ہو کہیں بھی کسی موقع پر بھی جماعت مسلمین کا سردار اور حاکم مقرر نہیں فرمایا بلکہ زمانہ مابعد میں چھوٹے ظالم امراء و خلفاء، حکام جور و ظلم کے ہونے کی خبریں بطور پیشین گوئی فرماتے ہیں اُن سے بچنے کی ہدایت اور ان کے شریک و معین ہونے پر وعید فرماتے اندان ظالموں سے پناہ مانگتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۴۔ آنحضرتؐ حذیفہ صحرابی سے جو صاحب شتر تھے ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے بعد انسان صورت شیطانی تعمیر لوگ اسلام پر فرماں روا ہوں گے اور میرے دین میں خرابی ڈال کر

لوگوں کو الٹی سیال چلائیں گے۔ اسے حذیفہ ان کی اطاعت اختیار نہ کرنا اور وہ جو ظلم کریں برداشت کرتا۔

صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۳۹۰۔ حضرت ابو بکر خلیفہ اول فرماتے ہیں ایہا الناس اتکم لقرآن هذه الایة۔ یا ایہا الذین آمنوا علیکم الفسک لا یضركم من ضل اذا هتدیتہ وانی سمعت رسول اللہ یقول ان الناس اذا اراد الظالم فلم یأخذ علی یدیہ اوشک ان یعمہم اللہ بعقاب منہ (ایضاً مسند امام احمد حنبل ص ۱۱) حضرت ابو بکر فرماتے ہیں۔ ایہا الناس کیا تم نے اس آیت مجیدہ کلام الہی کو پڑھا ہے یا ایہا الذین آمنوا علیکم الفسک لا یضركم من ضل اذا هتدیتہ۔ یعنی اے مومنو تم اپنے نفسوں کو بچاؤ، تمہارے اوپر واجب و لازم ہے کہ کوئی گمراہ شخص تم کو ہدایت پانے کے بعد کوئی ضرر نہ پہنچائے اور میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آنحضرت ارشاد فرماتے تھے کہ جب لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اس سے کوئی مواخذہ نہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ خدا ان پر اس وجہ سے عذاب نازل فرمائے گا۔

پھر دوسری حدیث شریف صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۳۹۰ حذیفہ ثانی بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرمایا۔ تم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا تم لوگوں کو لازم اور واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ضرور خدا تم کو عذاب میں گرفتار کرے گا اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۵ حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے۔ تعوذ وامن من السبعین وامارة الصبیان (اسے من حکومت الصغار والجہال کیزید بن معاویہ واولاد حکم بن مروان وامثالہم) یعنی پناہ مانگو خدا سے جب لڑکے امیر اور حاکم بن جائیں اور من ستر سے پہلے آنے والے

فتوں سے۔ صاحب مشکوٰۃ اس امارۃ الصبیان کی تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے نزدیک
ابن معاویہ اور بنی مروان وغیرہ کی حکومتیں مراد ہیں۔

صحیح بخاری شرح علامہ احمد قسطلانی جلد ۱۰ ص ۱۳۱ باب قول النبی ھلک
امتی علی ید ے اغیلمتا یعنی باب ذکر قول رسول میری امت کی ہلاکت
لوندوں کے ہاتھ پر ہے۔ (عمر بن یحییٰ سعید بن عمرو) راوی بیان کرتا ہے کہ
میرے دادا نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم مدینہ میں مسجد رسول کے اندر ابو ہریرہ کے
پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مروان بن الحکم جو بعد
میں خلیفہ ہوا وہ بھی ہمارے پاس بیٹھا تھا کہ ابو ہریرہ نے کہا میں نے سنا ہے
صادق (فی نفسہ) المصدوق (عند اللہ) سے یعنی آنحضرت جو بذاتہ سچے ہیں
اور خدا نے ان کی صداقت کی تصدیق فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میری امت کی
ہلاکت قریش کے ایک لوندے کے ہاتھ سے ہوگی۔ ھلکۃ امتی علی ید ے
غلمۃ من قریش (امام احمد حنبل اور نسائی نے جو سماک اور ابی ظالم سے
روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ نے فرمایا کہ میری
امت میں فساد ایک سفید بیوقوف لوندے کے ہاتھ سے ہوگا۔ یہ حدیث ان
دونوں بیانیوں کے مطابق ہے اور ابن شیبہ نے ایک دوسرے طریق پر ابو ہریرہ
سے روایت کی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان
پناہ مانگتا ہوں میں اس وقت سے جب بچے اور لڑکے حاکم اور امیر ہوں گے
اور فرمایا، اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم اپنے دین میں ہلاک ہو جاؤ گے
اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے یعنی ان کی اطاعت نہ کرو گے تو وہ تم کو تمہاری دنیا
کی طرف سے ہلاک کر دیں گے۔ تمہاری جان لیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے
یا دونوں طرح یعنی جان و مال غارت کر دیں گے اور ابن ابی شیبہ (رحمہ اللہ)

جلیل القدر اہل سنت) نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ بازاری میں چل رہے تھے اور کہتے جلتے تھے کہ خدا یا سن ساٹھ ہجری تک اور اس وقت جبکہ چھو کرے لونڈے امیر ہوں زندہ نہ رکھ۔ خدا نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا۔ اور ابو ہریرہ اس سال سن ساٹھ سے پہلے وفات پا گئے۔ فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ ابو ہریرہ نے اس میں اشارہ فرمایا ہے اس پہلے لو جو ان لونڈے کی طرف جو سن ساٹھ میں امیر و حاکم ہوا۔ وہ یہ کہ یزید معاویہ کا بیٹا اسی سن ساٹھ ہجری میں خلیفہ بنا اور سن چونسٹھ تک خلافت پر باقی رہا۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید خلیفہ ہوا جو کچھ مہینوں کے بعد مر گیا۔

مردان نے کہا، لعنت خدا کی ان لونڈوں پر۔ ابو ہریرہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو بیان کر دوں وہ کون کس کا بیٹا ہے اور ابو ہریرہ ان اہل جور کے ناموں سے اور حالات سے واقف تھے۔ جان کے خوف سے کھلم کھلا نام نہیں لیتے تھے کنایت و اشارہ ظاہر کرتے تھے (اس کے بعد علامہ قسطلانی نے یزید پر لعن کی بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ بعضهم اطلق اللعن علیہ لہا انہ کفر حین امر بقتل الحسین و اتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله و امر بہ و اجازہ و مرضی بہ و الحق ان مرضی یزید بقتل الحسین و اہانہ اهل البيت النبوی مما تواتر معنایہ فحن لا نتوقف فی شأنہ بل فی ایہانہ لعنتہ اللہ علیہ و علی النصارا و اعوانہ ان تھی (قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۱۰ ص ۱۳۹ یعنی بعض علماء نے یزید پر لعنت کو جائز فرمایا ہے اس لیے کہ یزید قتل امام حسینؑ کا حکم دے کر کافر ہو گیا اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے جس نے حسینؑ کو قتل کیا یا جس نے قتل حسینؑ کا حکم دیا یا جس نے قتل حسینؑ کی اجازت دی یا قتل حسینؑ پر راضی ہوا

وہ سب بالاتفاق مستحق لعنت ہیں اور یہ بالکل حق اور صحیح ہے تو اترے معنی ثابت ہے کہ یزید قتل حسینؑ اور اہل بیت نبوت و آل محمدؐ علیہم السلام کی امانت پر خوش اور راضی تھا۔ پس ہم کو کچھ بھی تاقل اور توقف شان یزید میں نہیں بلکہ اس کے ایمان کے متعلق بھی نہیں یعنی بلا شک وہ با ایمان نہ تھا اس پر لعنت خدا اور اس کے انصار و احوال سب پر لعنت ہے۔

جناب علامہ شاہ عبدالحق دہلوی اپنی تصنیف *مذب القلوب الی دیار المحبوب* میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ میگفت خداوند مرا از حوادث سن ستین^۱ و امارت صبیان نگاہدار و پیش از رسیدن آل وقت مرا از دنیا بردار اشارت بزمان دولت یزید بہ کرد کہ در سال ستین بر سر شقاوت نشست و واقعہ حمرہ ہم در زمان شقاوت نشان او وقوع پذیرفت (مذب القلوب قلبی ص ۶۴) اور نیز صواعق محرقة ابن حجر مکی ص ۱۲۲ و وسیلۃ النجاة مولوی محمد مبین فرنگی محلی ص ۲۹۱ و ص ۲۹۲ مشکوٰۃ میں جو لفظ "راس السبعین" لکھا ہوا ہے وہ یقیناً کاتب کا سہو ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری اور ان سب مستند علمائے جلیل القدر کی ان تصنیفات میں واضح طور پر مع یزید کے نام کے ستین کا لفظ وارد ہے۔ یہی وہ سن سالھ ہجری ہے کہ جس میں امیر معاویہ کے مرجلے پر ان کا بیٹا یزید جو نو جوان لڑکا تھا تخت خلافت پر بیٹھا تھا جس کی خلافت اور امارت سے رسول الہیؐ بانی اسلام مسلمانوں کے لیے پناہ مانگتے ہیں اور اس کی خلافت و امارت کو دین اسلام کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کے قتل و غارت کا موجب فرماتے ہیں (مگر ابن تیمیہ صاحب اس کو حکمران صاحب سیف خود مختار فرماں روا اور خلیفہ اسلام اپنے وقت کا مفترض الطاعة سمجھتے اور اس کی بیعت و اطاعت کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب اور فروری بتلاتے

ہیں۔ بین تفاوتِ رۃ از کجاست تا بجا۔ نیز آنحضرتؐ کے دو ارشادِ حقیقت بنیاد
 اور بھی اس کے متعلق جامع ترمذی میں ثوبان سے اور شکوۃ میں خود امیر معاویہ
 سے منقول ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔ ثوبان راوی بیان کرتا ہے۔ رسول اللہ
 نے فرمایا۔ اثباتا اخات علی امتی الیئمۃ مضلین وقال لا تزال طائفت
 من امتی علی الحق ظاہرین لا یضرهم من خذلہم حتی یاتی
 امر اللہ ہذا حدیث صحیح (ترمذی جلد ۱ ص ۱۷۷) یعنی رسول اللہؐ نے
 کلمہ حصرِ ائمہ سے ارشاد فرمایا کہ جزاں نیست میں اپنی امت کے لیے گمراہ و ضال
 اماہوں سے مخالفت ہوں اور نیز فرمایا کہ میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ کھلم کھلا
 حق پر قائم رہنے والا ہوگا۔ جو ان کو چھوڑے گا وہ کوئی ان کو ضرر نہ پہنچا سکے گا یہاں تک
 کہ امر الہی خود ظاہر ہو جائے گا یعنی کسی چھوڑ دینے والے اور ترکِ نصرت کرنے
 والے کے چھوڑنے اور مدد نہ کرنے سے ان کے حق پر ثباتِ قدم میں کوئی
 فرق نہیں آئے گا۔

شکوۃ ص ۵۷۵ عن معاویہ قال سمعت النبیؐ لا یزال من امتی
 الیئمۃ قائمۃً بامر اللہ لا یضرهم من خذلہم ولا من خالفہم حتی
 یاتی امر اللہ۔ معاویہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا۔ آنحضرتؐ
 نے فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایسا ایک گروہ ہوگا کہ جو امر الہی پر قائم رہے گا۔
 کوئی ان سے علیحدہ ہونے والا ان کو چھوڑ دینے والا یعنی ان کا شریک اور ساتھی
 نہ ہوئے والا ان کو کوئی ضرر ان کے ثباتِ قدم میں نہیں پہنچا سکے گا۔ پس کیا یہ پہلا
 شخص حسینؑ اور اس کا ہی بھوکا پیاسا گروہ نہیں ہے؟ جو اظہارِ حق پر قائم و مستحکم
 رہا اور کسی چھوڑ دینے والے اور مخالفت کرنے والے کی غارت و قتل کی دھمکیوں
 سے نہ ڈرا۔ ثباتِ قدم اور استقلال کے بے مثال جوہر دکھائے۔ بھوک پیاس

کی تکلیفیں اٹھائیں۔ سرکٹ لائے مگر اظہارِ حق سے منہ نہ موڑا اور نیزہ کی بیعت و اطاعت کے لیے سر نہ جھکایا۔ نانائے جو فرمایا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ حسینؑ اور حسینؑ کے اعوان و انصار کی تقریروں اور رجزوں کو میدانِ کربلا میں سنو۔ کس طرح بے خوف و ہراس اظہارِ حق فرماتے اور نیزہ کی فاسق و فاجر بے دین و کافر قابلِ خلافت و امارت فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسی صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ پر ایک اور دوسری حدیث رسول قابلِ ملاحظہ ہے جو اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ کعب بن جبرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لائے اور آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اصبعاہل سمعتہم انتہ سیکون بعدی امراؤ فمن دخل علیہم ولحقہم علی ظلمہم ولحقہم قہم بکذبہم فہو منی وامنہ وھو وارث علی الخوض ہذا حدیث صحیحہ۔ یعنی لوگو میری بات سنو کیا تم نے نہیں سنا بیشک میرے بعد کچھ ایسے امیر اور حاکم ہوں گے آپس جو شخص ان کے پاس جائے گا ان کا شریک کار ہوگا۔ ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا۔ ان کے ظلم میں ان کا معین و مددگار ہوگا۔ وہ شخص نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ میرے پاس قیامت کے روز جو غن کوثر پر پہنچ سکے گا۔ یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے اور وہ شخص جو ان سے منہ لے گا ان کا شریک و ساتھی نہ ہوگا نہ ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا نہ ان کے ظلم میں ان کا مددگار ہوگا۔ پس بیشک وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے پاس جو غن کوثر پر پہنچ جائے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

صحیح نسائی اور مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ ص ۳۱۲

پس وہ نفس قدسی جان رسول جس کی شان حسین منی دانامن الحسین ہو
 اور جس کی بابت خود رسول نے تصدیق کی ہو کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں
 اور جس کی بابت فرمایا ہو "احب اللہ من احب حسیناً" خدا دوست رکھتا ہے
 اس کو جو دوست رکھے حسین کو" (صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۹ مشکوٰۃ ص ۵۲۳ فضول اللہ
 صباغ مالکی ص ۱۱، مطالب السؤل ابو طلحہ شافعی ص ۷۲، صواعق محرقة حجر کی ص ۱۱
 امام احمد حنبل طبقات ابن سعد عاقل ابو نعیم علامہ ابن اثیر اسد الغابۃ تذکرہ خواص الامہ
 وغیرہ)

پس وہ حسین کیونکر زید کے جھوٹے دعوائے خلافت کی تصدیق کر سکتا ہے اور کیونکر
 اس کے ظلم میں شریک و مددگار ہو سکتا ہے۔ پس ناظرین ذرا غور کے ساتھ انصاف
 سے کام لیں اور زید کی شان پر نظر فرمائیں جو حضرت ابو ہریرہ جیسے بزرگ مشہور
 صحابی کی زبان صحاح ستہ سے بیان ہوئے ہیں اور زید کے صحیح حالات فسق و فجور
 اور کفر و زندقہ پر بھی نظر ڈالیں جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں کثرت پائے جاتے ہیں
 اور اس کے ساتھ حسین کی مقدس سیرت میں اسوۂ رسول کی مکمل تصویر کو دیکھ کر اس
 پر نظر ڈالیں کہ بزرگان دین و اصحاب کبار خلفائے اعظم حسین سے کیا سلوک فرماتے
 اور حسین کی عظمت و منزلت کو کس طرح ظاہر فرماتے ہیں اور ابو ہریرہ حضرت عبداللہ
 ابن عباس وغیرہ بزرگ صحابی کس طرح حسین کی مقدس ہستی کی عظمت و شان کا اظہار
 کرتے ہیں۔ تاریخ طبری جلد ۱۳ ص ۱۱۱ کو دیکھو علی بن محمد۔ حماد بن سلمہ سے اور حماد
 ابی المنذر سے روایت کرتا ہے قال کنا مع ابی ہریرہ فی جنازہ فلما
 مرحبنا اعیان الحسین علیہ السلام صعد فجعل ابو ہریرہ ینفص الثراب
 من قدمیہ ثوبہ فقال الحسین انت یا ابا ہریرہ تفعل هذا
 قال دعنی منك فلو لعلم الناس منك ما اعلم لعمرك علی عوام

یعنی ہم حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ہم جب فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو ابو ہریرہؓ کے پاؤں کی مٹی اپنے کپڑے سے جھاڑنے لگے حسینؓ نے رد کیا اور فرمایا ہاں ہاں اسے ابو ہریرہؓ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ نے عرض کی حسینؓ مجھے چھوڑ دیجیے اور اس سے نزدیک۔ اگر لوگ آپ کی اس درود و منزلت کو جانیں جو میں جانتا ہوں تو البتہ آپ کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسنؓ و حسینؓ کی کتاب تھا منا اپنا فخر جانتے ہیں۔ تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۷۱۔

یزید کا سلوک ابو ایوب انصاریؓ کی صحابی کے ساتھ

یزید کے فسق و فجور کو چھپانے اور اسکو نیک و محبلا آدمی ثابت کرنے کے لیے ابن تیمیہؒ نے بہت کچھ کوشش کی ہے کسی جگہ اس کے فاسق و فاجر ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ حملہ قسطنطنیہ والی حدیث کو بیان فرما کر اور ثبوت میں پیش کر کے یزید کو مغفرت اور رحمت کا بھی میرٹھیکٹ دے دیا ہے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے بزرگ صحابی رسولؐ کی لاش اور قبرِ مطہر سے جو سلوک یزید نے کیا اس کو قلم انداز فرما گئے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر پر اس بد بخت نے گھوڑے دوڑائے اور قبر کو طیامیٹ کیا اور یہ اصحاب رسولؐ جو محاورہ قسطنطنیہ میں موجود تھے یزید کی سپہ سالاری سے سخت ناخوش اور ناراض تھے علامہ ابن عبدالبرؒ اپنی کتاب استیعاب جلد ۲ ص ۶۳۸ پر لکھتے ہیں ان یزید امر بالخیل فجعلت تدبر و تصل علی قبر کا حتی اذنی اشركہ۔ یزید نے سواروں کو حکم دیا قبر ابو ایوبؓ پر گھوڑے دوڑائے گئے یہاں تک کہ نشانِ قبر مٹ گیا اور شاہ عبدالرحمن کتاب تاریخ النبوة جلد ۲ ص ۶۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔ چوں والی گردانید معاویہ یزید را بر جمیش

قسطنطنیہ می گفت ابوالیوب چہ شد مارا کہ امیر گردانیدہ شد بر ما جو انان دگفت گفتہ
 است خدائے عزوجل انفر و خفاما و ثقالا پس مرخص شد در ان غزوہ۔ پھر
 شاہ صاحب ابوالیوب کی وفات اور دفن کو لکھ کر تحریر کرتے ہیں کہ ”امر کردینید
 کہ برانند اسپاں را بر قبر وے در آمدن و رفتن تا مانند اثر وے از قبر وے ایں
 از جملہ خباثت و شائع اعمال اولود کہ سابقہ عداوت داشت با وے۔“ یہ عہد
 شہزادگی اور ولیعہدی کے کارنامے ہیں۔ قسطنطنیہ پر فوج کشی سے محبت کا قبالہ
 اور منفرت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ پس اب خود مختار خلیفہ بن کر مکہ کو ڈھانے
 اور مدینہ کو برباد کرنے سے کیونکر کافر ہو سکتے ہیں اور جہنم میں جا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں
 غرض کہ یزید کے علانیہ فسق و فجور پر پردے ڈالنے کے لیے اگرچہ بہت کوشش کی
 ہے مگر اس کا فسق و فجور اور بدکاریاں ایسی نہیں کہ چھپ سکیں اور دنیا کو اس کا علم
 نہ ہو۔ اس نے اس کی خلافت و امامت کے جواز کے لیے نصب امام کے چند
 اصول بیان کر کے فاسق و فاجر شخص کے امام و خلیفہ بنانے کو مباح و جائز قرار
 دیا ہے اور بیعت و اطاعت یزید کو ضروری اور واجب ثابت کرنے کے لیے
 دفع منفسد اور حفظ مصالح کا مقدمہ الفیہ قائم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اللہ
 تعالیٰ نے نبی کو اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور
 منفسد کو مٹائیں۔ (معلوم نہیں اس کے آگے کیا عبارت ہے اور کیوں ترک
 کر دی گئی ہے) یزید اور عبد الملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لیے
 کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کے لیے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے
 کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو ہر امر نقصان پہنچا۔ نفع ذرا
 بھی نہیں ہوا۔ بلاشبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اختیار اور فضلاء بھی
 شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انھوں

نے اپنے خرد و ج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور نہ دنیوی لفع حاصل کیا۔ فقط
 یزید کے متعلق شرفاً و رملہ : ابن تیمیہ کے نزدیک بنی امیہ کے غدار
 اور بزرگان دین کے خیالات : خلیفوں کے ظلم و جور یزید کے
 علی الاعلان فسق و فجور، شراب و کباب
 محرمات شرعیہ سے زنا کاری اور نا جائز نفسانی خواہشوں کے پورے کرنے کے
 افعال احکام اسلامی سے تخلف، نماز روزہ کا ترک، مفاسد اسلامی میں شمار
 نہیں ہو سکتے اور خلافت و امارت اسلام کے لیے مانع نہیں۔ بلا شک ابن تیمیہ
 کا یہ اجتہاد قابلِ داد ہے۔

بنی امیہ اور یزید کا یہ اسلام کیا حقیقی اسلام ہے؟ اور کیا ان کے یہ ظلم و جور
 فسق و فجور کے اعمال اسلام کے احکام ہیں؟ اور کیا اسی کی تائید و تکمیل میں اسلام
 کی خیر و صلاح اور دین محمدی کی حفاظت ہے اور نہ ترقی اسلام ہے؟ کہ جس کے لیے
 یزید جیسے فاسق و فاجر کی خلافت کو قبول کرنا اور اس کی بیعت و اطاعت کو
 لازم و واجب اسلام کے لیے مفید و مصلحت آمیز بتایا گیا ہے۔

اس خیر محسب خلق معظم رسول الہی کے احکام دینی خدا کے اصول، اسلام محمدی
 کی فلاح و بہبود نبی کریم کی احادیث و اقوال خدائے کریم کے کلام پاک اور قانون
 اسلام کو جیسا کچھ ابن تیمیہ نے سمجھا ہے نہ کسی اور عالم اسلام نے سمجھا اور نہ مکہ و
 مدینہ کے شرفاء و اخیار و فضلاء، بزرگان دین اور ان انصار و مہاجرین اصحاب و
 اصحاب زادگان نے سمجھا جو رسول الہی کے قریب العهد تھے اور جنہوں نے
 یزید کے فسق و فجور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کی بیعت و اطاعت سے
 انکار کیا یا اس کی بیعت سے خارج ہوئے اور علی الاعلان پکار اٹھے کہ ہم
 یزید کی بیعت و اطاعت کا قلاوہ اپنی گردن میں نہیں ڈالیں گے۔ علامہ سعودی

کی مروج الذہب اور علامہ ابن جریر طبری کی تاریخ طبری، علامہ ابن اثیر کی تاریخ کامل
تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ مستند مورخین اور علمائے جلیل القدر
کی تصانیف کو ملاحظہ فرمایا جائے اور یزید کے فسق و فجور اور بد اعمالیوں کی تصویر
پر نظر ڈالی جائے۔ تاریخ کامل جلد ۱ ص ۵۷۔ فاطر و شتم یزید۔

حضرت حنظلہ صحابی رسول کے فرزند عبد اللہ اور دوسرے عبد اللہ ابن
ابی عمرو جو ابن مغیرہ مخزومی کی اولاد سے ہیں اور منذر بن زبیر مع بہت سے
اشراف مدینہ کے شام میں یزید سے ملنے جاتے ہیں۔ یزید کے انعام و اکرام
سے مالا مال ہوتے ہیں۔ رشوت اور دسپے پیسے کی بوجھاڑ امیر معاویہ کے بتائے
ہوئے اصول کے مطابق کی جاتی ہے۔ دولاکھ درہم نذرانہ عطا ہوتا ہے مگر
جب مدینہ واپس ہوتے ہیں تو یزید کے حالات فسق و فجور کو ظاہر کیے بغیر نہیں
رہ سکتے۔ علی الاعلان یزید کے حالات فسق و فجور کو اور اس کی عطا اور بخشش
کو بھی ظاہر کرتے ہیں اور بیعت یزید کا قلاوہ توڑ پھینکتے ہیں۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ فاعطی عبد اللہ بن حنظلہ وکان شرفاً
فاضلاً عابداً سیداً مائتۃ الف درہم وکان معہ ثمانیۃ بنین
فاعطی علی ولسی عشرة الاک فلما رجعوا قد موالہدینہ
علمہم الا منذر بن زبیر وکان یزید اجازۃ بھاۃ الف
فلما قدم اولک التقر الوفد المدینہ قامو فیہم فاطہروا
شتم یزید وعبیہ وقالوا قد منا من عند رجل لیس
ار دین لیشرب الخمر ویضرب بالطنابیر ویغرف عندہ
القیان ویلعب بالکلاب ولیمر عند الحراب وھم اللصوص
وانا نشہد کہ انما قد تخلعناہ۔ یعنی عبد اللہ بن حنظلہ کو جو فاضل

عابد سر دار شریف مدینہ تھے یزید نے ان کو ایک لاکھ درہم عطا کیے اور ان کے ساتھ ان کے آٹھ بیٹے بھی تھے جن کو دس ہزار کا رخصتانہ دیا گیا یہ سب مدینہ کو واپس ہوئے مگر منذر بن زبیر نہیں آئے ان کو بھی یزید نے ایک لاکھ درہم رخصتانہ میں دیے تھے۔ پس جب یہ لوگ مدینہ میں آئے تو انھوں نے کھڑے ہو کر یزید کی برائیاں اور عیوب ظاہر کیے اور کہا ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں کہ نہ کوئی دین ہے نہ مذہب۔ شرابیں پیتا ہے۔ ظہور سے بجاتا ہے۔ کتلا سے کہتا ہے۔ تاراج رنگ کی محفلوں کو گرم رکھتا ہے۔ راتوں کو چور اچھٹے بدھاہٹوں کے مجمع میں جنگی افسانے اور کہانیاں ہوتی ہیں۔ تم لوگ گواہ رہو ہم نے اس کی بیعت کو لوڑ دیا (کامل جلد ۵ ص ۵۲) طبری جلد ۱ ص ۱۰۱ پھر منذر ابن زبیر مدینہ پہنچ کر بیان کرتے ہیں۔ انہ تدا جازنی بحایۃ الف ولا یمنعونی ماصنع لی ان اخیر کمر خیرۃ واللہ انہ لیشرب الخمر واللہ انہ لیسکر حتی لیدع الصلوۃ وحابہ بمثل عاہہ بہ اصحابہ وامتد کامل جلد ۴ ص ۵۳ یعنی تحقیق اگرچہ یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم انعام دیا مگر یہ سلوک میرے ساتھ مجھے روک نہیں سکتا کہ میں حق بات نہ کہوں اور اس کی خبر تم کو نہ دوں۔ قسم ہے خدا کی وہ شراب پیتا ہے اور قسم ہے خدا کی یہاں تک پیتا ہے کہ نشہ میں سرشار ہو کر نماز چھوڑ دیتا ہے اور اسی طرح اس کے عیب بیان کیے۔ جس طرح اس کے رفیقوں نے ظاہر کیا تھا بلکہ اس سے زیادہ۔ کامل جلد ۴ ص ۵۳۔

علامہ جلال الدین سیوطی بیان فرماتے ہیں کہ بزرگان مدینہ نے کہا واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان یرجی بالجماعۃ من السماء انہ رجل ینکم امہات الاولاد والنبات والاحوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ یعنی قسم ہے خدا کی ہم نے اس وقت تک یزید پر خروج نہیں کیا

اور اس کی بیعت کو نہیں توڑا۔ جب تک ہم کو یہ خوف نہیں ہو گیا کہ ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے بلا شک یہ شخص زید الیسا شخص ہے جو شراب پیتا ہے۔ ماں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح جائز جانتا ہے اور تارک نماز ہے۔ تاریخ الخلفاء ص ۲۸۵ - ۲۸۶ -

علامہ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامہ میں لکھتے ہیں۔ دکان ابن حنظلہ یقول یا قوم واللہ ما جرنا علی یزید حتی خفنا ان نرعى الحجارة من السماء وانه رجل بینکم الامہات والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویبدع الصلوۃ ولقتل اولاد النبیین ص ۱۶۳ یعنی ابن حنظلہ کہا کرتے تھے۔ قسم خدا کی ہم نے زید پر اس وقت خروج کیا جب ہم کو یقین اور خوف اس بات کا ہو گیا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے تحقیق زید الیسا شخص ہے جو ماں بہنوں بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ تارک الصلوۃ ہے اور اولاد انبیاء کو قتل کرتا ہے۔ کذا لک فی الصواعق المحرقة۔

علامہ ابن حجر کی بھی صواعق محرقة ص ۱۳۱ پر اسی طرح لکھتے ہیں۔ امام مسعودی جو علما متقدمین میں نہایت جلیل القدر فاضل اور محقق مورخ شمار ہوتے ہیں۔ دہر ج الذی جلد دوم میں زید کے متعلق درج فرماتے ہیں۔ دکان یزید صاحب طرب و جوارح و کلابہ و قرود و فہود و منادمت علی الشراب و جلس ذات یوم علی شرابہ و عن یحییٰ بن زریاد و ذلک بعد قتل الحسین فاقبل علی سابقہ فقال اسقنی شربہ تردی مشائی ثم حصل فاسق مثلها ابن زریاد۔ صاحب السیر والامانتہ غلامی۔ ولتشدید مغنی و جہادی۔ ثم امر المغنی فغتموا و غلب علی اصحاب یزید و عمالہ ما کان یفعلہ من الفسوق و فی ايامہ ظهر الغناء بیکہ والمدینہ واستعملت الملاحی و

الھمر الناس مشرب شراب - مروج الذهب مسعودی جلد ۲ ص ۶۸ -
یعنی یزید بڑا عیش پسند رنگیلا شخص تھا۔ شکاری جانوروں، کتوں، بندروں
چیتوں میں مشغول رہتا تھا۔ شراب کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ حسینؑ کی شہادت کے
بعد کا واقعہ ہے کہ ایک روز مجلس شراب گرم تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا
ابن زیاد یزید کے ہلو میں بیٹھا تھا۔ یزید ساقی کی طرف بڑھا اور یہ شعر پڑھا۔

”ساقی مجھے شراب کا گھونٹ دے۔ میرے جگر کی آگ بجھا۔ پس

پیا پے جام دے اور ایسا ہی ابن زیاد کو بھی پلا جو میرا زدار اور
امین ہے اور میری لوٹ مار اور جنگ و جدال کا درست کرنے
والا ہے۔ پھر گانے والیوں کو گانے کا حکم دیا گیا۔ انھوں نے گانا شروع
کیا۔ پس جو کچھ فسق و فجور وہ خود کیا کرتا تھا وہی اس کے اصحاب
اور خاتموں حاکموں میں بھی پھیل گئے تھے۔ اس کے زمانے میں علیؑ اعلان
مکہ مدینہ میں گانے بجانے کا رواج ہو گیا تھا۔ کھلم کھلا لوگ شرابیں
پیتے تھے (یزید کی اس مجلس شراب کا قصہ سبط ابن جوزی نے
بھی لکھا ہے۔ تذکرہ ص ۱۶۴ جس کو آگے نقل کیا جائے گا)

۲۔ لہذا شمل الناس جور یزید و عمالہ و عہم و ما ظہر

من فسقہ من قتلہ ابن بنت رسول اللہ الصارۃ و ما

ظہر من شرب الخمر و سیرتہ سیرۃ فرعون بل کان

فرعون اعدل منه فی رعیۃ و انصف منه لخاصیۃ و

عانتہ اخرج اهل المدینہ عاملہ علیہم عثمان بن محمد

بن ابی سفیان و مروان بن الحکم و سائر بنی امیہ

یعنی جب یزید اور اس کے عمال و حکام کا ظلم و جور لوگوں پر عام ہو گیا

اور فرزند رسولؐ نواسہ نبیؐ اور ان کے انصار کو قتل کرنے سے اس کا فسق و
فجور ظاہر ہو گیا اور شراب نوشی کا پردہ اٹھ گیا اور معلوم ہوا کہ اس کی سیرت
فرعون کی سیرت ہے بلکہ فرعون سے بدتر کیونکہ فرعون عدل و انصاف میں اپنی
رعیت خاص و عام کے ساتھ یزید سے کہیں بہتر تھا تو مدینہ والوں نے
خروج کیا۔ اس کے حامی عثمان اور مروان اور تمام بنی امیہ کو مدینہ سے
نکال دیا۔

یزید کا اہل مدینہ کو ڈرانا اور مدینہ کو لوٹنا

۱۔ جب یزید کے حاکم نے مدینہ کی اطلاع یزید کو دی تو فسیر الیہم بالجیوش
من اهل الشام علیہم مسلم بن عقبہ المرئی الذی اخاف
المدینہ ونہبها وقتل اهلها وبایعہ اهلها علی انہم
عبیدی وایزید وسمکھا فتنة وقد سماها رسول اللہ طیبہ
وقال من اخاف المذیتہ اخاف اللہ فسمی مسلم
ہذا لعنہ اللہ بہ عزم و مصروف مرد جہ الذہب ۶۸-۶۹
یعنی یزید نے مسلم بن عقبہ کو سردار لشکر بنا کر شامی فوجوں کو مدینہ پر
چڑھایا مسلم نے مدینہ والوں کو ڈرایا مدینہ کو لوٹا، مدینہ والوں کو قتل کیا
اور مدینہ والوں سے یزید کے لیے غلامی کی بیعت لی کہ سب یزید کے غلام
ہیں اور وہ مدینہ جس کا نام رسول اللہؐ نے مدینہ طیبہ رکھا تھا
اور فرمایا تھا کہ جو مدینہ والوں کو ڈرے گا خدا اس کو ڈرائے گا۔ پس مسلم
نے اس کا نام فتنہ رکھا۔ خدا کی لعنت ہو اس پر۔

یزید کی نجات نہیں : پھر ص ۷ کو ملاحظہ کیا جائے۔ علامہ سعودی تحریر

فرماتے ہیں - ولیزید وغیرہ اخبار عجیبہ و مثالب کثیرہ من شرب
الخمر و قتل ابن الرسول و لعن الوصی و هدم البيت و لسفك الدماء
و الفسق و الفجور و غیر ذلک مما قد ورد فیہ الوعید بالیأس من غفرانہ
کو رودہ فیہن محمد توحیدہ و مخالفت رسولہ و قد اتینا علی المغرب
من ذلک فیما سلفت من کتبنا - فقط - مردج الذہب جلد ۲ ص ۲۰۰ - یزید اور
اس کے ساتھیوں کے عجیب عجیب حالات ان کے عیوب اور افعال قبیحہ بکثرت
ہیں مثلاً شراب کا پیتا - فرزند رسول کا قتل کرنا - وصی رسول پر لعنت کرنا - خانہ
کعبہ کو ڈھانا مسلمانوں کا خون بہانا اور فسق و فجور وغیرہ - بہت سے ایسے گناہ ہیں جن
کے ارتکاب سے بخشش و مغفرت سے مایوسی وارد ہے - پس جس طرح خدا کی توبہ
سے انکار کرنے والا اور اس کے رسولوں انبیوں سے مخالفت کرنے والے کی نجات
سے مایوسی ہے اسی طرح یزید کی بھی نجات سے مایوسی ہے -

مناسب ہے کہ اب ابن تیمیہ علامہ سعودی کو قسطنطنیہ والی حدیث یاد دلا
دیں - یزید کو نام لے کر لعنت کرنے - سنے بچائیں اور یزید کی مغفرت کا سامان کریں
اور امام حسن بصری سے بھی سننا شروع فرمائیں کیونکہ امام حسن بصری بھی یزید تو کیا ان
کے باپ کی مغفرت سے بھی مایوس نظر آتے ہیں - ملاحظہ ہو تاریخ کامل جلد ۳
ص ۲۲۵ اور تاریخ الوافدا جلد ۱ ص ۱۹۶ - تاریخ کبیر طبری جلد ۴ ص ۱۵۰ - قال
حسن البصری اربع خصائص کن فی معافیہ لولہم تن فیہ الا واحدہ
لکانت مولیٰ قتہ انتزاعہ علی ہذہ الامۃ بالسیف حتی اخذ الامر
من غیر مشورۃ و فیہم بقایا الصحابہ ذوالفضیلۃ و استخلافہ
بعثک ابنہ سکیراً خیراً یلبس الحریر و یضرب بالطنابیر و اعانک
نہیاداً و قد قال رسول اللہ الولد للفرش و للعاهل الحجر و قتلہ

حجراً واصحاب حجرفیادیللاً من حجر ثلاث قرأت۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ میں چار فضیلتیں ایسی تھیں کہ اگر ایک بھی ہو تو عذاب دائمی کے لیے کافی ہے۔ اول انھوں نے اس امت پر تلوار کھینچی اور بغیر مشورہ خود خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ اس وقت ان سے بہتر اور افضل اصحاب رسول موجود اور باقی تھے۔ دوم انھوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو جو سکیر و خمیر بھنگی، چڑھی، شرابخوار اور لشہ باز تھا۔ خلافت حکم شرح محمدی رشیم ہندتا طنبورے بجاتا تھا۔ مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیا۔ تیسرے زیاد (ابن زیاد کے باپ) کو اپنا بھائی ابوسفیان کا بیٹا قرار دے دیا۔ حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ بس بیٹا وہی ہے جو بیابھتا بی بی کے بطن سے ہو۔ زنا کار کی سزا سنگ ساری ہے۔ چوتھے حجر اور اصحاب حجر کا قتل کرنا ہے۔ پس تین دفعہ کہا کہ ویل ہو اس کے لیے حجر اور اصحاب حجر کی طرف سے۔

ابن تیمیہ اور ان کے ہم خیال لوگ ذرا ان مندرجہ بالا تحریات علمائے جلیل القدر پر غور کریں۔ بنی امیہ اور یزید کے ان حالات کو ملاحظہ فرما کر پھر فرمائیں کہ کیا اصلی اور حقیقی اسلام یہی ہے جو بنی امیہ اور یزید کا اسلام تھا اور کیا ان کے یہ فسق و فجور، ظلم و جور کے افعال و اعمال اسلام کے احکام ہیں؟ کیا اسی کی تائید و تکمیل کے لیے رسول الہی کی بعثت ہوئی ہے اور اسی سے اسلام کی خیر و صلاح اور دین محمدی کی حفاظت ہے؟ اسی کے لیے یزید جیسے کھلم کھلا فاسق و فاجر اور علی الاعلان مخالفت اسلام کی مخالفت قبول کرنے اور اس کی بیعت غلامی میں داخل ہونے، اس کی اطاعت و فرماں برداری کو لازم و واجب اور امت محمدی کی بہبود و فلاح اور اسلام کے لیے مفید بتایا جاتا ہے۔

حسینؑ نے اسلام کو فنا ہونے سے بچا لیا

بلاشک اسلام پوری دین الہی، یتزیدی اسلام سے کوسوں دور اور میلوں پر ہے جس پر فرزند رسولؐ، بانی اسلام کے جگر گوشے بنت رسولؐ کے راج دار سے حسین مظلوم شہید کر بلا ہی اپنے زمانہ میں وہ پہلا قدسی صفت انسان ہے کہ جس نے بقول جناب علامہ مولانا ابوالکلام آزاد سلمہ اللہ سب سے پہلے دعوت الی الحق اور حریت کی راہ میں، اپنے تئیں قربانی کرنے کا پہلا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا۔ اور بتا دیا ہے کہ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و ظلم اور بدکاری پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی اور بلاشک حضرت سید الشہداء (حسینؑ) نے اپنی قربانی کی مثال قائم فرما کر مظالم بنی امیہ کے تملات، بھاد و حق کی بنیاد رکھی اور بیشک بقول مولانا موصوف سلمہ اللہ مقابلہ ظلم نامی ہے۔ حضرت سید الشہداء کا آئوہ حسنہ ہمیں بتاتا ہے کہ تم نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظلم و جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لیے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اور اسے ہونا ہی چاہیے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہو سکتا اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لیے کوئی الہی سند نہیں کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ فقط

بلاشک جس طرح حسینؑ کے نانا بانی اسلام روحی لہ الفد نے اسلام قائم کرنے کے لیے تیزید کے بزرگوں بنی امیہ، البسفیان وغیرہ کفار مشرکین مکہ کے دل بادل ہجوم کے مقابلہ میں ان کے شرک و ظلم اور کفر و ضلالت کو مٹانے کے لیے

اپنے معدودے چند سچے پیروؤں کے ساتھ دعوت الی الحق فرمائی اور جہاد حق کی بنیاد رکھی نہ جان کا خوف فرمایا نہ مال و دولت کی پروا کی۔ یہی فرماتے ہیں کہ اگر یہ ظالم کا فریاد اور سورج کو بھی میرے دائیں اور بائیں لاکر کھڑا کر دیں دولت کے ڈھیر لگا دیں اور خواہ کتنے ہی ہلاکت و قتل کے خوف دلائیں تب بھی میں دعوت الی الحق کو ترک نہیں کروں گا۔ پس اسی طرح حسینؑ نواسہ رسولؐ نے یزید پلید کی بیعت و اطاعت سے انکار فرما کر نانا کے سچے اسلام اور حقیقی دین محمدی کی حفاظت اور دعوت الی الحق فرمائی اور جہاد حق کی بنیاد کو دوبارہ قائم کیا نہ امیر معاویہ کی زبرد جاگیر اور العام و عطیات کو دھیان میں لائے نہ یزید کے قتل و غارت، جبر و تشدد کے جاہلانہ و ظالمانہ حکموں کی پروا کی نہ سرکٹنے کا خوف نہ گھر کٹنے کا ڈر۔ کھلم کھلا فرماتے ہیں کہ میرے نانا رسول اللہؐ نے جو حکم مجھے دیا ہے اس کا بجا ہونا مجھے ضروری اور لازمی ہے میں اسے ضرور پورا کروں گا۔ دیکھو تاریخ کبیر طبری جلد ۶ ص ۱۱۱ تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲ اور مقتل ابو مخنف۔ مکہ سے روانگی کے وقت عبداللہ ابن جعفر کو کیا جواب دیتے ہیں اور محمد حنفیہ سے ارشاد فرماتے ہیں۔ قال انی امرت روایا رایت فیہا رسول اللہؐ وامرت فیہا بامیرانا ما چن لہ علی کان اولی فقالا ما تلک الروایا فقال ما حدثت بہا احداً وما انا محدث بہا احداً حتی اتی رجبی (تاریخ طبری و تاریخ کامل)

یعنی حسینؑ نے فرمایا میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا ہے حضرت نے مجھے ایک حکم دیا ہے جس کی تعمیل میرے لیے اولیٰ اور ضروری ہے۔ عبداللہ جعفر اور یحییٰ بن سعید جو عمر بن سعد جاکم مکہ کی طرف سے حسینؑ کو واپس کرنے کے لیے آئے تھے عرض کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خواب ہے اور

کیا حکم ہے؟ حسینؑ فرماتے ہیں، میں بیان نہیں کروں گا۔ جب تک اپنے خدا کے پاس نہ پہنچ جاؤں گا۔ ایسا ہی محمد حنفیہ کو جواب دیتے ہیں کہ نانا رسول اللہؐ نے مجھے سینہ سے لگا کر آنکھوں کو چوم کر یہ بھی فرمایا ہے۔ اے قرۃ العین اے پیارے حسینؑ بس جلدی کرو۔ ان الله شاء ان يراك قتيلاً فخصبنا بدماثلك۔ محمد حنفیہ رو کر عرض کرتے ہیں تو پھر بھائی اہل بیتؑ کو کیوں لے جاتے ہو حسینؑ فرماتے ہیں۔ ان الله شاء ان يراهم سباً يا دهن الفيا لا يفارقني ما وميت حيا۔ بھائی ان کا اسیر ہونا بھی مشیت الہی میں گزر چکا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں کبھی مجھ سے علیحدہ نہ ہوں گے (ابو مخنف)

قربانگاہ کو جاؤنگا، حق پر فدا ہو جاؤنگا
اب سرکٹے یا گھر لٹے میں ذبح ہوں خیمے چلیں
ننانے جو فرمایا ہے اسکی بجائیں لاؤنگا
جو کچھ بھی ہو منظور ہے پورا ہو پیمان و فدا
یہ عزت دین متیں رہ جائے دنیا میں کہیں
یہ بجلیاں اتحاد کی ہو جائیں گی یکسر فنا
دیکھ لگی دنیا حشر تک، دین نبیؐ کا معجزہ
یہ ہے صراطِ مستقیم حشر کا ہے رستہ ہی

انوارِ حق تابندہ ہوں، احکامِ دین پھر زندہ ہوں

کفار سب شرمندہ ہوں خالق کا منشا ہے یہی

(ماسٹر محمد منذر پٹیل لوی)

یہ اسی حسینؑ فرزندِ رسولؐ کی سب سے پہلی مبارک آواز اور صدائے احتجاج ہے جو نبی امیہ کے انتہائی مظالم اور نیریز کی فاسقانہ و ظالمانہ خلافتِ احکامِ الہی اور اسلام محمدی حکومت کے مقابلے میں اس کے کٹے ہوئے سرِ نمون آلود گلے اور پیاس سے سوکھے ہوئے ہونٹوں سے جن کو حسینؑ کے نانا رسولؐ الہی اسی لیے بوسے دیتے تھے

مثل رطب چوستے تھے بلند ہوتی۔ فضائے اسلام میں گونجی۔ ہدایت کا راستہ بتایا
 سواؤں کو جگایا۔ مسلمانوں میں حریت اسلامی اور اخلاقی جرات کی روح بھونکی۔ مکہ
 نے کر وٹ بدلی۔ مدینہ نے آنکھیں کھولیں۔ بنی امیہ کے ظلم و تشدد، یزید کے
 فسق و فجور اور کفر و زندقہ کے پردے اٹھ گئے۔ اسلام محمدی کا نورانی چہرہ یزید
 بنی امیہ کے فسق و فجور کے سیاہ دھبوں سے پاک و صاف نظر آنے لگا۔ بلا شک
 اگر حسین یزید کی بیعت و اطاعت سے انکار نہ کرتے، سر نہ کٹاتے، شہید نہ ہوتے
 مصیبتیں نہ بھیلے تو اسلام نہ ہوتا، جو رسولِ عربیؐ کے آئے تھے۔ یقیناً بنی امیہ
 کے تمام فسق و فجور، یزید کی شراب نوشیاں، ماں بہنوں اور بیٹیوں سے زنا کاریاں
 عیش پرستیاں، مخرب اخلاق قابلِ شرم بد اعمالیاں اسلام میں مذہباً جائز اور مباح
 سمجھی جاتیں، خلیفہ رسول امیر اسلام کا فعل سنت سمجھا جاتا اور یہ سچا اسلام محمدی
 بلا شک و شبہ جو بہترین ادیان ہے کفر سے بدتر نظر آتا۔

یزید کی شرابخواری اور اس کے
 زمانے میں اسلام کی حالت

اس زمانے کے واقعات اور حالات
 تاریخی بتا رہے ہیں اور دکھا رہے
 ہیں کہ اس زمانہ میں شراب کا عام

رواج ہو گیا تھا۔ مکہ اور مدینہ میں بھی شراب کھلم کھلا پی جاتی تھی۔ خود علامہ تمیمیہ
 کے امام یزید صاحب باب کی ہدایت پر مصاصیحوں کے ساتھ حج کرنے مکہ آتے
 ہیں۔ مدینہ پہنچ کر کھلم کھلا شراب کا دور چلتا ہے (دیکھو تاریخ کامل جلد ۶ ص ۶۳)
 چونکہ کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان ()

یزید کے فسق و فجور اس کی بد اعمالیاں اس کے مصاصیحوں، عاملوں، حاکموں
 میں بھی پھیل گئے تھے۔ مکہ مدینہ میں گانے بجانے کا عام رواج ہو گیا تھا، وغیرہ
 جیسا کہ علامہ سعودی مروج الذہب میں علامہ مرزا محمد بدخشانی نقل الابرار ص ۹

میں صاف لکھتے ہیں۔ کتب تاریخ و حدیث کی بغور ورق گردانی سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ حقیقت میں خلافت راشدہ کے بعد سنت نبوی اور احکام اسلامی میں کس تیزی سے تغیر و تبدل واقع ہو رہا تھا۔ خلافت احکام اسلام بنی امیہ کی بدکاریاں پھیل رہی تھیں، امیر معاویہ کے ذاتی اجتہاد سے نماز، حج وغیرہ احکام فقہ اور ارکان دین میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ نماز جمعہ بجائے جمعہ قبل از روز مقررہ ضرورت کے لیے بدھ کے دن بھی پڑھی جاسکتی تھی۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص ۲۸۔ دسترخوان خلافت پر خلافت حکم شریعت سونے چاندی کے برتن استعمال ہوتے تھے اور منع کرنے والوں سے کہا جاتا تھا صااری بھذا باساً وغیرہ۔

لصالح کافیہ ص ۹۱-۹۲۔ بانی اسلام کی توہین دربار خلافت میں ہوتی تھی اور کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا تھا (ابن تیمیہ کی صادم مسلول اور لصالح کافیہ ص ۹۱ وغیرہ۔ احکام خدا و رسول کے برخلاف ازوارچ مطہرات اہمات المؤمنین کی ہتک حرمت کی جاتی تھی اور کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔ ملاحظہ ہو مدارج النبوة شاہ عبدالحق دہلوی ص ۱۲۸ خاتم بدایں۔ حضرت ام المؤمنین جناب عائشہ رضوان اللہ علیہا سے خود امیر معاویہ کے لور نظر ولیعہد خلافت نے کیسا جیسا سوہ سلوک فرمایا اور پھر اس کو کیا سزا دی۔

یہی کہ خلافت کے ولیعہد قرار دیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، وغیرہ غرض کہ کتب فقہ و حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم، کنز العمال، انزالہ الخفا وغیرہ کتابوں پر نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ احکام رسول اللہ احکام محمدی کی کیا گت بن رہی تھی۔

بلا شک اس تلامذہ خیز زمانہ میں اگر حسین فرزند رسول یزید فاسق و فاجر ظالم بدکار کی بیعت و اطاعت سے انکار کر کے صدائے احتجاج بلند نہ فرماتے اس کے نااہل ہونے کو ظاہر نہ کرتے۔ شدید مصیبتوں اور انتہائی تکلیفوں

کے خوفناک طوفانوں کو تھیلے ہوئے احقاق حق کے لیے شدید راہ الہی نہ ہو جاتے اور
 یزید کی خلافت اور معیت کو منظور فرما لیتے تو یقیناً یزید رسول الہی کا سچا خلیفہ مسلمانوں
 کا امیر تسلیم ہو کر اس کے علانیہ فسق و فجور، کھلم کھلا شرا بخواری، نہ ناکامی، ظلم و جور
 آج مسلمانوں میں مباح و جائز دکھائی دیتے۔ کوئی شک نہیں حسین ہی اپنے
 زمانہ کا وہ پہلا محسن اسلام رضائے الہی کا فریضہ دین محمدی کا شیفہ، عاشق
 خدا قدسی انسان ہے جس نے انتہائی استقامت اور صبر و رضا کے ساتھ جہاں
 پر پھیل کر خون میں نہا کر جہاد حق فرمایا اور بنی امیہ کے ظلم و جور، کفر و زندقہ
 کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر نالکے سچے اور اصلی اسلام کو اتحاد و کفر
 اور ظلم و جبر کے پردوں سے نکال کر نالکے جو حکم دیا تھا اس کو پورا کیے
 دکھا دیا۔

یزید کا فسق و فجور مسلم ہے : بہر حال یزید کا فسق و فجور، کاذب و ظالم
 سفیہ و جاہل اور ناقابل خلافت و

امامت مسلمین ہونا کوئی شک نہیں مسلم اور محقق امر ہے۔ اس زمانہ میں بھی
 بزرگان دین اصحاب و اصحاب زادگان یزید کو قطعاً فاسق و فاجر ناقابل خلافت
 و امارت جانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر خلیفہ اول، حضرت
 عبداللہ ابن زبیر، حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ۔ ان حضرات کے امیر معاویہ کے
 ساتھ تقریریں اور مکالموں کو کتب سیر و تاریخ میں دیکھ لیا جائے کہ امیر معاویہ کے
 العامت اور عطیات کو کیا کہہ کر واپس کر دیتے ہیں۔ ہم دنیا کو دین کے عوض
 فروخت نہیں کریں گے (استیعاب عبدالبرمکی اور روضۃ الصفا وغیرہ)
 اور ایسا ہی بعد کے علمائے اسلام یزید کو جانتے رہے ہیں ان کی تصنیفات میں
 موجود ہے جن کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

پس حسینؑ جو رسولؐ سے ہے، رسول الہی کے جگر کا ٹکڑا ہے اور رسولؐ ہی کی خدمت میں حوض کوثر پر پہنچنے والا ہے اس سے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے نانا رسول الہیؐ باقی اسلام کے حکم کے خلاف یزید فاسق و فاجر، ظالم و کاذب کی بیعت و اطاعت کو قبول فرما کر اس کو مسلمانوں کا خلیفہ اور امیر مان کر اس کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور اس کے ظلم و جور اور فسق و فجور میں اس کا معین و مددگار ہو۔ لاواللہ۔

رسول الہی کے انہیں اقوال پاک اور احادیث شریف کی تائید و تصدیق یزید کے تمام فسق و فجور اور ظلم و جور کی صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے حسینؑ خود اپنے اس خطبہ میں جو راستے میں لشکرِ جرّ کو پانی سے سیراب فرما کر دہاں سے روانہ ہوتے ہوئے فرمایا ہے۔ رسول الہیؐ باقی اسلام کے انہیں اقوال پاک اور احادیث شریف کی تائید و تصدیق فرماتے ہیں اور یزید کے فسق و فجور، ظلم و جور، دشمنِ خدا اور رسولؐ ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ ص ۷۲ اور تاریخ کبیر علامہ جبریل طبری جلد ۶ ص ۲۲۹ کو دیکھو۔ حسینؑ بعد حمد و ثنائے الہی فرماتے ہیں:-

حسینؑ کا خطبہ جس سے یزید کے فسق و جور پر روشنی پڑتی ہے:

ایہا الناس! ان رسول اللہ قال من رائی سلطانا جابرا مستحلا
لحرم اللہ ناکثا لجمہ اللہ مخالفا لسنة اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم
والعدوان ولم یغیر ما علیہ بفعل ولا قول کان حقا علی اللہ
ان یدخلہ مدخلہ الاوان هو لاعداء قد لزمو اطاعة الشیطان
وشرکوا طاعة الرحمن واطہروا الفساد وعطلوا الحسد ودر
داستائشروا بالفتی واحلوا حرام اللہ وحرموا حلالہ وادنا
احق من غیری الخ

یعنی "اے لوگو! یہ تحقیق رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ حرمِ الہی کی حرمت کو مٹانے والا ہے، عہدِ خدا کو توڑنے والا ہے۔ سنتِ رسول کا مخالف، بندگانِ الہی سے ظلم و جور کا رویہ برتنے والا ہے۔ پس وہ شخص اپنے قول و فعل سے کوئی امر اس کے خلاف ظاہر نہ کرے تو خدا پر واجب ہے کہ اس کو اس کے مقام پر جہاں کا وہ مستحق ہے (یعنی جہنم) پہنچا دے۔ پس تحقیق ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے لیے واجب لازم کر لیا ہے اور خدا نے رحیم و رحمان کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ حدودِ الہی کو معطل کر دیا ہے۔ مالِ الہی کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ حرامِ الہی کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کر دیا ہے۔ بے شک

میں اس امر کے لیے اپنے غیر سے زیادہ افضل اور احق ہوں" (تاریخ کمال جلد ۲) امام حسینؑ کا یہ خطبہ ابنِ تیمیہ کے ایک اور سفید جھوٹ پر بھی روشنی ڈالتا ہے ابنِ تیمیہ صاحبِ یزید کے پیروکار ابنِ امیہ کے ٹھیکیدار اپنے امام و خلیفہ یزید صاحب کی خلافت و امامت کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لیے بہت سی اہل بے جوڑ باتیں ملا کر غریب مسلمانوں حسینؑ کے نام پر رسولِ عربی کے کلمہ گوئیوں کو دھوکہ میں ڈالنے کی بہت کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے بھی یزید کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا اور خود اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"جس طرح لوگوں نے یزید کے باب میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے اسی طرح بعضوں نے حضرت امام حسینؑ کے بارہ میں بھی بے اعتدالی برتی ہے ایک گروہ کہتا ہے۔ ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انھوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے۔ کیونکہ نبیؐ فرما چکے ہیں کہ

اتفاق کی صورت میں جو ہم میں چھوٹ ڈالنے کے لیے آئے اس کو قتل کر ڈالو
 حسین بھی چھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لیے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے
 اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حسینؑ امام برحق تھے۔ ان کی اطاعت
 واجب تھی۔ ان کے بغیر ایمان کا کوئی معاملہ بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ جمعہ
 اور جماعت اسی کے پیچھے درست ہے جسے انھوں نے مقرر کیا اور
 جہاد نہیں ہو سکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت نہ ہو۔“

یہ مقدمہ قائم کیے کے پھر لکھتے ہیں کہ ان دونوں بے اعتدالیوں کے درمیان
 اہل سنت میں وہ نہ پہلے گروہ کے ہم نوا ہیں اور نہ دوسرے کے۔ ان کا خیال ہے کہ
 امام حسینؑ مظلوم شہید کر ڈالے گئے اور مذکورہ بالا حدیث ان پر چسپاں نہیں ہوتی
 کیونکہ جب انھیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے ارادے
 دعویٰ خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور فرات سے چھوٹے وطن جانے دو یا
 کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو۔ مگر
 مخالفین نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور اسیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انھوں
 نے نامنظور کر دیا کیونکہ اسے منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔“

ابن تیمیہ اپنی اس تقریر اور اس بیان سے اپنے امام و خلیفہ یزید ابن معاویہ
 کی امامت و خلافت کو جائز ثابت کرنے کے لیے یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ
 نے بھی یزید کو بالآخر جائز خلیفہ مان لیا تھا اور اس کی بیعت و اطاعت پر رضامند
 ہو گئے تھے۔ مگر تاریخوں کے دیکھنے اور واقعات پر نظر ڈالنے سے صاف ظاہر
 ہو جاتا ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ سراسر غلط بیان اور صاف سفید جھوٹ ہے۔ حسینؑ نے
 ایک منٹ کے لیے بھی یزید کی خلافت اور بیعت و اطاعت کا اقرار نہیں فرمایا۔ یہی
 خطبہ جو امام حسینؑ نے کربلا کے قریب پہنچنے پر جو کے لشکر اور کوفہ والوں کو دیا ہے

ابن تیمیہ کے اس غلط بیان اور جھوٹ کی قلعی کھول رہا ہے۔ اس خطبہ میں حسین علی الاعلان اپنے نانا رسول کریمؐ کے ارشاد کا حوالہ دے کر یزید کو ظالم و جابر بادشاہ عہدِ خدا کو ٹوڑنے والا سنتِ رسولؐ کا مخالف و ناقابلِ خلافت بتاتے ہیں۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسلم کی مطلوبانہ شہادت اور کوفہ کی پڑاؤ آشوب حالت کی خبر حسینؑ کو منزلِ ثعلبیہ میں پہنچ گئی تھی اور حوٰجہ کا لشکر ابن زیاد کی فوج ہو یزید کے حکم کے مطابق کہ حسینؑ کوفہ کی طرف آ رہے ہیں فوجیں بھیجو، پرے چوکیاں بٹھا دو اور اب حسینؑ کو کسی طرح نہ چھوڑنا اور کسی طرف نہ نکلنے دینا۔ حسینؑ کو گھیرنے اور ابن زیاد کے پاس لیجنے کے لیے آتی ہے وہ اس وقت حسینؑ کو ملتی ہے کہ جب حسینؑ مسلم کی شہادت کی خبر سن لینے کے بعد زہالہ اور سراب کی بھی دو منزلوں کو طے کر چکے ہیں اور پھر حسینؑ جب دہال سے بھی آگے اپنے ان پکڑنے والے دشمنوں یزید کی فوج کو سخت پیاس میں پانی پلا کر مروتوں کو جلا کر کگے کو روانہ ہوتے ہیں اور حوٰجہ کی فوج یزیدی لشکر حسینؑ کا پیچھا پکڑے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے تو اس وقت حسینؑ بیضا کے مقام پر کوفہ والے یزیدی لشکر کو مخاطب فرما کر یہ خطبہ بیان فرماتے ہیں کہ جس میں اپنے نانا رسولِ الہی کی حدیث کا حوالہ دے کر یزید کو ظالم و جابر عہدِ خدا کا ٹوڑنے والا مخالفِ رسولِ خلافت کے ناقابل و نااہل ظاہر فرماتے اور اس کی بیعت و اطاعت سے اظہارِ انکار فرماتے ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی دوسری منزل ذبیحہم پر پہنچ کر جو عذابِ الہی کی منزل سے پہلی منزل ہے پہنچ کر دوسرا خطبہ فرماتے ہیں۔ بعد حمد و ثناء الہی بیان کرتے ہیں کہ :-

قد نزل من الامر قد ترون وان الدنيا قد تغيرت
وتنكرت واوسر معروفا واستقرت جدا فلحم يبق
فيها الاضباية كصبابة الاناء حسيس عيش كالمري

ان الحق لا يعمل به وان الباطل لا يتناهى عنه ليرغب اليه
 في لقاء الله محققاً فاق لا ارى الموت الا شهيداً دة
 ولا الحياة مع الظالمين الا بربما (طبری ص ۲۲۹) اسی کے جواب
 میں زہیر قین نے عرض کی ہے۔ قد سمعنا هذا ك الله يا بن
 رسول الله فقال والله لو كانت الدنيا لنا يا قية
 وكنا فيها فخلد سين الا ان فراقها في يصر ك ومواساة ك
 لا شرنا الخروج معك على الاقامة فيها۔

پھر اس کے بعد جب حور نے بڑھ کر حسین کو نصیحت کی اور عرض کیا۔ یا
 حسین انی اذکرک الله فی نفسک فانی اشہر لسن قاتلت تقتلن
 ولسن قوتلت لتهلکن فیما اری تو حسین نے تحریر فرمایا کیا مجھے موت
 سے ڈراتا ہے؟ وھل یعد ویکم الخطب ان تقتلونی ما اوری
 ما اقول لك ولكن اقول كما قال اخوالاوس لابن عند ولقیہ
 وهو یزید نصرۃ رسول الله فقال له این تذهب بانك
 مقتول فقال

سامعی وما بالموت عار علی الفتی اور مانوی حقاً وجاہد مسلماً
 وآسلی الرجال الصالحین بنفسہ وفارق میثوراً لیس ویرغمنا

تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۲۹ - تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۵

پس کیا کوئی شخص حسین کی ان تقریروں اور بیانیوں کو سن کر اور خطبوں کو
 پڑھ کر یہ خیال کر سکتا ہے کہ حسین یزید کی خلافت کو جائز سمجھنے کے لیے
 رضا مند ہو گئے تھے اور اس کی بیعت و اطاعت کو حسین نے تسلیم اور قبول
 کر لیا تھا۔ اگر بقول ابن تیمیہ حضرت مسلم کی شہادت کی خبر سن کر حسین یزید کی

بیعت و خلافت پر رضا مند ہو گئے تھے تو پھر بعد شہادت حضرت مسلم یہ خطبے اور تقریریں کیوں فرماتے تھے اور کیوں نہیں حسینؑ کے ان خطبوں کو پڑھ کر اور حسینؑ کی ان تقریروں اور بیانیوں کو سنکر جو حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ہی پے درپے تقریباً ہر ایک منزل میں بیان فرماتے ہیں۔ کیا کوئی شخص یہ یقین کر سکتا ہے اور اس کو صحیح سمجھ سکتا ہے کہ مسلم کی شہادت کے بعد معاذ اللہ امام حسینؑ نے یزیدی گروہ کے باطل اتفاق و اجماع کو جائز اور حجت اور اسلامی اتفاق سمجھا تھا جس کو وہ پہلے صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے اب خدا و رسول کی مرضی احکام الہی کے منشاء کے مطابق یزید فاسق و فاجر کی بیعت و اطاعت پر رضا مند ہو گئے تھے اور مخالفت یزید کے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے اور یزید کی بیعت و اطاعت اور خلافت کو اسلام اور امت محمدی کے لیے مفید اور بہتر سمجھنے لگ گئے تھے۔ تو یہ تو بہ "ایں خیال است و محال است و جنوں" یہ واقعی ابن تمیمہ کے فتور عقل کا نتیجہ ہے۔ نہیں بلکہ اس بنی امیہ کے پروپیگنڈا اور محبت یزید کا اثر ہے جس میں ابن تمیمہ کی پیدائش اور ولادت ہوئی ہے۔

معاذ اللہ اگر حسینؑ نے ایسا سمجھ لیا تھا تو پھر علی الاعلان یہ خطبے اور یہ تقریریں کیوں مسلم کی شہادت کی خبر سنکر کربلا تک برابر فرماتے چلے جا رہے ہیں کہ یزید نا اہل و ناقابل فاسق و فاجر ظالم بادشاہ سنت رسولؐ کا مخالف و عہد خدا کو توڑنے والا ہے۔ اس کے شریک و معین اور مخالفت نہ کرنے والے شخص کو خدا جہنم میں ڈالے گا۔ وغیرہ۔ کیوں نہیں یزیدی امت کے اتفاق و اجماع میں شامل ہو کر بیعت یزید کا اقرار فرما لیتے بلکہ کربلا پہنچ کر بھی ذبح ہونے کے وقت تک صدائے حق بلند فرماتے رہے۔ حسینؑ کی ان معرفت و عرفان سے لبریز حق و صداقت سے بھرے ہوئے خطبوں کو دیکھ کر جو کربلا میں برابر فرماتے رہے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اور ہدایت و رہبری اور تبلیغ حق اور جہاد علی الحق کے فریضہ کو ادا فرماتے رہے ہیں۔ دیکھو عشرہ محرم کے روز میدان جنگ میں پہنچ کر جب اس لشکرِ یزید اہل کوفہ پر اتمامِ حجت فرماتے ہیں کہ دینِ الہی اور اسلام محمدی کی ہدایت کرنے کے لیے اپنے اور اپنے بزرگوں کے فضائل و مراتب یاد دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے وہ کیا جرم ہے جس کا بدلہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اگر تم مجھ سے کارہ ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں اور زمینِ الہی میں کسی جگہ پناہ لے لوں تو قیس ابن اشعث یہی جواب دیتا ہے کہ یہ نہیں، آپ کیوں نہیں اپنے ابنِ عم (یزید) کے حکم کو مان لیتے اور اس کی اطاعت کر لیتے۔ یہ لوگ آپ سے اچھا اور نیک سلوک نہیں کریں گے۔ پس قیس کے جواب میں یہی ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا وَاللّٰهِ لَا اعْطِيْهِمْ بَيْدِيْ اَعْطَا الْعِزْلِيلُ وَلَا لِقُرْ اَمْرَاءَ الْعَبِيدِ جِهَادُ
اللّٰهُ اَنِّيْ عَذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجِعُوْنَ اَعْمُوْذِ بَرِّيْ وَرَبِّكُمْ مِنْ
عَلِّ مَتَكَبِّرُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ حسینؑ کے فقر وں کو ذرا غور سے
دیکھو اور سمجھو کس کے کیا معنی ہیں کیا حسینؑ نہیں فرما رہے ہیں کہ میں یزید کے ہاتھ
میں ہاتھ کبھی نہیں دوں گا۔ کبھی ذلیل نہیں ہوں گا۔ کبھی اطاعت غلامی نہیں کروں گا۔
میں یزید متکبر (جو روزِ حساب پر ایمان نہ رکھنے والا ہے) کی اطاعت کرنے سے
پناہ مانگتا ہوں۔

ابن تیمیہ کا یہ بیان کہ مخالفین نے ان کی (حسینؑ کی) کوئی بات بھی نہ مانی
اور امیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انھوں نے (حسینؑ نے) نامنتظر کر دیا۔ کیونکہ
اسے منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔ بہت خوب۔ سبحان اللہ۔ بریں عقل و
دانش بباہر گریست۔ "ایک شخص کو فاسق و فاجر، ظالم و جاہل و ناقابل

دشمن خدا و رسولؐ سمجھتے ہوئے اتفاق و اجماع کی بنیاد پر اور اسلام کے ضرر و نقصان کے اندیشہ سے اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنی اس کو اپنا امیر و حاکم مان لینا تو خدا کی رضا اور رسولؐ الہی کی خوشی کا باعث اور شرعاً جائز اور واجب ہو کہ جس کو حسینؑ نے واجب سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور جو معاذ اللہ حسینؑ پر واجب تھا مگر اسی بنیاد پر ابن زیاد نائبِ یزید اور اہلِ کوفہ لشکرِ یزید کے حکم کی تعمیل کرنا اور اسیری قبول کرنا ابن زیاد کے پاس بجا کر یزید کی بیعت کر لینا، اس کے پاس ہوتے ہوئے یزید کی طرف جانا حسینؑ پر شرعاً کیوں واجب نہیں ہو سکتا اور پھر اس وقت جبکہ اس کو قبول کرنے میں بھی معاذ اللہ اسی طرح امتِ رسولؐ کا فائدہ ہو، اتفاق و اجماع اسلام کے لیے مفید ہو۔ کشت و خون، فتنہ و فساد کے سیلاب بند ہوں۔ رفیق و انصار کی جانیں بچیں۔ بارخِ رسالت کے پھول پامال نہ ہوں۔ جو انانِ آلِ محمدؐ تلواریں نہ کھائیں معصوم بچے ذبح نہ ہوں۔ آلِ محمدؐ لوٹی نہ جائے۔ خدا اور رسولؐ کی رضا و منشاء کے مطابق خلیفہ اسلام کی بیعت ہو اور جاگیریں بھی ملیں۔ راحت و آرام سے زندگی بسر ہو۔ ہم دین و ہم دنیا دونوں حاصل ہوں تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شرعاً نادرست ہے اور واجب نہیں ہے۔ یہ ذلت اور اسیری نہیں بلکہ معاذ اللہ خاکمِ بدہاں وہ امر جس میں دین و دنیا کا فائدہ ہو اور جس کا نتیجہ رضا الہی اور خوشنودی رسولؐ بھی ہو جان بھی بچے اور مال بھی ملے موجبِ عزت ہے۔ ایسا عار کبھی عار نہیں کہا جاسکتا خود حسینؑ کا قول ہے کہ "العار اوطی من دخول النار" یعنی جہنم میں جانے سے خدا اور رسولؐ کے حکم کو قبول نہ کرنے سے عار قبول کرنا افضل و بہتر ہے۔ "استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ یہ سب یزیدی گروہ بنی امیہ کے حمایتی لوگوں کی فتنہ انگیزیاں اور چال بازی ہیں کہ جو یزید فاسق و فاجر کی پوزیشن کو صاف کرنے اور قتلِ حسینؑ کے الزام سے اس کو بری کرنے کے لیے کی

گئی ہیں۔

تاریخ طبری نے اس موضوع کے متعلق کہ حسینؑ نے تین سو سال لشکرِ یزید سے کیے تھے جس کو انھوں نے نہیں مانا۔ مختلف تین روایتیں لکھی ہیں۔ پہلی روایت تو یہ ہے کہ ابی بن شیبہ خضرمی بیان کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے عمر سعد کے پاس عمر بن قرطبہ انصاری کو بھیجا کہ تم دونوں لشکروں کے بیچ میں آ کر مجھ سے ملو اور بات کرو۔ عمر سعد میں سواروں کے ساتھ آیا اور ایسے ہی حسینؑ بھی ہیں ہمراہیوں کے ساتھ بڑھے، مگر جب دونوں ملے تو حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا اور عمر سعد نے اپنے رفیقوں کو دور کر دیا۔ ہم لوگ ان کی گفتگو اور کلام کو نہیں سن سکتے تھے۔ دیر تک حسینؑ اور عمر سعد باتیں کرتے رہے۔ رات بہت گزر گئی۔ پھر دونوں اپنے اپنے لشکروں کو واپس آ گئے۔

حدث الناس فيما بينهما ظنا لظنونہ۔ ان حسينا قال: لعمر بن سعد اخرج معي الى يزيدي وتدع العسكرين قال عمر اذن تقدم داري قال انا ابنها لك قال اذن توخذ ضياعی قال اذن اعطيت خيراً منها من مالي بالحجاز قال متكره ذلك عمر قال فحدث الناس بذلك وشاع فيهم من خيران يكونوا سمعوا من ذلك شيئاً ولا علموه فقط۔ یعنی جو کچھ باتیں حسینؑ اور عمر سعد میں ہوئیں ان کو لوگ اپنی طور سے بیان کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ بس یہ باتیں ہوئیں کہ حسینؑ نے عمر سے کہا کہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر یزید کے پاس چل۔ عمر نے کہا اگر میں الیا کروں گا تو میرا گھر ڈھا دیا جائیگا۔ حسینؑ نے فرمایا میں بنو ادوں گا۔ عمر نے کہا، میری جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ حسینؑ نے فرمایا میں اس سے بہتر اپنے مالِ حجاز سے تجھے دے دوں گا۔ مگر عمر نے یہ درخواست قبول نہیں کی۔ بس لوگ اس قسم کی باتیں کرتے تھے اور یہی لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ حالانکہ کسی نے ایک لفظ بھی اس کے متعلق نہیں سنا اور نہ کسی کو اس کا علم ہوا۔ یہ تو پہلی روایت ہے۔

دوسری روایت یہ ہے:- اما ما حدثنا به المجاهد بن سعيد

والصقعب بن زهير الازدي وغيرهما من المحدثين فهو ما عليه
جماعة المحدثين قالوا انه قال اختاروا مني خلافاً ثلاثاً اما
ان ارجع الى المكان الذي اقبلت منه واما ان اضع يدي في يزي
بن معاوية فيرى فيما بيني وبينه رايه واما ان تسير في الى اى
تغير من تغور المسلمين شتم اكون رجلاً من اهل لي ما لهم
وعلى ما عليهم.

يعنى مجاہد بن سعید اور صقعب بن زہیر ازدی وغیرہ محدثین بیان کرتے
ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جماعت محدثین اس پر متفق نہیں ہے۔ وہ بیان کرتے
ہیں کہ حسینؑ نے فرمایا کہ میرے لیے تین باتوں میں سے ایک بات منظور کرو۔ یا
تو یہ کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں ہی کو واپس چلا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں تو
غیر یہ کہ میں یزید ابن معاویہ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔ پھر جو کچھ میرے اس کے درمیان
میں ہوا اور یا یہ کہ سرحد مسلمین پر جس طرف تم چاہو مجھے چلے جانے دو وہاں میں
پہنچ جاؤں۔

یہ دوسری روایت ہے کہ جس میں یزید کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ اس کو
خلیفہ یا امیر تسلیم کرنے کا ذکر اس میں بھی کوئی نہیں ہے بلکہ یہی ہے کہ جو کچھ میرے
اور اس کے درمیان ہو۔

اب تیسری روایت کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ علامہ جریر طبری اور ابو مخنف بیان
کرتے ہیں۔ فاما عبد الرحمن بن جندب فحدثني عن عقبه بن سمعان
قال صحبت حسيناً فخرجت معه من المدينة الى مكة ومن مكة
الى العراق فارقته حتى قتل وليس من مخاطبته الناس كلمة
بالمدينة ولا بمكة ولا في طريق ولا بالعراق ولا في عسكر الى يوم
مقتله الا وقد سمعتها الا والله ما قال لهم ما يتذكرون الناس وما
يزعمون من ان ليضم يدي في يد يزي بن معاوية ولا ان

سیر وہاں لغیر من لغور المسلمین ولکنہ قال دعونی فلاء ذہب
فی ہذا الارض العراضہ حتی تنظر ما یقتد امر الناس - فقط۔
یعنی عبدالرحمن بن حذاف، عقبہ بن سمران کی زبان سے بیان کرتا ہے کہ عقبہ نے بیان
کیا کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک حسینؑ کے ساتھ ساتھ رہا ہوں
جب تک حسینؑ شہید نہیں ہو گئے، حسینؑ سے علیحدہ نہیں ہوا اور کوئی مخاطبہ اور
کوئی کلمہ کوئی گفتگو کوئی کلام حسینؑ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستے میں نہ عراق میں
نہ لشکر میں شہادت کے دن تک ایسا نہیں فرمایا کہ جو میں نے نہیں سنا۔ قسم ہے
خدا کی ہرگز حسینؑ نے یہ نہیں فرمایا، جو لوگ ذکر کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ
حسینؑ نے یہ کہا کہ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ اس کی بیعت
کر لیں یا مسلمانوں کی سرحدات پر چلا جانے دو۔ بس فقط حسینؑ نے یہ کہا کہ تم
مجھے چھوڑ دو۔ میں اس عریض ارض ملک خدا میں چلا جاؤں اور ہم دیکھیں کہ
لوگوں کا امر کیا قرار پاتا ہے؛ فقط۔

بس یہ تین ہی روایتیں ہیں جو علامہ ابن جریر طبری کی تاسیخ کبیر، طبری جلد ۶
ص ۲۳۵ میں موجود ہیں۔ بس اس کے سوا کوئی اور بیان اس بیعت یزید پر حسینؑ کے
رضا مند ہونے کے متعلق نہیں ہے۔ تاسیخ کامل جلد ۶ ص ۲۵۵ میں بھی یہی روایات
اسی طرح درج ہیں۔ پہلی روایت تو ساری کی ساری ہی ظن اور گمان پر مبنی ہے
راوی خود بیان کرتا ہے کہ لوگوں میں ایسا چرچا تھا اور لوگوں نے خود بخود
ایسا گمان کر لیا تھا۔ اصلیت کا علم کچھ نہیں ہے۔ دوسری روایت کو خود علامہ
طبری اور ابو مخنف یہ لکھ کر کہ ماعلیہ جماعت المحدثین مجروح اور ناقابل قبول
بتا دیتے ہیں۔ بس تیسری روایت عقبہ بن سمران کی بلا شک صحیح اور قابل سند
ہے کہ جو بحشم دید آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی نہایت وثوق کے ساتھ
بیان کرتا ہے کہ ہرگز ہرگز حسینؑ نے تا وقت شہادت کسی حکمہ اور کسی مقام
پر کسی وقت اور کسی دن یزید سے بیعت کرنے اور سرحدات پر چلے جانے

کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ بے شک یہی صحیح اور ہی مستند ہے۔ حسین عیسیٰ علیہ السلام کا جان و جگر کبھی بھی یزید فاسق و فاجر، ظالم و جابر کی بیعت و اطاعت کا اقرار کر کے اس کو مسلمانوں کا امیر و خلیفہ قبول فرما کر نانا کے دین خدا کے اسلام کو ذلیل اور مسلمانوں کو گمراہی میں نہیں ڈال سکتا۔ یہ سب ابن تیمیہ جیسے یزیدی گروہ کی خرافات اور بیہفوات از سترتا یا غلط خود غلط انشاء غلط املا غلط، اب ابن تیمیہ کی اس بیان کردہ حدیث اتفاق اجماع امت کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری اور مناسب ہے۔

ابن تیمیہ نے حدیث رسول کا مطلب غلط سمجھا کہ کسی قسم کے اسلامی اجتماع کی مخالفت نہ کرنی چاہیے

بلا شک رسول کریم ﷺ کی اس حدیث کا مقصد اور مدعا ہرگز نہیں اور نہ خدا و رسول کا یہ حکم ہے کہ اگر دنیا کا اتفاق ظلم اور جور، فسق و فجور پر قائم ہو جائے یا زمانہ حدود الہی، احکام نبوی، ارکان اسلامی کے توڑنے اور مٹانے یا بدلنے پر متفق ہو تو ہدایت و رہبری خلق اور اس ظلم و جور، فسق و فجور کو دور کرنے اور حدود الہی اور احکام نبوی و ارکان اسلامی کی حفاظت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صدائے احتجاج بلند نہ کرو۔ ان کے اتفاق کو نہ توڑو و ضلالت و گمراہی میں انہیں پڑنے دو اور خلافت راستہ نبوی ہی انہیں چلنے دو۔ بلکہ اس ظالم و جابر فاسق و فاجر، مخالف دین و اسلام گروہ اور ان کے سردار و امیر کے بھی شریک و شامل ہو کر اس کی اطاعت کرو اور اس کے ہم نوا و ہم صدا ہو جاؤ۔ مقابلہ ظلم لازمی نہیں بلکہ معاذ اللہ معصیت ہے کیونکہ اس سے ایک جھوٹا اور غلط اتفاق اور فسق و فجور کا اتحاد ٹوٹ جائے گا، لا والہ الا اللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ نہ رسول کا یہ ارشاد ہے نہ خدا کا یہ حکم ہے نہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جس کو ابن تیمیہ اور یزیدی ملت، حسین علیہ السلام کے متعلق چسپال کرنے کی کوشش فرماتے

ہیں۔ خدائے علیل نے کو نوا مع الصادقین فرمایا ہے نہ کہ کو نوا مع الظالمین اور تعادلو علی البر والتقویٰ ولا تعادلو علی الاثم والعدوان کلام مجید کا ارشاد ہے۔ رسول اللہ کے ان ارشادات اور احادیث کو دیکھو جو صحیح ترمذی، مشکوٰۃ شریف اور مسند امام احمد حنبل میں منقول ہیں اور جو ابھی بیان ہو چکی ہیں۔ حضرت ابوبکر خلیفہ اول نے بیان فرمائے۔ حضرت حذیفہ نے نقل کیے جناب ابو ہریرہ نے روایت فرمائے۔ کعب ابن جحرہ نے بیان کیا اور پھر فرزند رسول حسین مظلوم نے بھی جن کی شخصیت اور صداقت کو بظاہر ابن تیمیہ نے بھی قبول کیا ہے۔ اپنے نانا رسول الہی کے ارشاد کو اپنے اسی خطبہ میں بیان فرمایا ہے جس کو تاریخ کامل اور تاریخ طبری جیسے مستند اور علامہ مورخین نے نقل کیا ہے۔ ان تمام ارشادات رسولؐ احادیث نبویؐ سیرت محمدیؐ سے کھلم کھلا ثابت ہوتا ہے کہ ظلم و جور، کذب و باطل ارکان اسلامی کے خلاف حدود الہی اور شریعت محمدی کے مخالفت امور پر اتفاق و اجماع کبھی قابل قبول لائق شرکت موجب ثواب نہیں ہے۔ خود رسول مقبول بانی اسلام نے تمام مشرکین مکہ کل کفار قریش کے ظلم و جور فسق و فجور کی متفقہ جماعت اور متحدہ ملت کو اپنی ہدایت و تبلیغ کے مقابلہ میں کیا لڑائی لڑائی نہیں فرمایا تھا؟ اور کیا تنہا مقابلہ ظلم و شرک کو لازمی نہیں سمجھا تھا؟ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صدائے احتجاج بلند کرنے کے مقابلہ میں کفار و مشرکین مکہ کے اتفاق اور اجماع کو صحیح اور مستحسن خیال نہ کیا؟ خاموشی اور عدم ہدایت و تبلیغ کو ترجیح دی تھی؟ کیا رسول الہی صرف توحید کے ہی متوالے تھے اور اسی کی تبلیغ کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ ظالمانہ و جابرانہ شخصیتوں اور حکومتوں کو مٹانا، ان کی فسق و فجور کی عادتوں کو محو کرنا، حدود الہی کا قائم کرنا کیا رسول الہی کی تبلیغ کا کام نہ تھا؟ کیا خدائے علیل اور اس کے رسول پاکؐ کا بس صرف یہی منشا اور مدعا ہے کہ بس توحید الہی کا اقرار کر لو اور پھر جو سچا ہو ظلم و جور فسق و فجور اخلاقی جرائم اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرتے پھر و اور دنیا میں فساد پھیلاؤ۔

ظالم و جابر، فاسق و فاجر انسانوں کی حکومتوں پر متفق ہو کر ان کی جابرانہ و ظالمانہ
مخرب دین و دنیا ناجائز و نفسانی خواہشوں کا شکار ہو کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری
اور غلامی کی بیعت کرتے رہے۔ پس دنیا اور اسلام کی فلاح و بہبود اسی ظلم و جور اور
ضلالت و گمراہی کے اتفاق میں منحصر ہے۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ نہ یہ خدا کا
منشاء ہے اور نہ رسول الہی کا یہ حکم ہے۔ نہ یہ دین ہے نہ یہ اسلام ہے۔

ظلم و جور، فسق و فجور، ضلالت و گمراہی کے اتفاق و اتحاد کو کبھی شریعت الہی
اور اسلام محمدی نے جائز نہیں رکھا۔ دین اسلام کی تعریف بانی اسلام نے یہ فرمائی
ہے۔ الذین یعظم شعا شر اللہ والخیرالہی مخلوق اللہ۔ احکام خدا اور
حدود الہی کی حرمت و تعظیم کو بجالانا اور بندگان الہی مخلوق خداوندی سے احسان
اور نیکی و خیر کا سلوک کرنا پس یہی دین الہی ہے اور یہی اسلام محمدی ہے۔ حدود
الہی کو توڑنا، احکام رسول کو بدلنا ارکان دین کی بے حرمتی کرنا، تارک الصلوٰۃ
ہونا، شعا شر اللہ کو مٹانا، مخلوق الہی پر ظلم و ستم ڈھانا ہرگز دین الہی اور اسلام
محمدی نہیں ہو سکتا۔ مدینہ رسول میں شرابیں پینے والے، سکیر و خمیر حرم رسول
و حرم الہی کی عظمت و حرمت کو مٹانے والے، ماں، بہنوں سے زنا کاریاں
اور فسق و فجور کرنے والے ظالم غدار کی اغراض شیطانی اور شہوت رانی کے
لیے مخلوق الہی پر ستم ڈھانے اور خون بہانے والے تارک الصلوٰۃ لوگ کبھی بھی
امام جماعت، مادی و دہر دین اور امیر و خلیفہ مسلمین نہیں بن سکتے۔ بلا شک
وضع الشی فی غیر محلہ کا یہی مطلب ہے اور یہی اعظم ترین ظلم ہے جس شیطان
صفت شقی انسان شرابی بدکار کا مقولہ شراب کے متعلق اور سنانہ کے بارے
میں یہ ہو کہ:-

یزید کا قول شراب کے جائز ہونے کے متعلق:

فان حرمت یوماً علی دین احمد فخذھا علی دین المسیم ابن مریم

یعنی اگر دین احمدی شراب پینے کو حرام سمجھا ہے تو خیر دین مسیح پر ہو کر پی لے۔“
معاذ اللہ اور دوسرا شعر یہ

ما قال ربك ويل للذي شربوا ميل قال ربك ويل للمصلين
”تیرے رب نے شراب پینے پر ویل و ملامت نہیں کی بلکہ (معاذ اللہ) تیرے
رب نے تو نماز پڑھنے والوں کے لیے ویل و ملامت کی ہے۔“ وہ کبھی اسلام
جیسے پاک دین اور رسول کریمؐ کا امیر و خلیفہ نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمانوں پر اس
کی اطاعت واجب اور نہ ایسا اتفاق و اجماع قابلِ شرکت اور حجت۔ یہ دونوں
شعر اسی یزید خبیث کے ہیں جن کو ابن تیمیہ امام و خلیفہ بتا کر اس کی اطاعت و
بیعت کو فرض قرار دیتے ہیں۔

معاویہ نے یزید کو شراب پینے کی
کیا خوب ترکیب بتائی

ذکر ابن البعاذی فی
تاریخہ وابن الانباری
فی تاریخہ کان یزید
اللعن شغفا لشرب الخمر ولقد منعه ابوکا سراً ان نیت
عن الخمر ولا تفعل نهائراً لیل لہون فی اعین الناس۔ ابن معاذی
اور ابن انباری اپنی اپنی تاریخوں میں بیان کرتے ہیں کہ یزید لعین شراب کا
سخت متوالا تھا۔ اس کے باپ امیر معاویہ نے پوشیدہ طور پر اس کو شراب
سے روکا (بیٹا جان) دن میں نہ پیا کرو ورنہ لوگوں کی نظروں سے تمھاری وقعت
جاتی رہے گی۔ اس وقت یہ دونوں مذکورہ بالا شعر اپنے ابا جان کو جواب میں لکھ کر
بھیجے ہیں۔ (روض الجنان مولانا اشرف علی مطبوعہ ۱۲۷۷ھ)

بلا شک یہ ائمہ ضال اور ہی ائمہ بدعون الی النار ہیں جن کی امامت و خلافت
کے زمانہ سے رسول اللہؐ نے پناہ مانگی ہے۔ بلا شک یہ اتفاق اجماع جو کذب و باطل
فسق و فجور ظلم و جور کا اتفاق ہو کبھی شریعت الہی اسلام محمدیؐ میں جائز نہیں لکھا گیا
بلکہ دنیا کے کسی مذہب و ملت میں بھی ایسا نہیں ہے کہ ظلم و جور اور فسق و فجور کے

اتفاق کو مستحسن قابل تعریف اور لائق اطاعت و قبولیت سمجھا گیا ہو۔ بلا شک بقول مولانا ابوالکلام آزاد مقابلہ ظلم لازمی اور ہر ایک نااہل و ناقابل ظالم و جابر سے نفرت و علیحدگی فطرت انسانی ہے۔ ہمارے برادران اسلام حضرات اہل سنت والجماعت پیروان رسول کریم کا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ اور یہ مذہب نہیں ہے۔ ابن تیمیہ اور یزیدی گروہ خواہ اپنے رنگیلے متوالے شرابی یزید کو امام سمجھیں یا خلیفہ، امیر المومنین کہیں یا خلیفۃ المسلمین بلکہ نبی اور خدا سمجھ کر بھی اسے پوجیں اور بانی اسلام، مالک دین و دنیا رسول کریم کے جگر گوشہ حسین منظلوم پر اپنی کور چشمی سے زبان اعتراض کھولتے اور معاذ اللہ حسین کو باغی اور یزید پر خروج کرنے والا ظاہر کرتے ہیں تو ان کو اختیار ہے مگر بزرگان دین اسلام اور علمائے جلیل القدر اہلسنت والجماعت نے کبھی بھی یزید کی خلافت پر دوط نہیں دیے۔ کبھی یزید کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین نہیں فرمایا اور نہ سمجھا بلکہ ہمیشہ پکار پکار کر اپنے خطبوں میں اپنے فتوؤں میں اپنی تصنیفوں میں یزید کے فسق و فجور اور ظلم و جور کو ہی بیان فرماتے رہے اور اس کو فرعون سیرت ہی بتاتے رہے اور فرزند رسول حسین شہید کی صداقت و حقیقت کو ہی ظاہر کرتے رہے ہیں اور یزید کو حسین کا دشمن قاتل مخالفت دین و ایمان ہی بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ کی پیشنگوئی کے مطابق شہر ہجری کے فتنہ حکومت یعنی خلافت یزید سے پناہ مانگتے ہیں (صواعق محرقة ص ۱۳۲، وسیلۃ النجاة ص ۲۹۲)

ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی ص ۲۰۹۔

لما قتل الحسين وبنو ابيه لعن ابن زياد بروسهم الى يزيد فترقبهم اولاً ثم قدم لتمامقة المسلمين على ذلك والبغضه الناس وحق لهم ان يبغضوه - یعنی جب حسین اور اولاد علی شہید ہو گئے تو ابن زیاد نے ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا۔ پس یزید ان کے قتل سے اول اول خوش ہوا مگر جب مسلمانوں نے اس پر ناراضی و نفرت کا اظہار کیا اور لوگ

اس سے بگڑنے لگے اور لوگوں کا اس پر ناراض ہونا اور بگڑنا حق تھا تو یزید اس فعل سے نام نہاں ہوا۔ پھر لکھتے ہیں کہ نوفل ابن ابی مرثد حضرت عمر ابن عبدالعزیز (خلیفہ اموی) کے دربار میں موجود تھا۔ کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کے نام سے یاد کیا تو عمر ابن عبدالعزیز نے ناراض ہو کر فرمایا کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ اور میں تازیانے یزید کو امیر المومنین کہنے کی سزا میں اس شخص کو لگوائے۔

پھر علامہ سیوطی امام ذہبی کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ قال الذہبی ولما فعل یزید باهل المدينة ما فعل مع قسربه الخمر وابتغاه المسكرات اشتد عليه الناس وخرج عليه غير واحد ولما بارك الله في عمره - یعنی امام ذہبی کہتے ہیں کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا جو کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے شراب پینے اور دوسرے افعال بد اور معصیت کاریوں کی وجہ سے لوگ اس پر ناراض ہوئے اور اس پر خروج کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر میں زیادتی و برکت نہ دی اور پھر مکہ کی تباہی اور محاصرہ اور منجیق پھینکنے کے واقعہ کو لکھ کر بیان کرتے ہیں۔ و اهلك الله يزيد بذلك في نصف شهر ربيع الاول من هذا العام فجاء الخبر لوماته والقتال مستمر فنادى ابن الزبير يا اهل الشام ان طاعنيكم قد هلك - یعنی اسی سال نصف ربيع الاول کو خدا نے یزید کو ہلاک کر دیا۔ پس جب اسکے مرنے کی خبر مکہ میں آئی۔ جنگ جاری تھی تو حضرت عبداللہ ابن زبیر نے پکار کر کہا۔ اے اہل شام تمہارا طاغی ہلاک ہو گیا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ اموی یزید کو امیر المومنین کہنا معصیت جانتے ہیں اور کہنے والے کو شرعی سزا دی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر یزید کو طاغی و باغی فرماتے ہیں۔

افسوس کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کا یہی بیان کافی ہے جو تاریخ طبری

جلد ۱۳ میں درج ہے۔ قال علی بن محمد عن حماد بن سلمہ عن ابی الہیثم
قال کنا مع ابی ہریرۃ فی جنازۃ فلما رجعنا اعیانا الحسین علیہ السلام
صعد فجعل ابو ہریرۃ لفض التراب عن قدمیہ بشوہ فقال لہ
الحسین انت یا ابا ہریرۃ تفعل هذا قال دعنی منك فلو لعلنا الناس منک
ما اعلما لملوک علی عواقبہم۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ یزید شہادت حسینؑ پر خوش تھا
یا غلبین اور یزید کی ندامت لوگوں کی ناراضی اور سلطنت کے جانے کے خوف سے معنی
یا حسینؑ کی شہادت کے افسوس سے۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر شہادت حسینؑ کے بعد مکہ میں حسینؑ کی صداقت و حقانیت
کو ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے خطبہ میں بیان کرتے ہیں۔ قسم خدا کی حسینؑ نے شرافت و کرامت
سے مرنے کو ذلیل مذموم زندگی پر ترجیح دی۔ حسینؑ شرف بزرگی اور دین میں سب سے
افضل تھے۔ امر خلافت کے لیے سب سے احق اور بہتر تھے۔ قسم خدا کی انہوں نے
کبھی قرآن کو غلط معنی نہیں پہنچائے۔ بجائے میخواسی کے ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور بجائے
شکاری کتوں سے کھیلنے کے یاد الہی کے جلسے حسینؑ کے گھر پر پارہتے تھے وغیرہ۔

تاریخ کامل جلد ۴ ص ۵۵ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۶۲۔ عبداللہ ابن زبیر نے حسینؑ کے
اوصاف حمیدہ کو بیان کرتے ہوئے یزید کی خبیث عادتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ
بن عباس نے بعد

واقعہ شہادت امام حسینؑ عبداللہ ابن زبیر سے دوران جنگ کے زمانہ میں یزید کے
خط کا جواب جو یزید کو تحریر فرمایا ہے تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۶۲ اور تذکرہ علامہ سبط
ابن جوزی ص ۱۵۵ میں موجود ہے۔ ہم نے کتاب ناموس اسلام میں اس کا مفصل ترجمہ

لے ناموس اسلام حصہ اول شائع کردہ امامیہ سن لاہور قیمت پچھ روپے

خائع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ عبداللہ ابن عباس کس زور سے ثابت کر رہے ہیں کہ یزید قاتل حسین ہے۔ یزید نے حسین کو قتل کرایا۔ یزید نے حسین کو مکہ اور مدینہ سے نکالا۔ یزید نے قتل حسین کے لیے مکہ میں اپنے آدمی بھیجے۔ یزید نے اہل بیت اطہار آل محمد کو سر رہنہ قیدی بنا کر شام میں بلایا۔ یزید دشمن خدا و رسول ہے اور یزید نے آل محمد کے قتل سے اپنے کشتگان بدر کا بدلہ لیا۔ اس کی دوستی و محبت اور اس کی اطاعت فرماں برداری سے انکار کرتے ہیں اور عذابِ آخرت کی بشارت دیتے ہیں۔

تاریخ یعقوبی میں بھی حضرت عبداللہ ابن عباس کا خط یزید کے نام درج ہے اس کا مضمون بھی قریب قریب ایسا ہی ہے کہ تو نے حسین کو حرم رسول سے نکالا، تو نے دھوکہ سے قتل کرنے کے لیے خفیہ آدمی بھیجے۔ تو نے مکہ سے کوفہ کی طرف نکالا۔ وہ فضائے الہی کا انتظار کرتا ہوا خائف و ترسناں نکل کر وہ تمام اہل مکہ میں قدیم و جدید سب میں سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھا اور اگر وہ مکہ میں قیام کرتا۔ حرم خدا میں جدال و قتال کو حلال جانتا تو اہل مکہ و مدینہ سب سے زیادہ اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے لیکن اس نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ حرمت حرم خدا و حرم رسول کو برباد و ضائع کرے۔ فقط رسالہ تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقة ص ۱۵ پر ابن حجر مکی نے بھی اس خط کا ذکر کیا ہے۔

ان خطوں سے بہت سے واقعات اور ابن تیمیہ جلیبے یزیدی ہوا خواہوں کے اعتراضات باطل کا پورا جواب حاصل ہوتا ہے جو حسین کے سفر کو خروج کرنے کے اور مسلمانوں میں فساد ڈالنے کے اعتراض اپنی سیاہ باطنی سے قائم کرتے ہیں اور اس اتفاق و اجماع پر بھی کہ اہل مکہ و مدینہ حسین کو کیا جلتے تھے اور یزید کو کیا۔

۴۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے بھی معاویہ کے زمانہ میں بیعت یزید سے انکار

فرمایا ہے۔ اور یزید کے فسق و فجور کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ من یرشد من دین من بہ صد ہزار درہم ارناں است۔ اور معاویہ کے بھیجے ہوئے رشتہ کے ایک لاکھ درہم کو واپس کر دیا تھا۔ جب یزید کو ناقابل و نااہل جانتے تھے تب ہی تو ایسا فرمایا تھا۔ (زوفۃ الصفاء)

پھر حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید کو زبردستی کو بیچ کا خط لکھتے ہیں اور حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کو اسلام کی شہادت اور مصیبت عظیم بتاتے ہیں۔ دیکھو تاریخ علماء بلاذری جو حسینؑ کو ذبیح اللہ کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں لہما قتل ذبیح اللہ الحسین ابن علی کتب عبد اللہ ابن عمر الی یزید ابن معاویہ اما بعد فقد عظمت الرزیتہ وحلت المصیبتہ وحدث فی الاسلام حدث عظیم ولا یومہ کیوم الحسین۔ یعنی حسینؑ کی شہادت بہت بڑی مصیبت اور بڑا غمناک حادثہ ہے۔ اور اسلام میں ایک حادثہ عظیم واقع ہو گیا۔ بلا شک منظر مصیبت و مصیبت کی رو سے حسینؑ کی شہادت کے دن سے بڑھ کر کوئی دن نہیں ہے۔

(معاذ اللہ) اگر یزید سچا امام اور جائز خلیفہ منقرض الطاقۃ تھا یا احکام اسلامی کے مطابق اس کی مخالفت اور انکار بیعت امت محمدیہ کے لیے مفسر احکام دین کے خلاف تھا اور پھر حسینؑ نے اس کی بیعت و اطاعت سے انکار کیا اور حسینؑ اسی بیعت و اطاعت یزید کے انکار کی بنیاد پر شہید یا قتل ہوئے اور جیسا کہ واقعہ ہے سوائے بیعت یزید کے کوئی دوسرا مطالبہ بھی حسینؑ سے نہ تھا۔ پھر کیونکہ حسینؑ ذبیح اللہ اور سید الشہداء وغیرہ کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور یہ بزرگان دین معاذ اللہ اگر یزید کو حق بجانب اور سچا جانتے تھے۔ اور اس کے مقابل حسینؑ کو معاذ اللہ غلطی پر سمجھتے تھے تو اور حسینؑ کے

انکار بیعت و اطاعت کو منشاء اسلام اور احکام خدا و رسول کے خلاف جانے
تھے تو ان بزرگوں کا یندیکہ اس طرح سخت زبرد و تو بیخ کے خطوط لکھنا اور شہادت
حسین کے واقعہ کو ایسا مصیبتناک واقعہ اسلام کے لیے بتانا کیونکر صحیح
اور جائز سمجھا جاسکتا ہے۔ نہیں نہیں بلا شک یہ سب بزرگان دین یندیکہ کو ناقابل
وفا اہل خلافت و امارت فاسق و فاجر ظالم اور غاصب بے دین جانتے تھے
اور حسین کی صداقت و حقانیت اور فضل و شرف کو یقیناً تسلیم کیے ہوئے تھے۔

جناب سکینہ بنت الحسین یندیکہ

۵۔ جناب سکینہ بنت الحسین

نے بھی لفظ کافر سے یاد

فرمایا ہے۔ تاریخ طبری جلد ۲

کافر کے لفظ سے یاد کرتی ہیں

۲۴۴ میں علامہ جریر طبری تحریر فرماتے ہیں۔ فکانت سکینہ تقول ما رايت

رجلاً کافراً خيراً من یزید بن معاویہ یعنی جناب سکینہ

فرمایا کرتی تھیں کہ ہم نے یزید بن معاویہ سے بہتر کسی کافر کو نہیں دیکھا۔ نور البصائر

علامہ مومن شبانہ ص ۱۹۶، فضول المہمہ ابن صبارخ مالکی ص ۲

اخبار الملل میں گزشتہ محرم سے بولبھارت و حکم کے عنوان سے تاریخی

حیثیت سے واقعہ شہادت امام حسین شائع کیا گیا ہے اس میں بھی جناب سکینہ

کا یہ قول درج کیا گیا ہے اور چونکہ زیادہ تر ابن تیمیہ ہی کے رنگ میں یہ

مضمون لکھا گیا ہے۔ اس لیے فاضل مورخ نے یزید کی بریت ثابت کرنے کے لیے اور

اس کے کفر پر پردہ ڈالنے کے لیے کافراً باللہ کا ترجمہ ناشکر گزار انسان فرمایا ہے

اور کافر لکھنے سے احتراز کیا ہے۔ ہم آئندہ اس کو بھی تاریخی حوالہ جات سے

بیان کریں گے کہ اہل بیت اطہار اسیران آل محمد کے ساتھ اول اول یزید نے کیا

سخت سلوک اور برتاؤ کیا۔ اور پھر لوگوں کی ناراضی کے اظہار پر عام ناراضگی پھیل

جلنے کے خوف سے بہ ظاہر نہ امت اور زہی کا طریق اختیار کیا تھا۔

- ۷۔ اہل مدینہ اور شرفائے مکہ نے بیسیا کچھ یزید کو بتایا ہے وہ ظاہر ہو چکا ہے تاریخوں اور کتابوں میں موجود ہے۔ امام حسن بصری کا قول نقل ہو چکا ہے۔ علاوہ حدیث و تاریخ کی دوسری کتابوں کے مستند تاریخوں ابوالفداء طبری و کامل میں بھی مندرج ہے کہ یزید کو سکیر و خیر خلافت شریعت اسلامی کھلم کھلا فسق و فجور کرنے والا ناقابل خلافت بیان فرماتے ہیں۔ اس کی خلافت کو گناہان مولقہ میں شمار کرتے ہیں۔
- ۷۔ علامہ سعودی کے اقوال و ارشادات بیان ہو چکے ہیں۔ علامہ موصوف یزید کو فرعون سیرت بلکہ فرعون سے بھی بدتر بتا رہے ہیں۔
- ۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی کے ارشادات اور فیصلے بھی تاریخ المخلفات سے بیان کیے جا چکے ہیں۔

- ۹۔ علامہ ابوالفداء علامہ حبیبہ طبری اور علامہ ابن اثیر نے کامل مورخانہ حیثیت سے اپنی مشہور و مستند تاریخوں تاریخ کبیر، طبری اور تاریخ کامل، تاریخ ابوالفداء میں بذیل واقعات بیعت یزید و شہادت امام حسینؑ اور واقعات حرہ مدینہ و مکہ یزید کے حالات فسق و فجور، شراب خواریوں اور ظلم و جور پر پوری روشنی ڈالی ہے۔
- ۱۰۔ علامہ سبط ابن جوزی نے اپنے تذکرہ خواص الامہ میں جو کچھ یزید کے متعلق اپنے قلم محقق رقم سے تحریر فرمایا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمایا جائے علیحدہ فصل ہی یزید کے متعلق درج فرمائی ہے۔

علامہ سبط جوزی کا بیان یزید کے متعلق : امام حسن بصری کے قول مندرجہ بالا کو

نقل کر کے لکھتے ہیں و ذکر جہدی ابوالفرح فی کتاب الرد علی المتعصب العقیدۃ النالغ من دم یزید قال سائلنی فقال ما تقول فی

یزید بن معاویہ فقلت لہ یکنیہ ما بہ فقال التجوز لعنہ فقلت قد
اجازہ العلماء الورعون منهم احمد بن حنبل فاند ذکر فی
حق یزید ما یزید علی اللعنہ ص ۱۶۱ - یعنی میرے علامہ ابوالفرح
نے مذمت یزید سے منع کرنے والے متعصب عنید کی رو میں جو کتاب لکھی ہے
اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک سوال کرنے والے نے یزید ابن معاویہ کے متعلق
مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کے لیے کافی ہے جیسا کچھ
ہے۔ پھر اس نے پوچھا۔ آپ اس پر لعنت کو جائز جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ
نیکو کار علماء جائز ملتے ہیں۔ ان میں سے ہی امام احمد حنبل ہیں کہ انھوں
نے یزید کے حق میں لعنت سے بھی زیادہ فرمایا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ قال
جدی اخبرنا ابو بکر الزار قال یحییٰ سالت احمد بن حنبل
عن یزید بن معاویہ فقال هو الذی فعل ما فعل قال
نہب المدینہ قلت فندکر عنہ الحدیث قال لا ولا کو امتہ
لا ینبغی لاحد ان یمکتب عنہ الحدیث - یعنی میرے جد علامہ
ابوالفرح نے بیان کیا کہ یحییٰ نے امام احمد حنبل سے یزید ابن معاویہ
کے متعلق دریافت کیا۔ امام احمد حنبل نے فرمایا۔ یزید وہی شخص ہے جس
نے کیا جو کچھ کیا۔ یحییٰ نے کہا یزید نے کیا کیا۔ احمد حنبل نے فرمایا۔ مدینہ
کو لوٹا۔ یحییٰ کہتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ آیا یزید سے حدیث کی روایت
کی جا سکتی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ اس کے لیے کوئی بزرگی
نہیں۔ کسی شخص کو جائز نہیں کہ اس سے کوئی حدیث نقل کرے۔ وحکی جدی
ابوالفرح عن قاضی ابوالعلی فی کتابہ المعتمد فی الاصول بامسنادہ
الی صالح بن احمد بن حنبل قال قلت لابی ان قومًا ینسبون الی توالی

اور دیگر علمائے عالی قدر کی تصانیف میں امام احمد حنبل کے صریح اقوال درج ہیں۔
 وقال حیدری صنف القاضی ابوالعلی کتاباً ذکر فیہ من لم یتحقق
 اللعن و ذکر منہم یزیداً فان قيل فقد قال النبی اول جمیش
 بغزو القسطنطینیہ مغفوراً لہ و یزید اول غزاهما قلنا فقد قال النبی
 لعن اللہ من اخاف مدینتی والاخر یسبح الاول قال احمد فی المسند
 رسول اللہ قال من اخاف اهل المدینہ ظلماً اخاف اللہ و علیہ
 لعنة الملائکة والناس اجمعین ولا تقبل اللہ لوم القیامة صرفاً
 ولا عدلاً وقال النبی عن عائشة قالت سمعت سعداً تقول سمعت
 رسول اللہ تقول لا عکبیر اهل المدینہ الا انما عکبیر ما بیننا و ما بینکم فی الماء
 و اخرجہ مسلم الا ان اخاف ان یزید اخاف اهل المدینہ
 و سبی اهلها و نحبها و اما جہا و تسمی و قعة الحرة و ما قوله اول جمیش
 بغزو القسطنطینیہ فانما یغنی ابوالیوب الانصاری لانه کان فیہم
 ترجمہ) سبط ابن جوزی بیان کرتے ہیں کہ میرے محد علامہ ابوالفرج نے کہا کہ قاضی ابوالعلی
 نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مستحق لعن ہیں اور
 ان میں یزید کو بھی شمار کیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نبی نے ارشاد فرمایا کہ اول وہ لشکر جو قسطنطینیہ پر چڑھائی
 کرے گا وہ بخشنا جائیگا اور یزید اول قسطنطینیہ میں جنگ پر جانے والا ہے تو ہم اسکے جواب میں یہ کہتے
 ہیں کہ نبی نے فرمایا کہ خدا کی لعنت اس پر ہے جو میرے شہر مدینہ کے لوگوں کو ڈرائے گا پس اس آخر کی
 حدیث نے پہلی حدیث کو منسوخ کر دیا۔ امام احمد حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو
 شخص اہل مدینہ پر ظلم کرے ڈرائے خدا اسکو ڈرائے گا اور اس پر ملائکہ اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت
 ہے اور خدا قیامت کے دن نہیں قبول فرمائے گا۔ جزاً و لا عدلاً۔ بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت
 کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ سعد سے ہم نے سنا، رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص مدینہ والوں سے

بہ کر پیش آئے۔ خدا اس کو اسی طرح عذاب میں پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور اس میں کوئی شک و اختلاف نہیں کہ یزید نے اہل مدینہ کو ڈرایا ان کو اسیر کیا۔ مدینہ کو لوٹا۔ فواحشات کو مباح کیا۔ اسی کا نام واقعہ حورہ ہے اور رسول اللہ کا قتل قسطنطنیہ کے اول لشکر کے متعلق جو ہے پس اس سے ابو ایوب انصاری مراد ہیں کیونکہ وہ وہاں ان میں موجود تھے۔

پھر واقدی ابن سعد اور مدائنی سے واقعہ حورہ کے مصیبتناک حالات کو بیان کیا ہے۔ قریش ہماجرین انصار کے قتل اور تین روز تک مدینہ کو لوٹے جانے، قبر رسولؐ تک خون کی ندیاں بہنے، یزید کے لیے بیعت غلامی لیے جانے اور فواحشات کا حال درج کیا ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ قال الشعبي اليس قد رضى يزيد بذلك وامربه وشكر مروان بن الحكم على فعله ثم سار اسلم بن عقبه من المدينة الى مكة فبات في الطريق ما وصى الى حصين بن نمير فضرب الكعبه بالمنجنيق فهدمها ومنقها وجاء لعن يزيده لعنه الله في ربيع۔

وقال جدي ليس العجب من قتال ابن زياد الحسين وتسلطه عمر بن سعد على قتله والشمر وحمل الرأس اليه وانما العجب من خذلان يزيد وضربه بالقضيب ثنايا وحمل ال رسول الله سبايا على اقباب الجبال وعزمه ان ييدفع بنت الحسين الى الرجل الذي طلبه والشاذة ابيات ابن الزبير ليت اشياخا يبدوا وشهد وورقة الرأس المدينة وقد تغيرت رجة ما كان مقصودة الا الفضيحة واطهار راحة الرأس انيحوzan ليفعل هذا ما تجوز به اليس باجماع المسلمين ان الخوارج والبغاة يكفنون ويصلى عليهم ويدفنون وكذا

قول یزیدؑ لی ان اسمیکم لما طلب الرجل فاطمه بنت الحسین قول
لا یقنع نقائلہ وفاعله ما اللعنة ولولم یکن فی قلبہ اعتقاد جاہلیہ
واضعان بدایتہ لاحترام الراس لما وصل الیہ ولم یضربه بالقتیب
وکفنه ودفنه واحسن الی ال الرسول اللہ (ترجمہ)

قلت والذی یدل علی بہ وانہ استدعی ابن زیاد الیہ و
اعطاہ اموالاً کثیرة وثقةً عظيمةً وقرب مجلسہ ورفع منزلتہ
وادخلہ علی نساءہ وجعلہ ندیمہ وسکرلیہ وقال للمغنی
عن ثم قال یزید ایمما السقنی شریةً تریدی فوادى +
ثم کل فاسق مثلاً ابن زیاد صاحب السر ولما انت عندی
ولتشد ید مغنی وجهادی - قاتل الجنارحی اعنی حسیناً (معاذ اللہ
من ذالک الهفوات الملحونه) ومربیہ الاعداۃ والحساد
وقال ابن عقیل ما یدل علی کفرہ وزندقۃ فضلًا عن
سبہ ولعنۃ اشعارہ التي افصح بها بالحاد وایالی خبث الفمار
ولسوء الاعتقاد (ترجمہ)

پھر یزید کے شراب و کباب کے اشعار جو اس کے کفر و زندقہ پر دلالت
کرتے ہیں درج کیے ہیں

پھر لکھتے ہیں کہ ان جماعة سئلوا جدی عن یزید فقال ما تقولون
للرجل ولے ثلاثہ سنین فی سنة الاولى قتل الحسین فی الشاہیہ
انخاف المذنبہ واما جہاد فی الثالثہ راحی الکعبہ بالمجانین
وہدم بافتالو فلعن فقال فالعنوہ .

غرض کہ یزید کے ان حالات پر کہ اس کی بے دینی اور کفر و زندقہ کے اشعار

کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ اس کے حالات کو اگر دیکھنا چاہو تو علامہ ابوالفرح
کی کتاب مسمی بالرد علی المتعصب العینہ کو دیکھو تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۷۱-۱۷۲

۱۶۳-۱۶۴ و ۱۶۵

۱۱۔ علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں تحریر کرتے ہیں ص ۱۰۱۔ بعضہم
اطلق اللعن علیہ (یزید) لہما انتہ کفر حسین امر لقتل الحسين
والفقوا علی جواز اللعن علی من قتلہ وامریہ واجازہ ورضی
بہ والحق ان رضا یزید لقتل الحسين واستشارہ بذالك واهانة
اهل البيت النبى صلی اللہ علیہ وسلم مغتبا وان كان تفاصیلہ احاد
فحسن لا تتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنة الله علی الضارة
واعوانہ (ترجمہ)

۱۲۔ اربعاء الراغبین علامہ شیخ محمد صبان ص ۱۹۱ وقد قال الامام احمد
بکفرہ وما هتک بہ درعا دعلا مقتضیا انه لم یقل ذالك
الا لما ثبت عند من امور صریحہ دفعت منه توجب ذالك
واقفہ علی ذالك جماعة کابن الجوزی وغیرہ وامافسقه فقد
اجمعوا علیہ۔ امام احمد حنبل یزید کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ان کا تقدس
اور علم اس امر کا مقتضی ہے کہ انھوں نے یہ فتویٰ اس وقت تک نہیں دیا جب
تک ان کو صریح طور پر یزید کے وہ افعال جو موجب لعنت میں ثابت نہیں ہو
گئے اور اسی پر ایک جماعت علماء نے مثل ابن جوزی وغیرہ کے اتفاق کیا ہے
اور یزید کے فاسق ہونے پر سب کا اجتماع اور اتفاق ہے۔

۱۳۔ صواعق محرقة علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۱ ولبعد اتفاقهم علی فسقهم
داخلفونی جواز لعنة لخصوص اسمہ منهم ابن الجوزی ونقل عن

احمد وغیرہ صنف قاضی ابوالعلی کتاباً ذکر فیہ بیان من لیسحق
 اللعن و ذکر منهم یزید و ذکر حدیث من اخات اهل
 المدیة ولا خلاف ان یزید غزالہمدیة بجیش و اخات
 اهلہا انتہی والحدیث الذی ذکرہ سوادہ مسلم و وقع من
 ذلک بجیش من القتل و الفساد المہم و البی و اباحہ
 المدیة ماہو مشہور حتی قض نحو ثلاثا یتہ بکر و قتل
 من الصحابہ نحو ذلک و ممن قراء القرآن نحو سبعاً یتہ
 نفس و اُبحث المدیة ایاماً و تتوابع الجماعة من المسجد
 النبوی ایاماً و اُختفت اهل المدیة ایاماً فلم یسکن احد
 دخول المسجد حتی دخلت الکلاب و الذیاب و بالت علی منبرہ
 تصدیقاً لما اخبر البی و لم یرض امیر ذلک الجیش الا
 بما فی مبالغہ لیزید علی انہم حول ان شاء باع وان شاء
 اعتق ف ذکر لہ بعضہم البعة علی کتاب اللہ و سنتہ رسولہ
 ف ضرب عنقہ و ذلک فی وقعہ الحرۃ السالطہ ثم ساء جیشہ هذا
 الی قتال ابن الزبیر فرموا الکعبہ بالہند جینق و احرقہ بالنار
 فای شئی اعظم من هذه القیام التي وقعت فی زمنہ ناسیاً
 عنہ و ہی مصداق الحدیث السابق لا یزال امرامتی قائماً بالقط
 حتی ثلہما رجل من بنی امیہ (ترجمہ)

یزید کے فسق و فجور اور خباثت کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں
 کہ یزید نے قتل حسینؑ کا حکم دیا تھا۔

۱۴ - نزل الابراہ فی معرفۃ اہل بیت الانبیاء ص ۹۱ علانہ مرزا محمد بخش شہاد

امام حسینؑ کا واقعہ لکھ کر تحریر کرتے ہیں۔ ولہذا لوقائع لسط لا یجتمعا القلم
 السمع وانما ذکرنا ما یقال من الکثیر وفیه کفایتہ للجرم لبشقاۃ
 ہولاء الضالین ویطہر من ہذہ الطامة الکبریٰ من وقعة
 الثقی وقعت بالمدينة فی اخر امرۃ یزید وہی مشہورۃ
 مزید شقائہ وخذلانہ ویحقق انہ لہ یندم علی ما صدر
 منہ بل کان معاراً علی ذنبہ مستمراً فی طغیانہ الی ان اقام
 منہ المنتقم الحیار واوصلہ الی درکات النار (ترجمہ)
 پھر اس کے بعد لکھتے ہیں العجب من جماعة یتفقہون فی
 امرۃ یتنزهون من لعنہ وقد اجازہ کثیر من الایمہ منہ
 ابن الجوزی۔

یعنی تعجب ہے اس جماعت سے جو یزید کے معاملہ میں ساکت ہیں اور اس
 لعنت کرنے سے گریز کرتے ہیں حالانکہ ائمہ دین کی کثیر جماعت نے اس پر لعنت
 کرنی جائز بتائی ہے۔ منجملہ ان کے ابن جوزی جو از روئے علم و جہالت عالی قدر
 ہیں اس کے بعد ابن جوزی کی عبارت نقل فرمائی ہے اور امام احمد بن حنبل اور ان
 کے بیٹے صالح کے اقوال لکھے ہیں جو بیان ہو چکے ہیں۔ ص ۱۸، ۱۹

۱۵۔ فقیہ شافعی فرماتے ہیں۔ سئل الکیا عن یزید ابن معاویہ
 فقال انہ لم یکن من الصحابہ لانہ ولد فی ایام عمر بن الخطاب
 واما قول السلف ففیہ لاحد قولان تلویح وتصریح ولہا الک
 فیہ قولان تلویح وتصریح ولای حنفیہ قولان تلویح وتصریح
 ولنا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لایکون کذا الک
 وهو الاعجب مالزہ والمتصد بالفہود ومد من الخمر وشعرہ فی الخمر

علوم ابن خلکان جلد ۱ ص ۳۵۵ (ترجمہ)

۱۶۔ علامہ سیر الوسی تفسیر روح المعانی جلد ۸ ص ۱۲۹ میں لکھتے ہیں :-

لا یتوقف فی لعن یزید و تکفیرہ بکثرۃ اوصاف الخبیثۃ
لما یرتکابہ الکبائر فی جمیع ایامہ لتکلیفہ و یکفی ما فعلہ ایام النبیائہ
اہل المدینہ و مکہ فقد روی الطبرانی بسند حسن اللہم من ظلم
ہل المدینہ و اخافہم ما خاضع و علیہ لعنة اللہ و الملائیکہ
و الناس اجمعین لا تقبل منه صرف و لا عدل الطامۃ الکبریٰ
ما فعلہ باہل البیت من الادی و قتلہ الحسین مما یتبت بتواتر
المعنی و فی الحدیث سنۃ لعنہم اللہ و فی روایتہ لعنہم اللہ
و عل نبی مجاب الدعوات المحرف لکتاب اللہ و المکذب
بعذر اللہ و المتسلط بالجبروت لیفر من اذل اللہ و لیدل من اعز اللہ
المستحل من عترتی و المستحل مجرم اللہ و التارک لسنی و قد
جزم بکفرہ و صرح بلعنہ جماعۃ من العلماء منهم الحافظ ناصر
السنة ابن جوزی و سبقہ قاضی ابویعلی و قال العلامة التفازانی
مخن لا تتوقف فی شأنہ بیل فی ایمانہ لعنة اللہ علیہ و علی
النصارۃ و اعدوانہ و ممن صرح بلعنہ الجلال الدین السيوطی (ترجمہ)

۱۷۔ شرح صحیح بخاری قسطلانی جلد ۵ ص ۸۵ و ۸۶ اور جلد ۱۰ ص ۱۳۹ علامہ قسطلانی

صحیح بخاری کی اس حدیث کو نقل فرما کر رسول اللہ نے فرمایا۔ اول حبیش فی
امتی لیغزبن مدینہ قیصر (ملک الروم یعنی قسطنطنیہ) مغفور لہم
یعنی میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر بادشاہ روم کے شہر قسطنطنیہ پر جنگ کرے
گا وہ لوگ مغفور اور بخشے ہوئے ہیں۔ اس کی شرح لکھتے ہیں کہ اول لشکر اسلام

جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی وہ یزید بن معاویہ کا تھا۔ جس میں سادات اصحاب
 مثل ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابوالیوب انصاری کے شامل تھے جو اسی
 جنگ میں فوت ہوئے یعنی ابوالیوب انصاری۔ پس اس سے مطلب ہے یزید کی
 خلافت اور مغفرت پر استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب میں یہ دیتا ہوں :-
 أُجیب بانّ هذا جار علی طریق الجمعۃ لبني امیہ ولا یلزم
 من دخوله فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا
 خلاف ان قوله علیه السلام والصلاة مغفور لهم مشروط
 بكونه من اهل المغفرة حتی لو اذنت من غزاهما بعد
 ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً قاله ابن المنیر
 وقد اطلق بعضهم فیما نقله المولى سعد الدین اللعن علی
 یزید لما اتّهم کفر معین امر بقتل الحسین واتفقوا علی جواز
 اللعن علی من قتله او امر به او اجازه ورضی به والحق ان
 رضی یزید بقتل الحسین واستبشاره بذالک واهانت اهل
 البيت النبى مما تواتر معناه وان كان تفاسیلها احاداً فحق
 لا یمتنع فی ثباته بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی
 انصاره واهوائه یعنی اس کا یہ قول بنی امیہ کی حمیت اور طرفداری کی
 وجہ سے ہے اور اس عام لفظ میں یزید کا شامل ہونا لازم نہیں اور دلیل
 خاص کے بغیر وہ نکل سکتا۔ اس میں کوئی اختلاف اور کلام نہیں ہے کہ حضرت
 کے اس قول مغفور لهم کے لیے شرط ہے کہ اہل مغفرت سے ہو اور اس پر
 اتفاق ہے کہ جو جنگ قسطنطنیہ والوں میں سے مرتد ہو گیا وہ اس عموم میں داخل
 نہیں ہو سکتا۔ ابن منیر نے ایسا کہا ہے اور تحقیق مولانا سعید الدین نے نقل کیا ہے

کہ بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے اس لیے کہ جب یزید نے قتل حسینؑ کا حکم دیا تو اسی وقت وہ کافر ہو گیا اور متفق علیہ امر ہے کہ حسینؑ کو قتل کرنے والا اور قتل حسینؑ کا حکم دینے والا یا اس کی اجازت دینے والا اور قتل حسینؑ پر راضی و خوش ہونے والا ضرور مستحق لعنت ہے اور یہ بات بالکل حق اور صحیح ہے اور بتواتر معنی ثابت ہے۔ گو تفصیل سمالات میں جدا جدا بیان ہے کہ یزید قتل حسینؑ سے راضی تھا اور وہ اس سے خوش ہوا اور اہلبیت نبیؑ کی اس نے امانت کی۔ پس ہم اس کی شانِ خلافت کو تو کیا اس کے ایمان کے بھی قائل نہیں۔ اس پر اس کے اخوان و انصار مددگاروں اور حمایتیوں سب پر لعنت خدا ہے۔

۱۸۔ اتحات لمحب الاشراف ص ۲۱۱۲۔ ولا شک عاقل ان یزید ابن معاویہ هو قاتل الحسین لانتہ الذی ندب عبید اللہ ابن زیاد لقتل الحسین علیہ السلام۔

”کسی عقل والے کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یزید ابن معاویہ حسینؑ کا قاتل ہے کیونکہ اسی نے ابن زیاد کو قتل حسینؑ کا حکم دیا اور آمادہ کیا۔“

۱۹۔ مولانا شاہ عبدالحق دہلوی کی مدارج النبوة اور جذب القلوب کے ملاحظہ فرما لیا جاوے۔ یزید کو لفظ شقی سے یاد فرماتے ہیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی فتاویٰ کو دیکھا جائے۔ جلد سوم ص ۷۷۔ لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید چونکہ باتفاق مسلمانوں کا امیر تھا اس کی اطاعت (معاذ اللہ) امام حسینؑ پر واجب تھی (جیسا کہ ابن تیمیہ کا عقیدہ اور مذہب ہے) وہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے کہ حسینؑ کی موجودگی میں وہ امیر کہاں ہے۔ نہ انستند کہ دے باوجود امام حسینؑ امیر شود اتفاق مسلمانان کے شد جملعتہ از صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعت او بودند۔ پھر لکھتے ہیں

کہ اس کی شراب خوری، زنا کاری، ترک نماز اور محرمات شرعیہ کو جائز کر دینے کے حالات کو دیکھ کر اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ پھر کہتے ہیں کہ بعضے گویند کہ دے امر بقتل امام حسینؑ نہ کر دہ نہ برآں راضی بود نہ بعد از قتل دے و اہل بیت دے مستبشر شد۔ کہتے ہیں یہ بھی باطل ہے۔ ایں سخن نیز باطل است اور اس کے بعد علامہ تفتازانی کا وہ ہی قول نقل فرمایا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ صحیح اور حق بات یہی ہے کہ یزید قتل حسینؑ پر راضی تھا۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ قتل امام حسینؑ گناہ کبیرا است نہ کفر و لعنت مخصوص بکفار است نازم بر فطانت ایشان کہ ندانستند کہ کفر یکطرف خود ایذائے رسول اشعلین چہ ثمرہ دارد قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرہ و بعضے دیگر میگویند کہ حال خاتمہ دے معلوم نیست شاید کہ دے بعد از ارتکاب ایں کفر و معصیت تور کردہ شد مثل غزالی در احیاء العلوم ایں طرف است (وہ ہی امر جو ابن تیمیہ لکھا ہے مخفی مباد کہ احتمال توبہ و رجوع از معاصی احتمالی است والا آں بے سعادت آنچہ در دین اُمت کردہ، پیچ کس نہ کردہ باشد پیرش معاویہ بر سر منبر زشتی حال پدر خود بیان کردہ و بعضے بیباکانہ بلعن آل شقی تجوز می سازند مثل امام احمد حنبل علامہ ابن جوزی و تفتازانی بکمال جوش و خروش بروے و برالصار و اعوان دے لعنت کردہ اند و بعض توقت کردہ اند مسلک آنہم آل است کہ آل شقی را بمعنف و ترجم ہرگز یاد نہ باید کرد۔

۱۱ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی مرحوم جن کی تحقیق اور علم و فضل محقق مسلم حضرات اہلسنت والجماعت ہے۔ اپنی کتاب لغتہ الراشد فی شرح العقائد میں یزید کے متعلق فرماتے ہیں:-

”بعضے در لعنت بر یزید شقی توقت کنند..... بعضے

براہ غلو و افراط در شان وے روند و گویند امارت او باتفاق مسلمانان
شد اطاعت وے بر امام حسین واجب بود و بخدا پناہ ازیں قول و
اعتقاد کہ وے باوجود امام حسین امام و امیر شود و اتفاق مسلمانان کجا
است جمع از صحابہ و اولاد ایشان کہ در دہاں آں پلید بودند انکارش
کردند و از اطاعت او بیرون رفتند و بعضی از اہل مدینہ بعد دریافت
حال خلع بیعت کردند و وے تارک الصلوٰۃ و شارب خمر و زانی
و فاسق و مستحل محارم بود و بعضی بروے اطلاق لعن کردہ مثل
امام احمد و امثال ایشان و ابن جوری لعن وے از سلف نقل نمودہ
زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسین کافر شد و کسے کہ قتل وے کرد
امر بدان نمود بر جواز لعن وے اتفاق کردہ اند۔

علامہ تفتازانی کے مندرجہ بالا قول کو نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں۔
"بالجملہ وے مبعوض ترین مردم است نزد اکثر مردم و کار ہائے
کہ آں بے سعادت دریں امت کردہ از دست ہیج کس ہرگز نیامد
بعد قتل امام حسین لشکر بہ تخریب مدینہ منورہ فرستاد و بقیہ صحابہ و
تابعین را امر بقتل کرد و بالحاد در حرم مکہ و قتل عبداللہ ابن زبیر
اشارت نمود و ہم دریں حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ دیگر
احتمال توبہ و رجوع او کجا است فقط۔"

علاء مفتی اکرام الدین مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے اپنی
کتاب سعادت الکونین فی فضائل حسین میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔
"در آثار التنزیل آمدہ۔ یزید نام شخصے است کہ متغلب
شد و قتل امام حسین کردہ و نیز ہر گاہ کہ امام حسین مقتول شد

ابن عباس یسویٰ یزید نوشت کہ من امید دارم کہ خدائے تعالیٰ
 ترا ملک ندارد و بعد کشتن تو حسینؑ را ترا با آن عقوبت گرفتار کند
 از دنیا برگناہ برود پس ابن عباس کہ فقیہ امت بود نسبت قتل
 یہ یزید کردہ کہ ادامہ را صنی بود و در اخبار متواتر است کہ بارہا مصطفیٰ
 می فرمود کہ از نسل معاویہ فرزند سے آید یزید نام کہ فرزند مرا ایذا از سے
 رسد پس یزید بے شک قاتل امام حسین است و آنچه کہ شکر دے کار کرد
 بامرو رضائے دے کرد و در قصص بخاری میگوید در آن ساعت کہ
 سر مبارک حسینؑ را پیش یزید آورند یزید شاد و خمر خورد از سر
 مبارک انواع امانت میکرد چوں خبر بہ بعضی صحابہ رسول خدا رسید
 گریاں بیامدند و گفتند کہ اے ملعون چہ می کنی ایشان را گردن بزد
 پس بعضی گویند ہفت تن از صحابہ بودند از امام شافعی روایت است
 کہ بعد قتل حسینؑ فرزندان و منکوحہ و سے را یزید لعین در دمشق بگردانید
 یزید لعین سر مبارک حسینؑ را انواع امانت کرد
 پھر لکھتے ہیں کہ :-

"حاصل آنکہ چوں یزید قتل حسین و تخریب مدینہ منورہ و امانت
 اہلبیت و حرم رسول خدا و گستاخی از کعبۃ اللہ و شہادت صحابہ سیدان پیار
 نمود زنا و لواطت و شرب خمر و دیگر معاصی مباح گردانید بالقطع
 سے کافر باشد پس لعن بروئے جائز است ہذا مذہب اہلسنت"
 ص ۹۷ و ص ۹۸ -

یزید کے سیاہ چہرہ پر توبہ و استغفار کا غارہ لگانے کی بھی ابن تیمیہ نے بہت
 کوشش فرمائی ہے لکھتے ہیں کہ کن شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ "یزید اور اس جیسے

بادشاہوں نے تو یہ نہیں کی یا سنیات کو دور کرنے والے حسنات انجام نہیں دیے
یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا، مگر شک و شبہ کی کھائیاں اور بنی امیہ کی محبت و
حمیت کے ہاتھوں سے کھو دی ہوئی احتمالی خندقیں روایت و درایت کے
زبردست لشکروں اور یقین کے پُر زور حملوں کو نہیں روک سکتیں۔

یزید کے بے وجود تو بہ واستغفار اور ندامت و رجوع کرنے کی یہ تھوٹی
ٹٹیاں بھی جو ابن تیمیہ نے احتمالی گمراہی لگا کر شبہ و شک کی رستیاں باندھ
کر تیار کی ہیں ان کو بھی علمائے جلیل القدر علامہ محمد جان بدخشی، مولانا عبدالحی فرنگی
محلّی اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھوپالی کی ان سچی آتش فشانیوں نے جلا کر
خاک سیاہ کر دی ہیں۔ غالباً ابن تیمیہ قبل امام حسینؑ اہل دریتہ آل رسولؐ کی
اہانت کے سنگین جرائم نیز زناکاری و شراب خواری وغیرہ محارم شرعیہ کے حلال
کرنے کے گناہان مولفہ کا کفارہ مدینہ و مکہ کے قتل و غارت کو قرار دیتے ہیں
۲۲ علامہ جریر طبری نے اپنی مشہور و مستند اور مسلمہ تاریخ کبیر میں جو

تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے اس کی گیارہویں جلد میں اسی شاہی فرمان
اور کتاب کو نقل کیا ہے جو معتصد باللہ عباسی خلیفہ کے زمانہ میں دربار خلافت
کے حکم سے لکھی گئی اور شائع کی گئی تھی اس میں بنی امیہ ابو سفیان اور امیر معاویہ کے
معاوب و مطالب اور بالخصوص ان کے اسی فرزند ارجمند ابن تیمیہ کے خلیفہ و امیر
یزید ابن معاویہ کے فسق و فجور کو ظاہر کیا۔ نیز یزید کے کفر و زندقہ دشمن اسلام
مخالفت رسولؐ، بے دین، بے ایمان ہونے پر بخوبی سچی روشنی ڈالی گئی ہے اس
فرمان و کتاب کی پوری نقل تاریخ طبری میں موجود ہے۔ ہم نے اس کے کمل ترجمہ
کو ملاحظہ ناظرین کے لیے علیحدہ لکھ کر شامل رسالہ ہذا کر دیا ہے۔ یزید خبیث کے
وہ اشعار جن میں اس نے قیامت اور رسالت سے کھلم کھلا انکار کیا ہے اپنے

نجس و ناپاک کافر کشتگان بدر کا بدلہ ذریعہ رسول جو ان آل محمد سے لے لینے کا
فخریہ ذکر کیا ہے۔ تاریخ طبری میں اسی مقام پر موجود ہیں۔ لکھتے ہیں قتال مجاہد
لکفر و مظهر الشکر۔

لینت اشیاخی بیدر شہدو جزع الخرزرج من وقع الاسل
قد قتلنا القوم من ساداتکم وعدلنا میل بدر فاعتدل
فاهلوا واستهلوا فرحاً ثم قالوا یا یزید لا تشل
لست من خندف ان لم اقم من نبی احمد ما کان فعل
لعبت هاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل

هذا هو المروق من الدين وقول من لا يرجع الى الله ولا الى دينه
ولا الى كتابه ولا الى رسوله ولا يؤمن بالله ولا بما جاء من عند الله الخ ۳۵۸

یعنی یزید نے اپنے کفر و شرک کو ظاہر کرنے کے لیے یہ شعر پڑھے ہیں۔
"کاش میرے (یزید کے) بزرگ جو بدر میں مارے گئے آج
دیکھتے قبیلہ خزرج کے تیر کھا کر جزع جزع اور اضطراب کرنے کو بلا شک
یقیناً ہم نے تمھارے سرداروں کے بھی سردار کو قتل کر دیا ہے اور ہم نے
بدر کی کمی اور کمی کو نکال کر برابر ہو گئے اور بدلہ لے لیا پس وہ خوشی سے
چلاتے پکارتے اور کہتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ شل نہ ہو (شاہد
آفرین) بس میں (یزید) اولاد خندف سے نہ ہوں۔ اگر اولاد احمد
(نبی مرسلؐ) سے جو کچھ انھوں نے (ہمارے ساتھ سلوک کیا ہے)
اس کا بدلہ ان سے نہ لے لوں پس (معاذ اللہ) بنی ہاشم نے ملک گیری
کے لیے ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی وحی اتری نہ کوئی خبر آئی۔ یہ سب
دھکونٹا تھا (معاذ اللہ)

حضرت عبداللہ ابن عباس نے بھی اپنے اس خط میں جو یزید کو بعد شہادت حسینؑ اور واقعہ کربلا لکھا ہے اور جو تاریخ کامل اور سبط ابن جوزی میں درج ہے یزید کے انھیں اشعار کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تو نے حسینؑ اور آل رسولؐ کو قتل کر کے اپنے خیال و گمان میں اپنے مشرک و کافر نجس و ناپاک بزرگوں مقتولین بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ یزید کے یہ اشعار مستند اور معتبر مورخین اور متعدد علمائے اسلام نے اپنی کتابوں میں درج فرمائے ہیں، تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۲۸ صواعق محرقة ینایع المودة ص ۳۲۵ نزول الایار - علامہ بدخشی ص ۹۷ اتحاف لحدب الاشراف ص ۱۸ وسیلہ النجات ص ۲۹۹ سعادت الکونین ص ۶۳ وغیرہ میں یزید کے بیان کیے ہوئے یہ شعر موجود ہیں۔

ص ۲۳ علامہ سید الوسی نے تفسیر روح المعانی جلد ۸ ص ۱۲۶ اور تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۱۲۸ میں یزید کے دو شعر اور بھی اسی مضمون کے ہیں کہ حسینؑ کو قتل کر کے میں نے اپنا قرصہ رسول اللہؐ سے چکا لیا ہے۔ علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ قال مجاہد وقال الزہری لما جاءت الروم کان یزید فی منظرہ علی جیرون فانشد لنفسه لما راعت تلك الحمول واشترقت تلك الشمس علی رہا جیرون، لغب الغراب فقلت صم اولا تصم فلقنت قفیت من الرسول الغریم دیونی قال مجاہد فواللہ لم یبق فی الناس احد الا من سبہ وعابہ وشرکہ - تذکرہ ابن جوزی ص ۱۲۹

مجاہد اور امام زہری بیان کرتے ہیں جب شہیدوں کے سر شام کو آتے ہوئے جیرون کے ٹیلے سے بلند نظر آئے تو یزید نے یہ شعر پڑھے۔
ترجمہ: بچوں نے چلانا اور توجہ کرنا شروع کیا میں نے کہا کہ نوحہ کرو

یا نہ کرو میں نے تو رسول اللہ سے اپنا قرضہ چکا لیا یعنی بدلہ لے لیا۔

مجاہد کہتے ہیں قسم خدا کی عام لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس نے یزید کو بُرا بھلا نہ کہا ہو اور اس کو چھوڑ نہ دیا ہو۔

۲۴ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کی بھی دیکھ لی مجاہد سے کہ وہ یزید کے متعلق کیا تحریر فرماتے ہیں اور یزید کے انھیں اشعار کی طرف ان کا بھی اشارہ ہے۔

شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۸۰۔ اختلاف فی اکفار یزید قیل لعنہ یغیہا روی عنہ ما یدل علی کفرہ من تحلیل الخمر ومن تفوہہ بعد قتل الحسین واصحابہ الی جازتیہم بہا فعلوا باشیاء قریش وصنادیدیہم فی بدیر وامثال ذالک و لعنہ وجہ ما قال الامام احمد بتکفیرک لما ثبت عندہ یعنی یزید کو کافر بتانے میں اختلاف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ کافر تھا کیونکہ اس کے ایسے اقوال و افعال بیان کیے گئے ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا شراب کو حلال جانتا اور اصحاب حسین و امام حسین کے قتل کے بعد اس کا یہ بکواس بکنا کہ حسین کے ساتھ میں نے اس سلوک سے ان کے فعل کا جو انھوں نے سرداران و شیوخ قریش سے بدلہ میں کیا تھا بدلہ لیا ہے اور اسی قسم کی بکواس اور غالباً یہی اسباب ہیں اور یہی باتیں ہیں کہ امام احمد حنبل نے یزید کے کفر کا فتویٰ دیا جبکہ یزید کے یہ افعال (قبیح) ان پر ثابت ہو گئے۔

۲۵ وسیلۃ النجاة مولانا محمد متین حنفی فرنگی محلی ص ۲۹ فرج یزید کی شقاوت کو بیان کرتے ہوئے شہادت امام حسین کا واقعہ تحریر فرما کر لکھتے ہیں:-

” رئیس این مفسداں و سرداران بد بختاں یزید لعین بود بدین

سر مبارک آں سرور دین شاد و شادماں گردید و استحقاق و استحقار

اہل بیت، تہوت بکلی کرد۔

پھر لکھتے ہیں : یزید و بنو الحکم فہم ملعونون علی لسان السنی یزید اور
حکم کی اولاد مردان وغیرہ پر رسول کریم نے لعن فرمائی ہے پھر لکھتے ہیں کہ :-

« ابو ہریرہ ہمیشہ استعاذہ از امارت شصت سال می نمود اللہم انی

اعوذ بک من راس المستعین و امارۃ الصبیان و ان امارت یزید

بد بخت بود کہ رسول خدا قتلہ و فساد با ابی ہریرہ بیان فرمود و از نام

آں بد بخت ہم بہ ابی ہریرہ خبر داده بود و ابو ہریرہ می گفت کہ اگر خواہم

نام او بر زبان بیارم لیکن مرا زندہ نخواہد گذاشت و عن ابی ہریرہ سمعت

رسول اللہ یقول ادل من عدل منی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید

چنانچہ یزید پلید بد بخت ستون دین و بنیاد خانہ حضرت سید المرسلین

را بر انداخت و عمارت ایمان و قصر امن و امان را منہدم ساخت زندگے

نوشته کہ کاریکہ یزید کرد کہے کافر فرنگ ہم نہ کردہ باشد بعد شہادت

آنحضرت خانہ کعبہ را نیز خراب کرد و در آنجا بدعتہا پدید آورد و مدینہ منورہ

را حکم دار الحرب داد و در مسجد نبوی اسپہا بستہ و صحابہ سید المرسلین کہ آنجا

بودند ہمہ ربے عزت و بے حرمت کرد و زناں آنجا را مباح گردانید

امر بہ زنا کرد و خود بہ شراب مخمور و مست میماند۔

پھر یزید کی موت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

« روزے لبشر ب شراب اقدام نمود در وقتیکہ مست و بے شعور

بود بر خاست و آغاز رقص کرد و در آں اثنا ب عذاب عاجل و آہل گرفتار

گشتہ بیفتاد و فرق سرش بر زمین خوردہ شد تا درک اسفل در پیچ محل

قرار گرفت ص ۲۹۲ و ص ۲۹۳۔

۲۶ سعادت الکونین فی فضائل الحنین مفتی محمد اکرام الدین نمبرہ شاہ عبدالحق

دہلوی ص ۳ پر جناب سرور عالم کی ان احادیث شریف کو نقل فرما کر جو شہادتِ امام حسینؑ کے متعلق ہیں تحریر کرتے ہیں :-

”طبرانی از معاویہ آورد کہ آنحضرتؐ فرمود خدا برکت ندہد بہ یزید خبر دادہ شد بقتل حسینؑ و آوردہ شد بمن خاک مقتل آل و آگاہی دادند بقتل آل و ابن عساکر نیز حدیثی آوردہ کہ در آل نام یزید است و در و طعن و لعن صریحاً آمدہ و لفظ یزید در حدیث دیگر نیز آمدہ است کہ آنرا ابوعلی و حافظ ابو عبد اللہ نعیم بہمان الفاظ و ابن عقبہ و ابوعلی و ابو یانی و حافظ ابو بکر محمد بن اسحق خزیمہ السلی نیشاپوری و بیہقی و ابن عساکر و ضیاء و ابوذر آوردہ کہ آنحضرتؐ فرمود اول کسیکہ طریقہ مرا تغیر خواہد داد شخصے خواہد شد از بنی امیہ کہ او را یزید گویند۔“

بعد ازاں خاتمہ ص ۹۷ ۹۸ میں لکھتے ہیں کہ :-

”یزید کافر باشد و لعنت بر و درست است زیرا کہ وے امام حسینؑ را قتل کردہ و من قتل مومنأ متعمداً فجزاہ جہنم الخ پس وے قتل وے کردہ بہ تحقیق کافر و دوزخی باشد۔“

یزید کے متعلق سراقبال کی رائے اس صدی کے نامور محقق
فرخزاد قوم علامہ سراقبال بھی
یزید شقی کو علامہ مسعودی کی طرح فرعون سیرت کافر بتاتے ہیں اور اس کے مقابل حسینؑ کو مثیل موسیٰؑ جہستے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے شعر دیکھو :-

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ایں دو قوت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوت شبیری است باطل آخر داغ حسرت مینری است

بلا شک اگر یزید بے دین کے کفر و زندہ اور فسق و فجور کے حالات اور اس کے

متعلق حضرات علمائے عالی قدر بزرگان اسلام کے بیانات و ارشادات کو جمع کیا جائے تو یقیناً ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں ہم نے جس قدر بیان کیا ہے۔ یہ بھی ایک صاحب بصیرت کے لیے بہت کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہے۔

براہو! ان بنی امتیہ اور امت یزیدی کے ارکان ان حضرات علمائے عظام اور مورخین اسلام بزرگان دین اہلسنت والجماعت کے سچے ارشادات اور صحیح اقوال کو ابن تیمیہ کے اتفاق اجماع سے قائم کیے ہوئے امام و خلیفہ یزید ابن معاویہ کے متعلق غور سے پڑھیں اور خود انصاف سے فیصلہ کریں کہ ہمارے محترم برادران اہلسنت والجماعت مسلمان حضرات پیروان رسول کریم کا یزید کے بارے میں کیا مذہب و عقیدہ ہے وہ یزید کو مسلمانوں کا امیر و امام اور اسلامی خلیفہ سمجھتے ہیں یا فاسق و فاجر کافر بے دین دشمن رسول و اسلام سمجھتے ہیں اور کیا حضرات اہلسنت والجماعت کا یزید کے متعلق یہی مذہب و عقیدہ ہے جو ان علمائے اسلام بزرگان دین نے فرمایا ہے یا وہ جو ابن تیمیہ کا مذہب و عقیدہ ہے۔

بس اب ابن تیمیہ ان علمائے عالی قدر اور فضلاء اسلام کی عدالت میں قسطنطنیہ دلی حدیث یاد دلائیں۔ اتفاق و اجماع کی حدیثیں پڑھ کر سنائیں یزید کی چھوٹی توبہ و استغفار اور تدامت و رجوع کے ثبوت پیش کریں اور اپنے یزید کو فسق و فجور کفر و زندقہ اور بے دینی کی فرد جرم سے بچائیں۔

گلیم کفر کیسے راکھ بافتند سیاہ برآب چشمہ حیواں سفید تنوال کرد
جمہور علمائے اسلام حضرات برادران ملت اہلسنت والجماعت کا عموماً یہی مذہب و عقیدہ ہے یزید کو فاسق و فاجر ملعون بے دین دشمنی قاتل امام حسینؑ دشمن خدا و رسول جانتے ہیں۔

بلاشک شریعت محمدیؐ نے رسول الہیؐ نے کبھی الحاد و کفر اور فسق و فجور کے

اتفاق اور ظلم کے اجماع کو قابلِ صحت اجماع اور لائق اطاعت اتفاق نہیں فرمایا نہ اس حدیث کا یہ مطلب اور نہ معنی جو ابن تیمیہ صاحب نے امام یزید کی خلافت و امامت و بیعت و اطاعت کے جواز کے لیے یہاں چسپاں فرمائے اور حاشا و کلام حسینؑ فرزند رسول جگر گوشہ نبیؐ نے اپنے نانا کے حکم کے مطابق نہ اس یزیدی اجماع کو اور نہ اس ظالمانہ جابرانہ اتفاق کو کفر و الحاد کے غلبہ کو صحت اسلامی خیال کیا اور نہ کبھی یزید کو خلیفہ و امیر تسلیم فرمایا اور نہ کبھی اس کی بیعت و اطاعت کا اقرار کیا۔ یہ سراسر ابن تیمیہ کی حسینؑ کے دوستوں نبیؐ کے کلمہ گو یوں غریب مسلمانوں کو دھوکا دہی کی چالیں ہیں۔ واللہ ہذا بہتان عظیم۔ حسینؑ امیر معاویہ یزید صاحب کے باپ کے لالچوں اور قتل کی دھمکیوں کو کبھی بھی دھیان میں نہ لائے۔ اور علی الاعلان یزید کے فسق و فجور پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کو خلافت و امارت اسلامی کے ناقابل و نااہل ثابت فرماتے رہے۔ ہر ایک موقع پر اور ہر ایک گفتگو میں امیر معاویہ کے نرم و گرم مکالموں میں کبھی اظہارِ حق سے خاموش نہیں رہے۔ حسینؑ اور معاویہ کے یہ مکالمے تمام تاریخ کی کتابوں طبری و کامل وغیرہ میں موجود ہیں۔ ابن قتیبہ دینوری نے امانت و سیاست ص ۲۹۳ اور ندرج کافیہ میں جو تقریر حسینؑ کی ایک موقع پر جبکہ معاویہ یزید کی بیعت کے لیے آکر عبداللہ ابن عباس اور امام حسین علیہ السلام کو بلا کر ان سے درخواست قبولیت بیعت کرتا ہے درج کی ہے۔

یزید کی ولی عہدی اور بیعت خلافت کیلئے کیا کیا تدبیریں کی گئیں

اس جابرانہ اجماع اور ظالمانہ اتفاق کی حقیقت کو بھی اگر حضرات علمائے دین محقق مورخین اسلام کی سیر و تاریخ کی کتابوں سے تلاش کیا جاوے اور بنی امیہ کے طرفدار اصحاب کی تقریروں کو بزرگانِ قریش کے مکالموں کو پڑھا جائے تو صاف نظر

آجائے گا کہ یزید کی دلی عہدی اور بیعت خلافت کے لیے کیا کیا حال پھیلانے لگے
تھے کیسی کیسی سازشیں اور چال بازیوں کی گئیں کس کس کو زہر پلائے گئے۔ امام حسنؑ کے
واقعات شہادت پر نظر ڈالو۔ عبدالرحمان ابن خالدؑ کے انجام کو دیکھو، ردیہ پیہ
کے لالچ علیحدہ دیے گئے۔ قتل و غارت کی دھمکیاں سنائی گئیں۔ حضرت عبدالرحمان
ابن حضرت ابوبکرؓ سے معاویہ کے مکالموں کو پڑھو۔ عبداللہ ابن عمرؓ کے جوابوں کو
ملاحظہ فرماؤ۔ عبداللہ ابن زبیرؓ عبداللہ ابن عباسؓ اور دیگر اصحاب و مقدس شرفاء
مکہ و مدینہ کی گفتگوؤں کو دیکھو خود یزید کے چچا جان زیاد ابن ابیہ حضرت امیر معاویہ
کے الحاقی قوت بازو یزید کو ناقابل و نااہل جانتے ہیں لکھتے ہیں کہ یزید صاحب
رسلہ و تہادین مع ما قد اطلع بہ من الفیدہ۔ اور امیر معاویہ کو یزید کے دلی عہد
بنانے سے روکتے ہیں۔ معاویہ جب یزید کی دلی عہدی اور بیعت کے لیے مشورہ
کرتے ہیں تو زیاد کہتا ہے کہ علاقہ امرا الاسلام و عثمانہ عظیم و یزید صاحب الخ
یعنی اسلام کی حکومت کا تعلق اور اس کی ضمانت ایک عظیم کام ہے اور یزید کاہل
سست شکار کا دلدادہ کھلنڈا ہے چنانچہ زیاد کے مرنے کے بعد امیر معاویہ
نے یزید کی دلی عہدی کا سلسلہ چھیڑا تھا۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۶۹ تاریخ کامل
جلد ۳ میں تفصیل یہ حالات درج ہیں۔

حضرت ابوبکر خلیفہ اول کے فرزند اول حضرت عبدالرحمنؓ کی گفتگو کو امیر معاویہ
کے ساتھ ملاحظہ کرو۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۶۹ امیر معاویہ یزید کی بیعت و بیعتی
خلافت کے لیے مکہ و مدینہ تشریف لائے ہیں اور حضرت عبدالرحمنؓ ابن حضرت
ابی بکرؓ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ یزید کی بیعت کے لیے مجبور کرتے ہیں اور فرماتے ہیں
امیر معاویہ: اے عبدالرحمنؓ کیسے ہاتھ پاؤں کے ساتھ تم میری نافرمانی اور حکم نہ
ماننے کی جرأت کرتے ہو؟

اے خالد ابن ولیدؓ کا بیٹا۔

عبدالرحمن۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں میں اپنے لیے خیر و بہتری سمجھتا ہوں۔
امیر معاویہ۔ میں تم کو قتل کر دینے کا قصد کرتا ہوں۔
عبدالرحمن۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تم پر دنیا میں لعنت فرمائے گا اور آخرت
میں جہنم میں ڈالے گا۔

پھر ماحنفہ ہوتا تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵۳ امیر معاویہ جب شام و کوفہ میں یزید
کے لیے بیعت ساز شمول اور چالبازوں سے روپیہ پیسہ کے لالچ دیکر اور ڈرا دھمکا
کر لے چکے ہیں تو اپنے عامل مدینہ مروان کو لکھتے ہیں کہ ان بزرگان مدینہ سے
بیعت لو۔ مروان مجمع عام میں امیر معاویہ کا حکم سناتا ہے اور یزید کے لیے بیعت
طلب کرتا ہے۔ حضرت عبدالرحمان ابن حضرت ابی بکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے
ہیں کہ اسے مروان قسم ہے خدا کی تو بھی جھوٹا اور تیرا امیر معاویہ بھی جھوٹا۔ امت محمدی
کے لیے تم نے ہرگز نیکی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اسلامی حکومت اور حکومت محمدی کو ہر قتل
کی سی سلطنت بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہر قتل کے بعد دوسرا ہر قتل بادشاہ ہو اس پر
مروان نے حضرت عبدالرحمن سے سخت کلامی کی۔ حضرت عائشہ ام المومنینؓ نے
مروان کو برا بھلا کہہ کر فرمایا کہ تو وہی ہے کہ رسول خدا نے تجھ پر لعنت فرمائی ہے
اس کے بعد اسی طرح حسینؑ ابن عمر اور ابن زبیر نے یکے بعد دیگرے کھڑے ہو
کر مروان کے جواب میں انکار فرمایا۔

حضرت عثمان کے بیٹے سعید ابن عثمان بھی امیر معاویہ پر یزید کی خلافت دینی عہدی
کا اعتراض کرتے ہیں اور اپنے حقوق جتاتے اور یزید کو نااہل و ناقابل بتاتے ہیں مگر پھر
خراسان کی سپہ سالاری کا عہدہ اور خلعت لیکر رضامند ہو جاتے ہیں۔ تاریخ طبری
جلد ۶ ص ۱۱۱ سیاست والا امامہ ابن قتیبہ دینوری ص ۳۰

ابن قتیبہ دینوری کی کتاب الامتہ والسیاستہ ص ۲۶۳ میں امیر معاویہ نے جو جیلے

اور ترکیبیں بیعت کے لیے فرمائی ہیں ملاحظہ ہوں۔ دمشق میں اسلامی شہروں سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ یزید کی بیعت و موافقت کے لیے ایسی تقریریں کرو۔ تمام تقریریں ان کو سنا کر پڑھا دی جاتی ہے۔ ضحاک بن قیس کو سکھایا جاتا ہے کہ جب ہم منبر پر بیٹھ کر وعظ کریں خطبہ پڑھیں تو تم اجازت سے کر یزید کی تعریف اور خوبیاں بیان کرو اس کو خلیفہ بنانے کی تحریک پیش کرو اور پھر عبدالرحمن بن عثمان ثقفی اور عبداللہ فرازی اور ثور بن معن سلمیٰ اور عبداللہ بن عصام اشعری کو بلا کر حکم دیا جاتا ہے کہ ضحاک کے بعد تم اس کی تصدیق کرنا اور یزید کی خلافت کے لیے درخواست کرنا۔ چنانچہ ان لوگوں نے جیسا کہ سکھایا پڑھایا تھا اپنے ایکٹ کو خوب پورا کیا۔ یزید کی تعریف کے خوب گیت گائے اس کے بعد امیر معاویہ نے فرمایا کہ احنف بن قیس کہاں ہیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا ان سے درخواست کی گئی کہ تم بھی کچھ بولو۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اس کی تائید نہیں کی اور مخالفت کی بلکہ فرمایا کہ اہل عراق و اہل حجاز کبھی اس امر پر رضامند نہ ہوں گے اور جب تک حسین علیہ السلام حیات میں یزید کی بیعت پر رضامند نہ ہوں گے اور قیس کے بیٹے احنف نے اپنی تقریر میں معاویہ سے یہ بھی کہا کہ تم نے حسین بن علی سے عہد کیا ہے کہ یہ امر تمہارے بعد حسین کی طرف لوٹ جائے گا اگر تم اس امر کو پورا کرو تو تم اہل و فاء ہو گے۔ (ورنہ عود شکن)

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ضحاک کو کوفہ کی حکومت دی گئی اور عبدالرحمن کو بخیرہ کا گورنر بنایا گیا۔ پھر لکھتے ہیں کہ شہم قام احنف بن قیس فقال یا امیر المؤمنین انت اعلمنا بلیل۔ دنہارۃ ولبیرۃ وعلانیۃ فان کنت تعلم انہ خیر لک قولہ واستخفله وان کنت تعلم احد شرک فلا تزودہ الدنیا وانت صائر الی الآخرة فانہ لیس لک من الآخر الا ما طاب واعلم انہ لا یجتنہ لک عند اللہ ان قدمت یزید علی الحسن والحسین

وانت تعلم من هما والی ماہما وانما علینا ان نقول بمعنا
 واعفنا غفر انک مریتنا والیک المصیر ویروون ان
 معاویہ قال الاحنف ما تقول یا ابا الحسن فقال نخافکم ان صدقنا
 ونخاف اللہ ان کذبنا وانت یا امیر المومنین اعلمنا یلیلہ ونہارہ - انہ
 مروان بن الحکم بھی یزید کی ولی عہدی پر غضب ناک ہوتے ہیں دیکھو مروج الذهب
 ابن مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ کتب معاویہ الی مروان بن الحکم وکان علی
 المدینہ لعلہ باختیارہ یزید ومبا یعتہ ایاہ بولایتہ العہد و
 یامرہ بمبا یعتہ وانخذ البلیعہ لہ علی من قبلہ فلما قراء مروان ذالک
 خرج مغضباً فی اہل بیتہ واخلوا من بنی کنانہ حتی اتی دمشق فذلہا
 ودخل علی معاویہ ہمیشی بین السماطین حتی اذا کان منہ لیلہ
 ما یسمعه صوتہ سلم وتکلم بکلام کثیر لیرثج بہ معاویہ منہ اقم
 الامور یا ابن ابی سفیان واعدل عن تامیرک الصبیان واعلم ان
 لک من قومک نظراء وان لک علی مناد اتھم وزراع فقال لہ
 معاویہ انت نظیر امیر المومنین وعدک فی کلمہ شدیدۃ مفسدہ
 والثانی ولی عہد بعدک وجعلہ ولی عہد یزید وردہ الی المدینہ ثم اذہ عنہ
 منها وولاہا الولید بن عقبہ ابن ابی سفیان ولہم لیلہ مروان بها جعل لہ من ولایتہ عہد
 یزید بن معاویہ یعنی مروان بن الحکم جو مدینہ کا حاکم اور والی تھا معاویہ نے اس کو لکھا کہ ہم نے یزید کو
 اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کی ولی عہدی کے لیے بیعت لی گئی ہے پس تم بھی اس کی
 بیعت کرو اور ہماری طرف سے اس کی بیعت لوگوں سے لو - مروان نے جب یہ حکم پڑھا تو
 بہت برا فردختہ ہو کر گھر میں گئے اور اپنے رنج و غضب کا اظہار گھر والوں اور اپنے ناموں زاد
 قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں پر کیا یہاں تک کہ خود دمشق پہنچے اور معاویہ سے ہا کر ملے اور اس

انداز سے چلتا تھا کہ جیسے دو برابر کے ہم پلہ عزیز ہوں جب اس کے پاس پہنچے سلام کے بعد معاویہ سے غصہ سے بھری ہوئی طرانی تقریریں کیں۔ معاویہ کو زبرد تو بیخ کی ادہ کہا کہ اے ابوسفیان کے بیٹے اقم الامور۔ معاملات کو درست کر، یہ کیا کرتا ہے چھو کروں کو امیر اور سردار بناتا ہے۔ اس سے باز آ، یاد رکھ تیری قوم میں تجھ جیسے موجود ہیں اور تیرے مشوروں میں تیرے وزیر ہیں اور ان لک علی متاد اتم وزراء، امیر معاویہ مروان کو ٹھنڈا ہونے کا ڈونڈ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خفانہ ہو تم امیر المؤمنین کے نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کے پشت پناہ اور مددگار ہو پس یزید کے بعد تم ہی دلی عہد ہو پس اس طرح مروان کو ٹھنڈا کر کے یزید کی دلی عہدی کا زبانی وعدہ دے کر مروان کو مدینہ لوٹا دیا کہ یزید کے بعد تم دلی عہد ہو گے۔ وزیر سے چنیں شہریار سے چناں۔ پس مروان کی ناراضی یزید سے معلوم ہو جانے پر اس کا قائم رکھنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے اس کے مدینہ پہنچتے ہی اس کی معزونی کا حکم بھیج دیا گیا۔ مدینہ کی حکومت سے موقوف کر دیا گیا اور اس کی جگہ اپنے حقیقی بھتیجے ولید ابوسفیان کے پوتے کو حاکم مدینہ بنا دیا گیا اور مروان کے ساتھ جو وعدہ یزید کے بعد ولیعہد خلافت کا کیا گیا تھا وہ بھی پورا نہ کیا۔ ایفائے عہد نہ کرنے کے لیے تو یہ پیدا ہی ہوئے تھے۔ کلام مجید میں خدائے جلیل کے احکام ایفائے عہد کے لیے عام مسلمانوں کے لیے ہیں ان کے لیے نہیں۔ ضرورت پورا کرنے وقت کوٹانے کے لیے ایسے وعدے کر لینے سیاسی پالیسیوں میں داخل ہیں۔ امیر معاویہ کے لیے عہد شکنی ثواب ہے کوئی عیب و گناہ نہیں۔ امام حسن سے بھی اسی طرح عہد شکنی کی گئی اور پھر امام حسن کو زہر سے شہید کرنے کے بعد وعدہ سے بھی وفائے عہد نہ کیا گیا۔

بس یہ ہے اتفاق و اجماع کی حقیقت جس کو ابن تیمیہ یزید کی خلافت اور بیعت کے لیے دلیل شرعی اور حجت اسلامی قرار دیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر شرعاً یزید کی بیعت و اطاعت کو واجب بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یزید صاحب سلطنت خود مختار فرما تو اور

اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ دیتا لیتا تھا عزل و نصب کرتا تھا اپنے احکام کے
اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا۔ کفار پر جہاد کرتا تھا۔ سبحان اللہ خلافت
الہیہ اور امیر المومنین مسلمانوں کے لیڈر اور امام کے لیے انہیں اوصاف کا ہونا ضروری ہے
بس جس میں یہ اوصاف ہوں وہ ہی خلیفہ رسول اور امیر المومنین ہو سکتا ہے۔ دیتا لیتا ہو
خواہ خلافت شرع محمدی اور مخالفت حکیم رسول ہی کیوں نہ ہو۔ عزل و نصب کرتا ہو خواہ قانون
الہی اور احکام محمدی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے شرابی کبابی یاروں کو ظلم و جور اور مخلوق
الہی پر تشدد اور قتل و غارت کرنے کے لیے ہی ہو اپنی ظالمانہ اور مجاہرانہ شہوت پرستی اور
فسق و فجور کے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا ہو۔ حدود شرعی کا قائم کرنا اور کفار پر جہاد کرنا
بس اس کا ثبوت تو غالباً یہی ہو گا کہ جو سعودی نے تحریر فرمایا ہے کہ مکہ مدینہ تک میں
علی الاعلان شراب پینے اور گانے کا رواج ہو گیا تھا۔ یزید کے افسر اور عمال حکام سب علی الاعلان
شراب پیتے تھے۔ فسق و فجور کرتے تھے۔ خود یزید صاحب خلیفہ اسام نام حدود شرعی کے
قائم کرنے والے کیا کچھ نہ کرتے تھے۔ حدود شرعیہ کو توڑتے تھے یا قائم کرتے تھے اگر اسی
کا نام حدود شرعی کا قائم کرنا ہے تو سبحان اللہ۔ مسلمان درگزر مسلمان در کتاب۔ ایسا ہی جہاد
علی الکفار کا دعویٰ بھی یزید کے متعلق خوب ثابت ہوتا ہے۔ کیا ثوب صاحب سیف تھے
اور کیا خوب مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ شہزادگی اور ولعزیزی کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر ضرور
چڑھائی ہوئی باپ کی طرف سے سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے مگر کہیں تلوار پھلتے مورچہ بندی
کرتے کسی پہلوان کے مقابلہ میں نکلتے کسی کافر کا سر کاٹتے نظر نہیں آتے۔ البتہ ہمارے
رسول کے بڑے اور مقدس صحابی ابوالیوب انصاری کی قبر مبارک پر گھوٹے دوڑاتے ضرور
دکھائی دیتے ہیں تین ساڑھے تین برس باپ کے جانشین ہرگز تخت پر بیٹھے تو خوب
دینا محمدی میں پھول لگائے پہلے سال فرزند رسول بانی اسلام کے جگر گوشہ حسین مظلوم کا
سر کاٹا۔ تو نہالان بارغ رسالت خون میں ڈوبے سر قلم ہوئے نیزوں پر چڑھے۔ بنت

رسول کا گھر لٹا خیمے تاراج ہوئے۔ ذریعہ رسول اسیر ہوئی۔ دوسرے سال مدینہ رسول پر چڑھائی کی گئی۔ مدینہ تاخت و تاراج ہوا۔ اصحاب رسول ذبح ہوئے۔ مخلوق الہی قتل ہوئی۔ عورتوں کی پردہ دری کی گئی۔ دنیا کے محل قرار پائے۔ روضہ رسول میں گھوڑے بندھے میر رسول پر کتوں نے پیشاب کیے۔ یزید کے لیے بیعت غلامی لی گئی۔ اس کے بعد تیسرا سال آیا۔ کعبہ کو ڈھایا۔ منجنيق برساتے اور کعبہ کے پر سے جلائے۔ بس یہ کارنامے دکھلا کر مالک کے پاس پہنچ گئے۔ تاریخیں شاہد ہیں۔ منہ رخ گواہ ہیں۔ کیا یہی جہاد علی الکفار ہے؟ اور کیا یہی اسلامی حکومت اور سلطنت محمدی ہے؟ اور اسی کے لیے یزید کی بیعت و اطاعت واجب ہے؟

گر ہمیں مکتب دہیں ملے کارِ بچوں تمام خواہش

لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ان کارناموں کو حدود شرعی قائم کرتا اور جہاد علی الکفار بتانا ابن تیمیہ صاحب کا ہی کام ہے چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ چہ ولا اور است دزدے کہ بکھت چراغ دارد۔

ابن تیمیہ عشق یزید کے متوالے جوش محبت میں اس قدر بہکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق جیسے اولی العزم صاحب شوکت و عظمت خلفاء اسلام کو بھی یزید کے ساتھ قیصر و کسریٰ جیسے حکمران بتاتے ہیں۔ سبحان اللہ کجا حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی اسلامی حکومت اور کہاں قیصر و کسریٰ کی خلافت اسلام حکمرانی ابن تیمیہ نے یہ خوب مشابہت قائم کی ہے۔ ان حضرت عمر نے البتہ امیر معاویہ کو کسریٰ کا مشابہ ضرور فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر کے بیٹے حضرت عبدالرحمن نے امیر معاویہ اور یزید کو ہرقل اور کسریٰ سے تشبیہ دی ہے جو واقعی سچی اور ٹھیک مشابہت ہے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۶ ص ۶ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵۳ اور سعادت الکونین ص ۳۶ وغیرہ) غالباً ابن تیمیہ نے حضرت عمر اور عبدالرحمن کے قول کا جواب دیا ہے۔

تختِ خلافت پر ناجائز قبضہ ■ باپ کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھنا
 ہی صاف ظاہر ہے کہ ظالمانہ و غاصبانہ

ہی تھا خود امیر معاویہ نے ہی کیسی رازداری سے مسندِ رسول اور تختِ خلافت پر بے
 اہل اور حقدارِ خلافت کو ہٹا کر پاؤں رکھے ہیں۔ علی کی صداقت اہلبیت اور حق کو جمہور
 اسلام تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ امام حسن بصری کے اس قول کو پڑھو جو لکھا جا چکا ہے۔
 علماء کے ارشادات کو دیکھو، تاریخوں پر نظر ڈالو۔ حدیث و روایت کی کتابوں کو پڑھو
 صاف معلوم ہو جائے گا کہ کیونکر تختِ خلافت پر قبضہ کیا کیسی چالیں کھیلیں پیسہ
 پیسہ کے لالچ دینے گئے۔ ظلم و جور کی تلواریں چلائیں۔ حضرت عثمان کی خونریزی کے
 جال پھیلانے۔ مسلمانوں کے خون بہانے۔ اہل حق سے مقابلہ آرائیاں کیں۔ خلیفہ حق
 سے بغاوت کے جھنڈے گاڑے۔ اتفاق کو توڑا فساد کے دروازے کھولے فتنوں کے
 سیلاب بہائے بلا شک ان تمام فتنوں اور فسادوں کی بنیاد اور اسلام میں خونریزی
 کا سرچشمہ یہی آلِ سفیان ہیں جنہوں نے خلافتِ رسول پر غاصبانہ قبضہ کیا اور اصلی و
 حقیقی اسلام کو مٹایا انہیں کی بدولت اسلام کی سچی اور حقیقی خلافت کا بہ ظاہر خاتمہ ہوا
 سلطنتِ محمدی کے نورانی سمندروں میں فسق و فجور کے طوفان انہیں نے اٹھائے۔ فتنہ و فساد
 کی آندھیاں انہیں نے ہی چلائیں۔

فاضلِ محقق جناب مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب
 مولانا ابوالکلام آزاد کا قول: حریت و الاسلام میں ص ۶۹ پر تحریر فرماتے ہیں

خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ کا دورِ فتن و بدعات کا دورِ شروع ہوتا ہے۔ جنہوں
 نے نظامِ حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں اور اسلامِ محمدی کی نعمتِ عظمیٰ اور
 دینِ الہی کی رحمت و برکت کو کس نے فتنہ و فساد اور کفر و الحاد سے تبدیل کیا؟ یہ
 بنی امیہ آلِ سفیان ہی نہ تھے یا کوئی اور تھا حدیث و سیر کی کتابیں اسلام کی مستند و

معتبر تاریخیں واقعات زمانہ اور بنی امیہ کے حالات بتا رہے ہیں اور دکھا رہے ہیں۔
 بلا شک خدائے جلیل کے ارشاد الحمد للہ الی الذین یدخلوا نعمت اللہ
 کفر کے حقیقی اور سچے مصداق یہی لوگ بنی امیہ ہیں۔ اسلام کے اولوالعزم خلیفہ
 حضرت عمر ابن خطاب کے ارشاد حقیقت کو دیکھو۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی
 مشہور تفسیر درّ منثور پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم جلد ۸۴ بذیل تفسیر آیت مذکور نقل فرماتے
 ہیں کہ جناب خلافت اب حضرت عمر نے ارشاد کیا کہ جن لوگوں نے نعمت الہی کو کفر
 سے تبدیل کر دیا قریش کے فاجر دو قبیلے ہیں بنی مغیرہ اور بنی امیہ ہما الا فخران
 من قریش بنو المغیرۃ و بنو امیہ اما بنو المغیرۃ فلقیتہم یوم بدر
 و اما بنو امیہ فمتعوا لی حین۔ یعنی بنی مغیرہ تو جنگ بدر میں تمام ہو
 گئے مگر بنی امیہ ابھی باقی ہیں۔

بنی امیہ کے دور کا آغاز کیونکر ہوا اور حقیقی خلافت کیونکر ختم ہوئی

بنی امیہ کا یہ دور فتنہ و فساد آل سفیان کا یہ اسلام کش عہد کب سے اور کہاں
 سے اور کیونکر شروع ہوا اور رسول پاک پادشاہ دین و دنیا شہنشاہ اسلام تاجدار خلافت
 الہیہ کی نیابت عالیہ اور خلافت راشدہ بظاہر کس سچے خلیفہ حقیقی حقدار امامت و
 خلافت سچے ہادی و رہبر امام المسلمین امیر المؤمنین پر ختم ہوئی اور کیونکر ختم ہوئی۔
 حدیث و سیر کی کتابیں سنار ہی ہیں اسلام کی مستند تاریخیں بتا رہی ہیں کہ
 تاجدار اسلام حضور سرور عالم سرکار رسالتؐ نے جس طرح اپنے ارشاد و اقوال اور احادیث
 شریف میں بعد کے آنے والے پر فتنہ و فساد زمانوں کی خبر دی ہے اور دین محمدی اور
 سچی سلطنت اسلامی میں رخنہ ڈالنے والے گمراہ و منال دشمنان رسول آئمہ خرب دین
 فاسق و فاجر خلفاء کی اطاعت پر سخت تہدید و عید فرمائی ہے جیسا کہ ان احادیث

سے جو پیچھے بیان کی جا چکی ہیں ظاہر ہو رہا ہے پس اسی طرح اس پتے مادی و دہر امام خلق کا پتہ اور نشان بھی بتا دیا ہے۔

رسول کریمؐ نے سچے امام خلق کا پتا بتایا ہے: اطاعت میں ذرا جس کی پیروی و بھی شائبہ نقصان و گمراہی کا نہیں ہے اول تو وہ ہی مسلمہ اور متفق علیہ حدیث شریف ہے کہ جو حدیث ثقلین کے نام سے مشہور ہے جس کو ایک دفعہ نہیں متعدد بار ارشاد فرمایا ہے اور بہ کثرت مختلف اصحاب رسول نے متعدد راویوں نے بیان کیا ہے تمام علمائے عالی منزلت کی تفسیر و حدیث اور سیر کی کتابوں میں مندرج ہے۔ صحیح مسلم ۸۶-۸۷-۲۷۹ صحیح ترمذی ۲۲۰ ص ۲۱۹ مشکوٰۃ ص ۵۱۱ د ص ۵۶۰ صواعق خرقہ حجر کی ۱۱۳۶ ارعج المطالب ۲۳۵ تا ۲۴۱ ینابیع المودة علامہ قندوزی ص ۲ تا ۳۹ اسعاف الراغبین ص ۱۰۹ نزل الابرار علامہ بدخشی ص ۲۱۰۶ کنز العمال جلد ۳ ص ۶۱ بدایت السائل نواب صدیق خاں ص ۸ ملایج النبوة ص ۸ وسیلۃ النجاة لا محمد مبین ص ۱۰ ص ۱۰۲ سر العالمین امام غزالی ص ۶ خصائص نسائی ص ۴۴ شرف الموائد ص ۱ اتحاف ص ۶ احیاء المیت جلال الدین سیوطی بر حاشیہ اتحاف ص ۱۱ شفاء قاضی فیاض ص ۲۱۳ صغیر طبرانی ص ۳۷ د ص ۷۰ نسائی ص ۱۵ صحیح ترمذی ص ۲۱ حاکم جلد ۳ ص ۱۷۸ یہاں تک کہ ابن تیمیہ بھی اس حدیث کو صحیح تسلیم فرماتے ہیں رسول نے یہ ہی ارشاد فرمایا کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی و اہلبیتی میں اپنے بعد تمھارے بعد دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ قرآن شریف کتاب الہدیٰ اور دوسری میری عترت اہلبیت اطہار ہیں تا ان تمسکتم بہما لن یضلوا بعدی جب تک ان سے متمسک رہو گے ان کی ہدایت و پیروی سے چلو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں چیزیں یعنی قرآن شریف اور اہلبیت ایک دوسرے سے

علیحدہ نہ ہوں گے۔ قرآن اہلبیت محمدی کے ساتھ ہے اور اہلبیت محمد قرآن کے ساتھ
 ہیں یہاں تک کہ میرے پاس قیامت کے دن حوض کوثر پر پہنچ جاویں پھر فرمایا
 اذکرکم فی اہل بیتی اذکرکم فی اہلبیتی۔ میں تمہیں پھر اپنے اس اہلبیت کے
 بارے میں یاد دلاتا ہوں انہیں نہ بھولنا یاد رکھنا میرے حکم کی مخالفت نہ کرنا
 یہ حدیث اس اجماع اور تواتر کے ساتھ وارد ہے کہ اس کا انکار کسی طرح نہیں
 ہو سکتا۔ تقریباً ستر سے زیادہ طریق پر بالفاظ مختلف یہ حدیث شریف بیان کی
 گئی ہے مگر باحاصل تمام کا یہی ہے کہ بس رسول اللہ نے اپنے بعد مسلمانوں کو ہدایت
 پانے اور اطاعت و قربانوی اور پیروی کے لیے قرآن مجید اور اہلبیت اطہار محمدی
 علیہم السلام کا ہی دامن پکڑنے کی ہدایت فرمائی، بتا دیا اور دکھا دیا کہ دین و
 دنیا کا نفع خدا و رسول کی خوشی کے مطابق عمل سپہ اسلام محمدی کے لیے صراطِ مستقیم
 یہ ہی ہیں ورنہ نہ ہر طریق گمراہی۔

مولانا شاہ عبدالحق دہلوی مدارج النبوة میں ختم غدیر کا واقعہ لکھتے ہوئے
 تحریر فرماتے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا۔

”گویا مرا باں عالم خواندند و من اجماعت نمودم بدانید کہ من
 در میان شما دو امر عظیم میگزارم و یہ کہ از دیگرے بزرگتر است قرآن
 اہلبیت من بہ پیشند و احتیاط کنید کہ بعد از من یہ ایں دو امر چگونہ ہو
 خواہ کرد و نہایت حقوق آنها بچہ کنید است خواہید نمود و آن دو امر بعد از
 من از یکس دیگر ہرگز جدا نخواہد شد تا در لب حوض کوثر بہ من رسید
 آنکہ فرمود خدا مولاے من و من مولاے جمیع مومنانم بعد از آلِ سید
 علی گرفت و فرمود اللہم من كنت مولا فاعلی مولا خداوند اے کہ من
 مولا کے کریم اویم پس علی مولاے دوست۔ انکم و آل من و انا و عباد

من عاداه خداوند دوست دار کے را کہ دوست دارد علی را و دشمن
دار کے را کہ دشمن دارد علی را ۔ در روایتے ایں زیادہ آمدہ والنصر
من نصرہ واخذل من خذله یاسے وہ کے را کہ یاری دہد علی را فروگذار
و یاری مدہ کے را کہ فروگذار و یاری نہد علی را و دار الحق حیث
دار بگردان حق را با علی بہر سو کہ بگرد و آمدہ است کہ ملاقات کرد علی
را عمر بعد ازیں حکایات و گفت گو ازندہ باشش و شاد باش لے پسر ابی
طالب کہ صبح کردی و شام کردی و گشتی مولائے بر مومن مرد و زن ۔

بدانکہ ازیں غایت فضل و تکریم است مر علی مرتضیٰ را کرم اللہ
وجہہ و تحویص و ترغیب است مرمومناں را بہ محبت و مودت اود اجتناب
و احتراز از بغض و عداوت اود چنانکہ در حدیث دیگر آمدہ است کہ
دوست ندارد علی را مگر مومن و دشمن ندارد اود را مگر منافق فقط ضحاک

بلا شک امیر المومنین علی بن ابی طالب کی وہ بے مثال و بے نظیر بزرگیاں
اور شرف و فضیلتیں اس حدیث شریف میں بیان ہوئی ہیں کہ جو کسی دوسرے کے
یہ نہیں ہیں۔ علیؑ کی رفتار و گفتار علیؑ کے اقوال و افعال سب حق مرضی خدا اور
مرضی رسول کے مطابق ہیں علیؑ کا دوست رسول کا دوست اور خدا کا دوست
ہے اور علیؑ کا دشمن رسول کا دشمن اور خدا کا دشمن ہے۔ علیؑ کا یار و مددگار خدا کا
یار ہے اور رسول کا مددگار ہے علیؑ کی محبت اصل ایمان ہے اور علیؑ کی دشمنی کفر و
نفاق کی نشانی ہے۔

اسی حدیث ثعلیین اور حدیث غدیر خم کو مولانا محمد حسین قرنگی محلی نے بھی اسی طرح
بسط کے ساتھ بڑے بڑے مستند علمائے جلیل القدر امام احمد حنبل اور حاکم وغیرہ وغیرہ
کے اسناد سے اپنی کتاب وسیلۃ النجات میں نقل کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ۱۲۰ صحابہ

رسولؐ نے اس کو بطریق صحیح و حسن بیان کیا ہے۔ دربار رسالت کے ملک الشعراء
 حسان بن ثابت اسی موقعہ غدیر خم میں جب کہ علیؑ کو خلعتِ ولی عہدی سے
 سرفراز فرمایا جاتا ہے اور دستار شرف و فضیلت نفسِ رسولؐ کے میراقدس پر
 رکھی جاتی ہے تہنیت کا قصیدہ پیش کرتے ہیں اہل اپنے اشعار میں لفظ مولا کے
 معنی امام اور ہادی خلق مثل رسول الہی جانشین رسولؐ بیان کرتے ہیں۔ علامہ عبید
 ابن جوزی نے ان اشعار کو اپنے تذکرہ خواص الامہ ص ۱۱ میں درج کیا ہے۔
 تائید و توثیق کے لیے سرورِ عالم کی دوسری احادیث شریف اور ارشادات
 پاک بھی درج کیے جانے ضروری ہیں۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے ابن عباس بیان کرتے ہیں
 ان رسول اللہ نظر الی علی ابن ابی طالب وقال عدو لک عدوی وعدو
 اللہ وکیل لمن یغضب من بعدی ہذا حدیث صحیح ومعناہ
 صحیح بالاتفاق وسیلۃ النجاة ص ۵۔

”رسول اللہ علیؑ کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں تیرا دشمن
 میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے ویل اور برائی ہے
 اس شخص کے لیے جو میرے بعد تجھے ناراض اور غضب ناک کرے
 یہ حدیث ہے اور بلحاظ معنی بالاتفاق صحیح ہے۔“

یہاں لفظ مولیٰ کے معنوں میں حضرات علمائے
لفظ مولیٰ کی بحث کرام نے بہت کچھ جدوجہد اور قلم فرسائیاں
 فرمائی ہیں اور یضدورت مصلحتوں کی بنیاد پر مولیٰ کے معنی دوست اور یار قرار دینے
 کی کوششیں کی ہیں لیکن موقعہ کی صورت حال اور کیفیت واقعہ پر نظر ڈالنے سے
 اور سلطانِ دین پناہ حضور سرورِ عالم آنحضرتؐ کے کلام ہدایت نظام خطبہ رسالت
 حاضرین دربارِ مخاطبین کے جوابات باہمی مکالمے کسی کی مبارک بادیں دینا کسی دشمن

کارِ نیک و غصہ سے اظہارِ غضب کرنا دربارِ رسالت کے ملک اشعارِ حسان بن ثابت کا اسی وقت دربارِ رسالت میں اشعارِ تہنیت کا پیش کرنا ان سب امور اور روایات و احادیث پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معنی دوست اور یار کے جو بنائے گئے ہیں بالکل غلط مفہوم ہے۔ نہ رسالت مآب نے یہ معنی مراد لیے اور نہ حاضرین نے یہ معنی سمجھے بلکہ سب نے یہ ہی سمجھا اور خدا اور رسول نے یہ ہی فرمایا کہ رسول سلطانِ دین و دنیا تاجدارِ اسلام کے بعد علی مثل رسول جانشین رسول اور ہادی و رہبر امام خلیفہ ہیں۔ من کنت و مولاہ فہذا علیؑ مولاہ کے یہ ہی معنی اور یہ ہی مطلب ہے۔ حسان ابن ثابت نے جو تہنیت و مبارک باد کے اشعار اس موقع پر حضور سرکارِ رسالت میں پیش کیے ہیں ان میں صریح اور صاف الفاظ میں امام دہادی کہا ہے۔ حسان ابن ثابت کے یہ اشعار علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اپنے تذکرہ خواص الامہ میں درج کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲ حسان رسول اللہ کی زبانی کہتے ہیں:-

فَقَالَ لَهُ قُمْ يَا عَلِيُّ فَإِنِّي رَضِيْتُكَ مِنْ بَعْدِي أَمَّا وَهَادِيًا يَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ
نے فرمایا علیؑ کھڑے ہو جاؤ میں نے اپنے بعد تم کو امام اور ہادی قرار دیا ہے پس
یہی تمام اصحاب اور حاضرین نے سمجھا اور یہی رسول اللہ نے فرمایا اور یہی خدا کا
حکم ہے۔

خود رسول اللہ نے اپنے ایک اور قول شریف میں اس کی صاف تصریح فرما
دی ہے۔ علامہ عبد البر استیعاب جلد ۲ ص ۵۷ میں عبد اللہ ابن عباس سے
روایت کرتے ہیں۔ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ اَنْتَ وَدُلِّي كُلُّ مَوْنٍ
مِنْ بَعْدِي۔ اَزَالَهُ الْخَفَاءُ الْمَقْصِدُ دَوْم۔ رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا تم میرے بعد
ہر مومن کے ولی ہو۔ نیز بریدہ سے ارشاد ہوتا ہے يَا بَرِيْدُ اِنَّ عَلِيًّا وَبِكُمْ مِنْ بَعْدِي

تاریخ کنوز الحقائق حرفت یا ص ۲۱۰ شرف ص ۵۸ پس اگر ولی کے معنی ولی آمر
 حاکم اور آقا کے نہیں اور دوست و یار کے ہیں تو کیا علیؑ رسول اللہ کے زمانہ حیات
 میں مومنوں اور مسلمانوں کے دوست اور مددگار نہ تھے اور خدا نخواستہ معاذ اللہ
 دشمن اور مخالفت تھے اور رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے بعد تم مسلمانوں کے اور
 مومنوں کے دوست و یار ہو گے گویا اس وقت نہیں۔ صریحاً یہ معنی سراسر غلط
 ہیں اور واقعی رسول اللہ نے یہی ارشاد فرمایا ہے کہ علیؑ ہمارے بعد مومنوں کے امیر
 اور آقا ولی آمر ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ تابعدار رسالت ختمی مرتبت نے ایک دفعہ
 نہیں متعدد بار مختلف الفاظ سے متفرق طریقوں سے بتا دیا اور دکھلایا کہ علیؑ
 صداقت و حقانیت پر ہے، علیؑ سچا ہادی و رہبر ہے، علیؑ ہی کا راستہ صراط
 مستقیم ہے، علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے، علیؑ کی نافرمانی میری نافرمانی ہے
 علیؑ کی محبت میری محبت ہے، علیؑ کی دشمنی میری دشمنی ہے، علیؑ قرآن کے ساتھ
 ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے، علیؑ کی اذیت میری اذیت ہے جس نے
 علیؑ کو سب کیا اس نے مجھے سب کیا، علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں
 ان تمام اخادیش شریف اور اقوال پاک رسول کریم کو تواتر کے ساتھ علمائے
 کرام نے اپنی حدیث و سیر کی کتابوں میں درج فرمایا ہے امام احمد حنبل جو امام بخاری
 امام مسلم اور مجاہد صحاح ستہ کے شیخ الشیوخ ہیں روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا
 دَانِ اَوْ مَوَالِیْکُمْ وَاِلَّا رَاَکُمْ فَاَحْلِلْنَ بَیْدَکُمْ هَادِیًا مَّهْدِیًا یَا خِذْکُمُ الطَّرِیقَ الْمُسْتَقِیْمَ
 سند احمد حنبل ص ۱۵ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۹ ازالۃ الحقائق مقصد ۲ ص ۲۷ شرف
 المؤید ص ۵۸

وسیلۃ النجاة ص ۹۷ ازالۃ الحقائق ص ۲۶۲، ۲۷۹ در حق دے (یعنی علیؑ)

فرمود (رسولؐ) علی من علی لا یدعی منی الا انا وعلی - یعنی علیؑ مجھ

سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں جو کام میرے کرنے کا ہے پس اس کو یا میں کروں
یا علیؑ دوسرا نہیں کر سکتا ص ۹۲۔ اخرج الطبرانی عن جابر بن سمرة قال رسول الله لعلي
انك مؤتمر متخلف وانك مقتول وهذا المخصوص به في هذا المعنى ملحمة من راسه
يعني طبرانی نے جابر سے روایت کی رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا یا علی تم امیر اور
میرے بعد خلیفہ ہو گے اور تم شہید ہو گے۔ یہ تمہاری داڑھی سر کے خون سے رنگین
ہو گی اور حاکم نے حضرت ابوذر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ یا علی
من فارقتي فقد فارقت الله ومن فارقك يا علي فقد فارقتني ومن اطاعني
فقد اطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن اطاع علياً فقد
اطاعني ومن عصى علياً فقد عصاني وقال علي مع القرأت والقرآن
مع علي لن يهترقا حتى يرد علي الحوض وقال رحم الله علياً اللهم اوراحني
حيث دار ص ۹۲ نیز ص ۵۸ اخرج المحاكم من ابن عباس ان رسول الله نظر الى
علي ابن ابي طالب وقال عدوك عدوي وعدوي عدو الله وويل لمن
اغضبك من بعدى نیز نزل الايراد علامہ بدخشی ص ۹ اور ص ۲۳ و ص ۲۴۔ قال
لعلي من فارقتك يا علي فقد فارقتني ومن فارقتني فقد فارقت الله۔ ايضاً
مشكوة۔ وقال من سب علياً فقد سبني وايضاً قال الحق معه والحق يعني علياً
اللهم۔ اور تاريخ الخلفاء سيوطي ص ۱۷۱، ص ۱۷۲ وسيلة النجاة ص ۹۲، اللهم دار الحق معه
حيث دار مشكوة ص ۵۵۹ اسعاف الراغبين علامہ شيخ محمد صہبان ص ۱۵۶، ص ۱۵۷، ص ۱۵۸
ص ۱۵۹ وغیرہ۔ استيعاب جلد ۲ ص ۴۶ نور الابصار علامہ مومن شلخی ص ۱۱۶، ص ۱۱۷
ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹ و ص ۱۲۰ جامع صغیر سيوطي ص ۹ فضائل نسائی ص ۳۹ و ص ۴۰
عمدة القاري ص ۴۰ مدارج النبوة ص ۶۲ شرف المويذ ص ۱۲ دراسات اللبيب ص ۱۲
ارزج الطالب ص ۵۹۹ حضرت اسم المومنین عائشہ جناب جمل کے بعد بصرہ میں فرماتی

ہیں جبکہ ان کے بھائی محمد بن ابی بکر نے یاد دلایا کہ ہاں رسول اللہ نے فرمایا :-
الحق لن يزال مع علي وعلى مع الحق لن يتفترقا (اخرجه البوكري
مرويه) ابو موسیٰ اشعری جو یوم صفین حکم بنائے گئے تھے خود فرماتے ہیں - اشهد ان
الحق مع علي ولكن بالله الدنيا الى اهلها ولقد سمعت النبي يقول له يا
علي انت مع الحق والحق بعدى معك اخرجہ البوكري - علامہ عبدالبرکي
نے استيعاب جلد ۲ ص ۲۵۵ میں حضرت حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ قال رسول الله
ان دلو اعليا فهاديا مهديا - اور حاکم نے حذیفہ سے اسی طرح
روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کیا استخلفت علينا ابا بکر
قال ان استخلفت عليكم تجدون قويا في امر الله صنعتا في حبك
قالوا استخلفت علينا عليا قال انكم لا تفعلوا وان تفعلوا تجدون هاديا
مهديا السليك بكم الطريق المستقيم - جب لوگوں نے عرض کیا آپ
ہم پر ابو بکر کو خلیفہ بنا دیجئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم پر ابو بکر کو خلیفہ بنایا
جاوے تو تم ان کو امر الہی میں تو قوی پاؤ گے مگر جسم اور طاقت میں ابو بکر کمزور
ہیں پھر لوگوں نے عرض کیا کہ علی کو ہم پر خلیفہ بنا دیجئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم علی کو
خلیفہ نہیں بناؤ گے اور پھر بے شک اگر علی کو خلیفہ بناؤ تو علی کو بے شک ہادی و
مہدی ہدایت کرنے والا پاؤ گے - علیؑ پھلا میں گئے تم کو راہ مستقیم پر اور ایسا ہی امام
طہرانی اور علامہ ابن عساکر اور حافظ ابن نعیم نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو علامہ بدخشی
کی نزل الابرار ص ۲۲ و ص ۳۳ اور مشکوٰۃ شریف انالہ الخفا ص ۳۵ صواعق محرقة ص ۲۹
علامہ محمد حسین قرنگی محلی نے بھی ان احادیث شریفہ کو ازالۃ الخفا اور امام احمد حنبل
اور مشکوٰۃ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے - ملاحظہ ہو وسیلۃ النجا ص ۱۹ وید بن ارقم
بیان کرتے ہیں کہ قال رسول الله من يريد ان يحيى حيوتی ويحيى حماي

ولیکن الجنة الخلد التي وعدتني ربّي فليتولى علي ابن ابی طالب فانه
 لن نخرجكم من هدی ولن مدخلکم فی ضلال هکذا اخرج الطبرانی فی
 الکبیر والحاکم والبیہق فی فضائل الصحابة۔ وسیلة النجات ص ۱۸
 ازالة الحقا ص ۲۶۲ ، رسول اللہ نے فرمایا جو شخص چاہے کہ اس کی زندگی میری زندگی
 ہو اور اس کی موت میری موت ہو اور وہ جنت خلد میں جس کا وعدہ میرے ساتھ
 میرے رب نے فرمایا ہے ساکن ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ علیؑ سے محبت رکھے
 یقیناً علیؑ تم کو ہرگز ہرگز ہدایت سے باہر نہ نکلتے نہ دیں گے اور کبھی گمراہی میں پڑنے
 نہیں دیں گے۔ علامہ طبرانی امام حاکم حافظ ابو نعیم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے
 تفسیر در منثور علامہ سیوطی اور تفسیر زحشری وغیرہ بذیل تفسیر آیتہ مجیدہ انتہانت منذر
 ولكل قوم هاد قال رسول الله انا المنذر وعلي الهادي وبك يا علي
 تمتدی البهتدون اور نور الایصار ص ۱۱۶ ، ازالة الحقا ص ۲۶۲۔

نیز ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ ص ۶ آنحضرت علیؑ کو سید العرب کا خطاب عطا
 فرماتے ہیں اور القناد سے ارشاد کرتے ہیں۔ یا معشر الایصار الدار لکم علی
 ما ان تمسکتم بہ لن تصلوا بعدہ (بد اہذا علی فاجتوہا بحبی
 واکرموہ بکرامتی فان جابرئیل امرنی بالذی قلت لکم
 عن اللہ عزّ وجلّ۔ اے گروہ انصار میں تمہیں بتا دوں وہ چیز کہ اگر تم اس سے
 متمسک ہو گے تو پھر کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ یہ علیؑ ہے پس علیؑ سے محبت کرو
 میری محبت کی وجہ سے اور علیؑ کا اکرام کرو میرے اکرام کی وجہ سے یعنی علیؑ سے محبت
 میری محبت ہے اور علیؑ کا اکرام میرا اکرام ہے۔ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے یہی
 حکم خدا ہے جو جبرئیل نے مجھے دیا ہے۔

پس ان متواتر اور صحیح و مستبر احادیث شریف سے ظاہر ہے کہ آنحضرت

بانی اسلام ہادی مطلق نے صاف صاف اور کھلے الفاظ میں علیؑ کی پیروی اور فرمانبرداری کی ہدایت فرمائی ہے اور بتا دیا ہے کہ علیؑ ہی سچا امام ہادی و رہبر ہمارا جانشین اور برحق خلیفہ ہے۔

حضرت علیؑ کی خلافت پر حضرت عمرؓ کی تصدیق : دوم جیسا بزرگ

سیاست دان اور اولوالعزم شخص بھی رسول اللہ کے ان اقوال شریعت اور احادیث پاک کو سنتے ہوئے اور خود علیؑ کی قابلیت و منزلت کو جانتے ہوئے ذاتی تجربے کی بنیاد پر علیؑ کو خلافت و امامت مسلمین و امارت مومنین کے لیے بہترین ہادی اور سب سے افضل و اعلیٰ حقدار اور بہمہ اوصاف مستحق خلافت و جانشینی جانتے ہیں اور علیؑ کی صداقت و حق کی شہادت دیتے ہیں۔ استیعاب عبدالبر میں جو مکالمہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ کا متعلقہ مسئلہ انتخاب و تقرر خلیفہ و جانشین درج ہے قابل ملاحظہ ہے۔ حضرت عمرؓ تمام اصحاب امیدواران خلافت میں کوئی نہ کوئی نقص بیان فرما کر اس کو ناقابل خلافت بتاتے ہیں مگر علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں کہ بے شک علیؑ ایسے ہی ہیں۔ قابل ہیں صاحب فضیلت ہیں البتہ علیؑ کے مزاج میں خوش طبعی اور مزاج ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کا ذاتی اجتہاد ہے کہ امیر المومنین خلیفہ رسول کے لیے حسن خلق، خوش مزاجی اور انبساط طبیعت ناموزوں اور غیب ہے ورنہ آنحضرتؐ جو علیؑ کو ولادت کے روز سے جانتے ہیں گودوں میں کھلایا ہے۔ دن رات ساتھ رکھا ہے علیؑ کی خوشبو سے جیسے رسول واقف ہیں ویسا کوئی نہیں ہے پس رسولؐ نے نہ علیؑ کی خوش مزاجی اور خندہ پیشانی کو غیب بتایا اور نہ اس صفت کو ہادی و رہبر ہونے میں مانع فرمایا۔

عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز زمانہ خلافت حضرت عمرؓ

میں میں حضرت خلیفہ دوم کے ساتھ جا رہا تھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک بڑا لمبا سانس
 کھینچا۔ میں نے عرض کی حضرت خیر ہے۔ کیا امر عظیم درپیش ہے کہ آپ ایسے
 ٹھنڈے سانس لے رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا وحی کے یا بن عباس ما
 اوری ما اصنع مامتہ محمد قلت ولہما وانت عبد اللہ قال فان تصنع ذالک
 فکان الثقۃ قال اتی ادراک لقول ان صاحبک ادلی الناس بہا یعنی
 علیاً قلت اجل واللہ اتی لا قول ذالک فی سابقۃ وعلمہ وصراتہ و
 صہرہ قال اتم کہا ذکر کرتے ہیں کہ کثیر الاعامۃ فقلت عثمان قال فواللہ لو
 فعلت لجعل بنی معبط علی رقاب الناس لعلون فیہم بمعصیۃ اللہ
 واللہ لو فعلت لفعل ولو فعل لیفعلوک فوثب الناس علیہ
 فقتلوه ایسا ہی پھر حضرات طلحہ و زبیر ابن عبد اللہ اور سعد ابن وقاص کے متعلق فرمایا
 ہے۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۷۸ و ۴۷۹ نیز وسیلۃ النجات ج ۱۰۶ اثنالہ الخفا ص ۱۹۵
 ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ کچھ خاموش رہے اور پھر فرمایا خدا اس
 کا ولی ہے اگر وہ چاہے تو کتاب خدا اور سنت رسول پر اس امر کو تمہارے صاحب
 (خلیفہ) کے ذریعہ سے چلائے گا یہ جان رکھو کہ اگر علیؓ خلیفہ ہوں تو وہ ضرور تم
 کو حجت بیضا اور صراط مستقیم پر چلائیں گے۔

پھر علامہ عبد البر استیعاب جلد ۲ ص ۴۷۸ میں دوسری روایت حضرت عمرؓ کے
 فرزند عبد اللہ کی زبانی درج کرتے ہیں۔ عن عبد اللہ ابن عمر قال قال
 عمر لاہل الشوری للہ درہم ان دلوہا الاصلع کیف یجملہم
 علی الحق ولو کان السیف علی متفہ فقلت العلم ذالک منہ ولا
 تولیہ قال ان لم استخلف فاسترحم فقد ترکہم من ہو خیر منی
 نیز جلد ۲ ص ۴۱۹ میں بحالات حضرت عمرؓ پھر لکھتے ہیں کہ قولہ فی علی

ان دلوها الا صلح سلك هم الطريق الا صلح المستقيم لعنی حلیاً فقال
ابن عمر بالمیصلح الی تقدم علیاً قال اکره ان احملها حیاً ومیتاً کلید من
غرضکہ فرمانروائے اسلام تاجدار رسالت نے علیؑ کے متعلق امت کو ہدایت و
نہمیری فرمانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ بار بار سنایا، عمل کر کے دکھایا
کہ علیؑ ہادی برحق اور نہمیر کا مل ہے علیؑ جان نبی ہے نفس رسول ہے۔ علیؑ کی ہدایت
میری ہدایت ہے۔ علیؑ کا حکم میرا حکم ہے۔ علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور
علیؑ سے علیحدگی مجھ سے جدائی ہے۔ علیؑ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔ علیؑ
سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے۔ علیؑ ہی صراط مستقیم پر چلائے گا اور علیؑ ہی راہ
ہدایت پر لے جائے گا۔ علیؑ کی پیروی میں گمراہی اور ضلالت کا ہرگز ہرگز اندیشہ نہیں ہے
ظاہر ہے، یہی امر ہے کہ ہر ایک سلطنت و حکومت اور ہر ایک قوم و
ملت کے لیے ایک قانون اور ضابطہ لازمی اور ضروری ہے پس بلا شک و شبہ کسی
کو انکار نہیں کہ سلطنت محمدی حکومت اسلامی کا ضابطہ جامع و کامل قیامت تک
نہ بدلنے والا قانون خدا کا کلام پاک قرآن مجید فرقان حمید ہے اور حکومت دالے سلطنت
کے بادشاہ و تاجدار نے بتا دیا اور بار بار سنا دیا کہ بس میری سلطنت و حکومت اور خدائے
جلیل کی لازوال بادشاہت کا یہ قانون میرے بھائی اور میرے دھی علیؑ کے ساتھ ہے
اور علیؑ اس کے ساتھ ہے۔ جو علیؑ کا حکم ہے وہ قرآن کا حکم ہے اور جو قرآن کا حکم
ہے وہ ہی علیؑ کا حکم ہے۔ نہ علیؑ قول و فعل قرآن سے باہر ہیں اور نہ قرآن کے احکام
علیؑ کے اقوال سے علیحدہ ہیں۔ ازالۃ النہا مقصد دوم ص ۲۷۹ علی مع قرآن الخ
اس کے ساتھ ہی خبر صادق تاجدار مایںطق عن الہوی نے آنے والے زمانے
کی خبر بھی دے دی کہ تم لوگ نفسانی خواہشوں جاہ طلبی و دنیا پرستی کے جالوں میں
پھنسو گے۔ علیؑ سے جنگ کرو گے۔ ہدایت اور صراط مستقیم کے راستے کو چھوڑ دو گے

علیؑ سے علیحدہ ہو جاؤ گے اور منکالت و گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ علیؑ کا جنگ بس میرا جنگ ہے جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا اسی طرح علیؑ تاویل قرآن پر جنگ کریں گے۔

اخرج احمد والبولعلی وابن حیان والحاکم وقال علی شرط الشیخین والبولعم فی خلیہ ومحی السنۃ النعوی فی شرح السنۃ کلہم من الی سعید الخدری قال سمعت رسول اللہ ليقول ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کہا قاتلت علی تنزیلہ قال ابوبکر انا ہویا رسول اللہ قال لا قال عمر انا یا رسول اللہ قال لا ولکن خاصت النعل وکان علی قد اخذ نعل رسول اللہ وهو محسفیہا وفی مرادیۃ اخری لاحمد والحاکم عنہ ان النبی قال لعلی انک تقاتل علی تاویل القرآن کہا قاتلت علی تنزیلہ۔ نزل الابرار ص ۲۴ و ص ۲۹ خصائص نسائی ص ۲۶ صواعق ص ۱۴ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۴۲ کبھی خود علیؑ کو مخاطب فرما کر ارشاد کرتے ہیں کنوز الحقائق یا علی افت تقاتل علی سنتی رسولؐ نے فرمایا یا علی تم میری سنت پر میرے طریق پر جنگ کر دو گے۔

نیز انالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۵۶ وسیلۃ النجاۃ ص ۹۸۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، یا معشر قریش واللہ لبعین اللہ علیکم رجلاً منکم فذا منحن اللہ قلبہ الایمان ولیضربنکم علی الدین اولیضرب بعضکم قال ابوبکر انا یا رسول اللہ قال لا قال عمر انا ہویا رسول اللہ قال لا ولکن ذالک الذی غیف النعل وقد کان علی علیاً خیفہا خصائص نسائی قلمی ص ۲ مطالب السؤل ابو طلحہ شافعی ص ۱۸ نیز آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ میرے بعد ناکشین و قاسطین و مارقین سے جنگ فرمائیں گے۔ دراسات اللیب ص ۲۱۲ استیعاب جلد ۲ ارجح المطالب مطالب السؤل

ص ۸۲، تفسیر در مشور جلال الدین سیوطی جلد ۹ سورہ زخرف عن جابر عن
عبد اللہ عن النبی فی قولہ تعالیٰ فاما نذہبن بک فانما منهم منتقمون
نزلت فی علی اذہ ينتقم من الناکثین والقاسطین والمارقین بعد ^{وقرہ} کثر العمل
نیز علامہ دارقطنی حاکم اور خطیب کل کے کل ناقل ہیں کہ رسول اللہ نے علی سے
فرمایا ان الامۃ ستعذر بک من بعدی وانت تعيش علی ملتی وتقتل علی سنتی
من احبک احببني ومن البغضک البغضني وان هذا استخضبت من هذا یعنی بحیثہ
من راحہ نزل الابرار ص ۲۹ آئندہ آنے والے واقعات علی کی آنے والی مصیبت و تکلیف
کی پیشین گوئی فرماتے ہیں۔ علی کے دشمنوں گمراہ و حریص دنیا پرست لوگوں کی علی سے
دشمنی اور عداوت کرنے اور علی سے بغض و حسد رکھنے کی خبر بیان فرماتے ہیں عزون و
ملول ہوتے ہیں گریہ فرماتے ہیں اور علی کی صداقت و حقانیت سلامتی دین و ایمان
کی تصدیق فرماتے ہیں

انزالہ الخفا ص ۲۷ اور علامہ مومن شیلخی نورالابصار ص ۱۱۸ میں خود علی سے روایت
کرتے ہیں۔ علی نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ کے ساتھ جا رہا تھا راستے میں ایک
باغ نظر پڑا تو میں نے عرض کیا رسول اللہ یہ باغ کیسا اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا
یہ کیا باغ ہے۔ علی تمہارے لیے جنت میں اس سے بہتر باغ ہے۔ فلما خلا
الطریق اعتفتنی ثم اجهشني باکیا فقلت یا رسول اللہ ینک قال ضغائن
لک فی صدور اقوام لا یدونہا لک الا من بعد موتی قال ملت یا رسول
اللہ فی سلامتی من دینی قال فی سلامتی دینک۔ ایضاً۔ انزالہ الخفا ص ۲۷
اخرج الحاکم من علی قال ان قما عهد الی النبی ان الامۃ ستعذرنی
بعدہ رسول اللہ کا یہ رنج و ملال اور حزن و بکا نہ صرف علی کی ہی مصیبت اور
تکلیف کے خیال سے ہے بلکہ بلا شک یہ امت کا رحیم باپ مسلمانوں کا ہمدرد و مری

اسلام کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی گمراہی اور ضلالت پر بھی روتا اور حزن و غم فرماتا ہے کیونکہ بانی اسلام کو دین اسلام علیؑ سے بھی زیادہ پیارا اور محبوب ہے۔

الغرض سلطنت اسلامی کا تاجدار سلطان دین پرورد بادشاہ کون و مکان بانی اسلام نے اس کو آخر کے ساتھ متعدد موقعوں پر ابتداء اسلام سے رحلت فرمائی کے وقت تک بار بار مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ سے امت کو بتلایا اور جتلا دیا ہے کہ علی حقیقی امیر المؤمنین مسلمانوں کا مادی و دہیر ہمارا سچا جانشین صراطِ مستقیم پر چلانے والا ہے۔ علیؑ کی اطاعت و پیروی اور علیؑ کی حکومت و فرمانبرداری میں کبھی گمراہی اور ضلالت نہیں ہے۔ علیؑ سے مخالفت سراسر ظلم اور علیؑ سے مقابلہ و جنگ قطعاً گمراہی و ضلالت ہے۔ جنگ جمل اور صفین کی پیشین گوئیاں فرماتے ہیں کبھی ظلم و زبرد وغیرہ سے ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ اما واللہ لتقاتلہ وانت ظالم۔ یعنی قسم ہے خدا کی تم علیؑ سے جنگ کرو گے اور تم علیؑ سے جنگ کرنے میں ظالم رہو گے۔ مدارج النبوة ص ۶۱۳ نور الابصار شیعہ ص ۱۳۲ اسعاف الراغبین ص ۶۵ مستدک حاکم۔ انالہ الخفا شاہ ولی اللہ وغیرہ۔

کبھی صلح حدیبیہ کے موقع پر علیؑ کی صداقت و حقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں علیؑ کو مثل اپنے قرار دیتے ہیں اور علیؑ کے مخالف و مقابل گروہ کو کفار و مشرکین مکہ کے مشابہ فرماتے ہیں۔ صلحنامہ حدیبیہ کے واقعہ کو تاریخ و سیر اور حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ فرماؤ۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش اور مشرکین مکہ امیر معاویہ کے باپ ابو سفیان وغیرہ کے ساتھ جو صلحنامہ لکھا جاتا ہے۔ علیؑ کو تحریر صلحنامہ کا حکم ہوتا ہے علی صلحنامہ میں محمد رسول اللہ کا لفظ لکھتے ہیں مگر گروہ کفار لفظ رسول اللہ لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ علیؑ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہیں مٹائیں گے۔ آخر آنحضرتؐ خود لفظ رسول اللہ کو مٹا دیتے ہیں اور علیؑ سے ارشاد فرماتے ہیں

کہ اے علیؑ ہمارے بعد تم کو ایسا ہی موقع پیش آئے گا کہ تمہارے مخالفت و مقابل
 گروہ بھی اسی طرح تمہارے نام کے ساتھ فقط امیر المومنین لکھے جانے کی مخالفت
 کریں گے تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۳ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۹۰ معارج النبوة
 رکن چہارم ص ۱۸ خصائص نسائی قلمی ص ۱۰۹ معارج النبوة ص ۲۶۳ نور الابصار
 ص ۱۵۱ روضۃ الاحیاء اور روضۃ الصغار وغیرہ پس معرکہ صفین اور تحریر حکم نامہ کے
 واقعات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح آج ہم کفار و مشرکین
 مکہ ابوسفیان سرداران بنی امیہ کے ساتھ یہ معاہدہ لکھتے ہیں اور ہماری رسالت و
 نبوت حق سے ان کافروں کو انکار ہے پس اسی طرح ابوسفیان کے فرزند امیر معاویہ
 اور ان کے گروہ بنی امیہ وغیرہ کو تمہاری امامت و خلافت حقہ سے انکار و انحراف
 ہو گا اور تم کو بھی ہماری طرح فقط امیر المومنین اپنے نام کے ساتھ سے مٹانا پڑے گا
 بے شک تم اسی طرح سچے امام و خلیفہ ہو جس طرح ہم خدا کے سچے نبی اور رسولؐ ہیں
 اور تمہارے مخالفت اسی طرح برہر کھرو اتفاق ہیں جس طرح آج یہ لوگ برہر کھرو
 شرک ہیں۔

اسی طرح حضرت عمار کی مظلومانہ شہادت کی خبر دے کر علیؑ کی خلافت الیہ
 اور امامت حقہ کی تصدیق فرماتے ہیں۔ اسلام کی تمام تاریخیں حدیث کی مستند
 صحاح وغیرہ کی کتابیں۔ رسول الہی کی اس مستند حدیث شریفہ سے مزین ہیں۔
 سلطنت الہی کا تاجدار شہنشاہ اسلام مدینہ رسول میں مسجد نبوی کی تعمیر فرماتا ہے خود
 بہ نفس نفیس مع اصحاب کام کر رہے ہیں۔ اینٹیں اٹھاتے ہیں مٹی لاتے ہیں عمار
 بجائے ایک کے دو اینٹیں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک اپنی جوانی سے
 اور ایک رسول اللہ کے بدلے میں ہے۔ آنحضرتؐ اشقت و محبت سے عمار کی
 پیٹھ پر دست کرم رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں اے عمار تم کو فرقہ باغی گروہ طاغی قتل

کرے گا تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تم کو دوزخ کی طرف کھینچیں گے۔
 علامہ زرقانی نے جلد اول ص ۴۵ و ص ۴۶ میں اس واقعہ کو صحیح بخاری و صحیح مسلم و
 ترمذی کے حوالہ جات سے مفصل درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں: قال لہ علیہ السلام بعد
 مسم طہراً ولفض التراب عنہ للناس اشراً وذلک اجران و آخر زادک من الدنیا
 شرية لبن و لقتلک الفیئة الباغیہ وروی البخاری فی بعض نسخہ و مسلم و الترمذی
 و غیرہم مرفوعاً ویم عمار لقتلہ الباغیہ یدعوہم الی الجنة ویدعونک
 الی النار زرقانی جلد اول صفحہ ۴۴ - ۴۴۱۔

(ترجمہ) آنحضرتؐ نے عمار کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اور گردن غبار بھاڑ کر فرمایا کہ اے عمار
 اور لوگوں کے لیے اس خدمت کا ایک ثواب اور اجر ہے مگر تمہارے لیے دوسرا
 اجر ہے اور تمہاری دنیاوی آخری غذا دوسرا ہوگا۔ تمہیں ایک گروہ باغی قتل کریگا
 تم انہیں بہشت کی دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف کھینچتے ہوں گے یعنی
 تمہارا راستہ اور عمل جنت کا ہے اور ان کا راستہ اور فعل جہنم میں لے جائے گا۔
 صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۵ و ص ۳۹۶ صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱ میرت ہشام جلد ۱
 ص ۱۶۶ نور الابصار شیعہ ص ۱۴۶ اسعاف الراغبین علامہ محمد صبیان ص ۶۶ مدارج النبوة
 ص ۷۷ مدارج النبوة رکن چہارم ص ۱۹ روضۃ الاحباب جلد اول ص ۲۱ استیعاب جلد ۲
 ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ مینابیع المودۃ ص ۱۲۸ مطالب السؤل ص ۸۳ و ص ۸۴ مسند احمد بن
 حنبل ص ۲۸۹ ازج المطالب نے اسی حدیث شریف کو متواتر اسناد کے ساتھ ۵-۶
 طریق سے درج فرمایا ہے ملاحظہ ہو ص ۶۲۲ سر العالمین غزالی قلمی ص ۷ لغتہ الرائد لآب
 صدیق حسن خاں ص ۹۷ اسی حدیث شریف کی بنیاد پر علیؑ کو برہر حق و صداقت
 اور علیؑ سے جنگ اور مخالفت کرنے والوں کو گروہ باغی بتاتے ہیں۔
 حضرت امیر المومنین خلیفہ مسلمین علی مرتضیٰ کے ساتھ جو جنگ اور لڑائیاں

امیر معاویہ نے کیں ان میں جنگ صفین معرکہ الارا جنگ ہے۔ اس لڑائی میں حضرت عمار امیر المؤمنین کی رکاب میں علیؑ کی طرفداری میں لشکر معاویہ سے جنگ کرتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔ تمام تاریخ و سیر کی کتابیں متفق علیہ اس کی شاہد ہیں کسی کو اس سے انکار نہیں کہ حضرت عمار کو معاویہ کے لشکر نے یوم صفین شہید کیا اور عمار علیؑ کی طرفداری میں معاویہ کے مخالف ہو کر لڑ رہے تھے۔

علامہ سیوط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ قال ابن سعد نظر عمار الی عمر بن العاص ویدیہ رایتہ فناداہ ویحک یا ابن العاص هذه رایتہ قد قاتلت بهامع رسول الله ثلاثہ مرات و هذه الراجلتہ و فی رایتہا فحل عمار و هو شیخ ویدیہ ترعش علی الحرثیہ و هو یقول نحن ضربناکم علی تنزیلہ فالیوم لضربکم علی تاویلہ ضربنا یزید الہام عن مقلیہ و یذہل الخلیل عن خلیلہ او یرجع الحق الی سبیلہ یا رب الی مومن بقبیلہ و حکے ابن سعد فی الطبقات عن عبد الله ابن عمر بن العاص انه قال لایہ قتلتم عماراً و قد سمعت رسول الله یقول لہ یقتلک فیتہ الباغیہ۔

تذکرہ خواص الامم ص ۵۳۔

علامہ عبد البر نے بھی استیعاب جلد ۲ میں حضرت عمارؓ یا سر کے اس رجز کو مدح فرمایا ہے لکھتے ہیں۔ عن عبد الرحمن سلمی قال شہدنا معہ علی صفین مراتب عمار بن یاسر لا یأخذ فی ماحیة ولا دامن ادویہ صفین الاراتب اصحاب محمد یتبعونہ کأنہ علم لہم و سمعت عماراً یقول یوم یدلہا شہم بن عتیہ ہاشم تقدم الحیة تحت الیبارقہ الیوم الحق الاحبہ محمداً و خربہ و الله لو ہز مونا حتی یبلغونا سعفات بحر لعلمنا اننا علی الحق و انہم علی الباطل ثم قال نحن ضربناکم علی تنزیلہ فالیوم لضربکم علی تاویلہ استیعاب جلد ۲ ص ۲۲۳۔

شیخ الاسلام قسطنطینیہ علامہ قندوزی ینایع المودۃ میں علامہ حمونبی سے پسند امش
 نقل کرتے ہیں۔ عن علقمہ والاسود قال اتینا ابا الیوب الانصاری فقلنا یا
 ابا الیوب ان الله اکرم نبیه وصغی لک من فضله اجزنا به خزنک معه
 علی فقاتل اهل لاله الا الله فقال ابو الیوب اقسام لکما یا الله لقد کان
 رسول الله معی فی هذا البیت الذی استأفیه معی وعلی جالس عن یمینہ
 وانا عن لیسارہ والنس بین یدیه وما فی البیت غیرنا اذ حرك الباب فقال
 انس افتح فتح الباب ودخل عمار خسم علی النبی فرده علیہ السلام
 در حجب بہ ثم قال یا عمار سیكون لعدی فی امتی هنات یختلف السیف
 فیما بینہما بینہم وحتى یقتل بعضهم بعضا وحتى یتبرع بعضهم
 من بعض فاذا رايت ذالک فعلیک بہ هذا الا صلح عن یمینہ یعنی
 علیا فان سلت الناس کلہم وادیاً وعلک علی وادیاً فاسلک دای علی دخل
 عن الناس یا عمار ان علیاً لا یروک عن ہدی ولا یدخلک علی روی یا
 عمار طاعتہ علی طاعتی وطاعتی طاعة الله جل شانہ ینایع المودۃ ص ۱۲۱
 زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میں پریدان بحی حیوتی
 وسموت عمتی ولیکن حبتہ الخلد الّتی وعدت فی ربّی فلیتول علی ابن ابی طالب فانہ
 لن یمرحبکم من ہدی ولن یدخلکم فی ضلال۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۶۲۔
 یہی وجہ ہے کہ چونکہ اصحاب رسول بزرگان دین یہ سب جلیل القدر صحابی رسول
 الہی کے کامل پیر و ایمان کے مجسمے علی کی امامت و خلافت کی صداقت و حقانیت کو
 بادشاہ اسلام تاجدار رسالت سے بار بار تواتر کے ساتھ سن چکے تھے اور حکم خدا و
 رسول سے جانتے تھے کہ علی کی اطاعت بس رسول کی اطاعت اور خدائے جلیل کی
 اطاعت ہے علی بر سر حق ہیں اور علی کا دشمن اور مخالف بر سر ضلالت و گمراہی ہے

اسی یے علیؑ کی ظاہری خلافت کے زمانے میں جب مجبوراً علیؑ کو اپنے مخالفین ناکشین
فاسطین اور یاقین سے صفین و نہردان وغیرہ میں جنگ کرنا پڑا تو یہ سب حضرات علیؑ کے
ہمراہ عالم مرتضوی کے سایہ میں دشمنان و مخالفین خلافت حقہ سے برسرِ پیکار اور
نبرد آزما ہوئے اور گروہ باغی سے جہاد فرمایا اور جو شریک نہ ہو سکے ان کو مرتے
دم تک علیؑ کے ساتھ ہو کر گروہ باغی سے جنگ نہ کرنے کا افسوس اور حسرت رہی
علامہ ابو حضرت عبد اللہ ابن عمر خلیفہ دوم کے فرزند اپنی بیعت کا افسوس کرتے ہیں
اور اس گروہ باغی سے جنگ نہ کرنے پر اظہارِ حسرت فرماتے ہیں۔

استیعاب عبد البر جلد ۲ ص ۴۶۶ عن حبیب ابن ثابت عن ابن عمر اذ قال
ما اثنی علی شیء الا انی لم اقاتل مع علی الفیۃ البانیۃ وقال الشعبي ما مات
مہروق حتی قاتل ابی اللہ عن سنان بن خالد عن القتال مع علی
ولہذا الاختیار طرقاً صحیح علامہ ابن اثیر جزیری بھی اس القابہ میں
اسی طرح نقل فرماتے ہیں۔ ازج المطالب ص ۱۱۱ نیز در اسات اللیب ص ۱۱۱
نیز عبد الرحمن بن عثم الاشعری کے حال کو استیعاب عبد البر جلد ۲ ص ۴۶۶ پر
دیکھو وهو هذا جلی کان مسلماً علی عهد رسول اللہ وسلم یرک ولہم یقین علیہ
ولازم معاذ بن الجبل مسند لعتہ رسول اللہ الی الیمن الی ان سادت فی خلافتہ
عمر و لعلہ اصحاب معاذ لہذا رقتہ لہو سمع من عمر بن الخطاب وکان
من افقہ اہل الشام وهو الذی فقہ بکامتہ العین بالشام وکانت لہ جلاۃ
وقد رد هو الذی عاتب اباہ ویرک واما الذی عریق اذرا لہ صرت (من) حیدر
علی رسولین لہ عادیۃ وکان حاکماً لہما عجیاً منکما کیف جاز علیکما اجتمعا
تک عوان علیاً ان یجعلہا شوری وقد ملتا انہ قد بالیہ المہاجرین
ولا لصاروا اہل الحجاز والعراق وان من رضیۃ خیر من کرہہ ومن

بالیغہ خیر میں لہریا لے کر دری بدخل لہجہ و بیہ فی الشوری
 وهو من الطلقاء الذین لا یجوز لہم الخلافۃ و ہودا بسوۃ
 من مر و من الا حزاب فتد ما علی مسیریہا
 و تا یا متدینین یدیدہ۔ پس بلا شک و شبہ رسول اللہؐ سلطنت اسلامی
 کے مالک و بانی کے ارشادات و اقوال سے اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے
 گفتار و کردار سے جمہور اسلام کے اتفاق و اجماع سے قطعاً مثل روز روشن ثابت اور
 ہریدہ ہے کسی کو انکار نہیں کہ علیؑ کی اطاعت رسول اللہؐ کی اطاعت اور رسول اللہؐ کی
 اطاعت خدا کی اطاعت اور علیؑ سے بغاوت رسول اللہؐ سے بغاوت اور خدا سے
 بغاوت ہے۔ اور علیؑ کا مخالفت علیؑ کا دشمن یقیناً رسول اللہؐ کا مخالفت اور دین اللہؐ
 کا مخالفت و دشمن ہے اور اسی طرح خدا و رسول کے حکم سے علیؑ کا طریقہ نفس رسول
 کا دین بانی اسلام رسول عربی کا دین ہے اور رسول اللہؐ کا دین خدا کا دین ہے اور جو چھو
 کا دین ہے وہی دین اسلام ہے۔

ان الدین عند اللہ الامسلام بیشک علیؑ سے ہی خدا نے اپنے دین کی نصرت
 فرمائی اور علیؑ سے ہی اپنے اسلام کی تائید و امداد فرمائی خدا شاہد ہے اور اس کا رسول
 بانی اسلام گواہ ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درہ منثور جلد ۳ ص ۱۹۹ سورہ انفال
 کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ عن ابو ہریرۃ قال مکوث
 علی العرش لا الہ الا اللہ انا و حدی لا شریک لی و محمد عبیدی و رسولی
 و ایدتہ لعلی و ذالک قولہ تعالیٰ هو الذی ایدک منجمہ و بالمومنین
 اور نیز قاضی عیاض اپنی کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ جلد اول ص ۹ میں لکھتے ہیں
 روی ابن قانع القاضی (عبد الباقی صاحب المعجم) عن ابی الحراء
 (ہلال بن الحارث قول رسول اللہ) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لہا اسری

بی الی السماء اذا علی العرش مکتوب " لا اله الا الله محمد رسول الله ایدتہ لعلی
 اور علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں جابر سے روایت کرتے ہیں۔ مکتوب صلی باب
 الحجۃ لا اله الا الله محمد رسول الله ایدتہ لعلی قبل خلق السموات والارض
 جلد اول ص ۱۲۵ پس رسول الہی کے ارشادات اور احادیث شریف بتا رہی ہیں اصحاب
 کے اقوال و افعال بتا رہے ہیں۔ تاریخ اسلامی کی کتابیں اور علمائے اسلام کی تصنیفیں
 دکھلا رہی ہیں تاریخی روایات اور زمانہ کے حالات کھلم کھلا بتا رہے ہیں کہ جب
 حضرت عثمان کے بعد مہاجرین و انصار بزرگان اسلام مقدس اصحاب رسول نے متفقہ
 درخواست اور مجتہد اتفاق سے رسول الہی کے سچے جانشین خلافت اسلامی کے
 حقیقی مالک تخت و تاج تھری کے اصلی وارث علی بن ابی طالب سے عملاً اور ظاہراً
 سلطنت محمدی اور خلافت اسلامی کے قبول کرنے کی التجا کی اور خلافت اسلامی کا چارج
 لیا تو جس طرح امیر معاویہ نے مسلمہ اور متفقہ امام و خلیفہ برحق نفس رسول علی ابن
 ابی طالب کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کیا۔ علی کی مخالفت میں علم بغاوت
 بلند فرمایا۔ خلافت رسول کے دعویدار بنے اور بزم خود حضرت عمر سے بھی زیادہ
 اپنے آپ کو خلافت کا اہل اور حقدار بتایا۔ ملاحظہ ہو تیسرے القاری شرح صحیح بخاری
 جلد ۴ پارہ ۱ ص ۱۱۱۔ امام بخاری نقل کرتے ہیں خطب معاویہ قال من
 کان یسید ان یتکلم فی هذا الامر فلیطعم لنا قرعہ خطبہ خواند معاویہ
 گفت کہے کہ میخواید اینکہ سخن کند دریں کار یعنی در امارت من پس گو بناید مرا سر
 خود یعنی حاضر شود فلننسخن بد ممتد کان امی پس ہر آئینہ ما سزاوار تریم بہ امر خلافت
 ازوے و از پدر و سے گفتہ اند کنایت از ابن عمر و عمر ابن خطاب کرد و این معنی
 از فضولی و غزوہ نفس اوست حاشا کہ وے از ابن عمر چہ بجائے عمر بہتر باشد
 قال حبیب بن مسلمہ فہذا حبتہ گفت حبیب بن مسلمہ پس چرا جواب ندادی -

تو اور اقبال عبد اللہ فحلت حیوتی و ممیت ان اقول گفت عبد اللہ ابن عمر کشام
 حیوة خود را و مقید کردم کہ گویم (حیوة جامہ کہ از کمر گذارند و بر دو زانو بنزدند و گلے
 بند دست نیز کنند بہر تقدیر کشادن حیوة کنایت از آمادگی کار است) الحق بهذا الامام
 منك من قاتلك و اياك على الاسلام سزاوار تر بہ این امر خلافت
 از تو کہے است کہ قتال کردہ ترا و پند ترا در حق اسلام یعنی شما کافر بودید و محاربہ
 کردید پیغمبر خدا را بر اسلام قسطلانی گفتہ کہ کنایت از امیر المومنین علی است کہ بوسے
 محاربہ کردی و قبول خلافت او نکردی فحشیت ان اقول کلمۃ تفرق بین الجمع
 و لتفک الدم پس تر سیدم من این را کہ گویم کلمہ را التفریق کند اجتماع را و بریزد خون
 مرا و خون مردم را و یحیی عنی غیر ذالک و ذکرک لما عہد اللہ فی الجنان و صل کردہ
 شود از من غیر آنرا از قتله و فساد و یاد کردم توانی یا کہ آمادہ است خدا بر صبرانہ
 مکروبات در بہشت ۔

پس اسی طرح علیؑ کے دین سے بھی (جو حقیقی دین رسول الہی کا ہے اور خدا
 کا دین ہے) علیحدہ ہو جانے کا اعلان اور اقرار فرمایا ۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۶
 ص ۵۵۵ اور تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۴۵ ، ۲۴۶ جب امیر معاویہ کے حکم سے کوفہ
 میں حضرت علیؑ کے دوستوں کو گرفتار اور قتل کیا جاتا تھا اور جر بن عدی بزرگوار رسول
 الہی کے صحابی مع بارہ شخصوں کے طوق و زنجیر میں گرفتار کر کے امیر معاویہ کے پاس
 شام میں لائے گئے تھے اور شہید کیے گئے تھے تو اس وقت کریم ابن عقیف غشمی
 سے امیر معاویہ نے فرمایا تمہا قال معاویہ ما تقول فی علی قال اقول فیہ
 قال قال اتبرأ من دین علی الذی کان بدين الله یہ صدقت و کہ معاویہ ان مجاہد
 طبری جلد ۶ ص ۵۵۵ علیؑ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو غشمی نے کہا میں وہی کہتا ہوں
 جو آپ کہتے ہیں ۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کہا کہ میں تو علیؑ کے دین سے جس پر اللہ

نے اس کو چلایا ہے بیزار اور علیحدہ ہوں۔ ہشتمی یہ سن کر خاموش ہو گیا۔

دراسات الیسیب میں علامہ معین لاہوری تحریر فرماتے ہیں کہ معاویہ لوگوں کو میرا

مذہب طریق علیؑ پر عمل کرنے سے روکا کرتے تھے ص ۷۷

بہر حال اس طرح امت کے خود ساختہ اصول کے مطابق بھی حضرت علیؑ اتفاق و

اجماع اصحاب سے خلیفہ تسلیم ہو گئے جیسا کہ علامہ عبدالبر استیعاب جلد ۲ ص ۴۸۸

میں لکھتے ہیں کہ بولیم لعلی بالخلافة یوم قتل عثمان واجتمع علیٰ بیعتہ المہاجرون

والانصار وتختلف عن بیعتہ منهم نفر اولیک قوم فعدوا عن الحق اولیک قوم

خذوا الحق ولہم بفسر والباطل یعنی تختلف ایضاً عن بیعت معاویہ من بعد فی جماعت

اخذوا النقام یعنی جس روز حضرت عثمان قتل ہوئے۔ اسی روز حضرت علیؑ سے خلافت کے لیے

بیعت ہو گئی اور بیعت علیؑ پر تمام مہاجر و انصار متفق ہو گئے صرف چند لوگوں

نے علیؑ کی بیعت سے انکار کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سے ہٹ کر بیٹھ گئے

یا اخول نے حق کو چھوڑ دیا مگر ان لوگوں نے باطل کی بھی مدد نہیں کی یعنی معاویہ کی

بیعت بھی نہیں کی لہذا اس سے اور اس کی جماعت اہل شام سے بھی علیحدہ رہے

جابر بن عبد اللہ انصاری۔ ثابت بن قیس و ثابت بن عبید انصاری۔ عمار یا سر

ابو ایوب انصاری۔ حبر بن عدی۔ نافع حذیفہ۔ بشیر بن ابی مسعود انصاری وغیرہ وغیرہ

رسول اللہ کے اصحاب کبار نے خدا و رسول کے حکم کے موافق علیؑ کی فرمانبرداری اور

اطاعت کا صدق دل سے اقرار کیا اور علیؑ کی رکاب میں شریک ہوئے۔

حضرت حذیفہ رسول اللہ کے مقدس و بزرگ صحابی صاحب ہر رسول اس

زمانہ میں بیمار ہیں۔ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہو جانے کی خبر سن کر گھر والوں سے

کہتے ہیں ہم کو مسجد میں لے چلو۔ مسجد میں جاتے ہیں۔ لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور

علیؑ کی خلافت حقہ اور ان کی صداقت و حقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں اور حضرت

علیؑ سے بیعت کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور بارگاہِ الہی میں اظہارِ شکر کرتے ہیں کہ خدا
تیرا شکر ہے کہ میں اس زمانہ علیؑ تک زندہ رہا پس علیؑ سے بیعت کا اقرار کرنے
کے بعد انتقال فرماتے ہیں اور اپنے دونوں بیٹوں صفوان و سعید کو بھی علیؑ کی بیعت
کرنے اور نصرت و امداد کرنے علیؑ کے شریک ہونے کی وصیت فرماتے ہیں۔ اسی لیے
ان کے دونوں سعادت مند بیٹے باپ کی وصیت کے مطابق علیؑ کی رکاب میں
حاضر رہے اور معرکہ صفین میں شریک ہوئے۔ استیعاب جلد اول ص ۱۷۱ ملائج
النہیۃ ص ۶۴۳۔

غرض جب اس طرف حضرت علیؑ نے تختِ خلافت الیہ اور سر پر سلطنت
محمدیہ کو زینت بخشی (علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء اور ابن حجر صواعق مرقہ
میں لکھتے ہیں کہ اس وقت ایک عرب نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر
عرض کی، قسم ہے خدا کی یا امیر المومنین خلافت نے تم کو زینت نہیں دی بلکہ آپ
نے خلافت کو مزین فرمایا اور خلافت نے آپ کی کچھ شان کو بلند نہیں کیا بلکہ آپ نے
خلافت کو رخت و شان بخشی ہے۔ آپ خلافت کے حاجت مند نہ تھے بلکہ خلافت
آپ کی محتاج تھی۔ صواعق مرقہ۔ تاریخ خلفاء)

بس ذرا ہی اس طرف
امیر معاویہ کی خواہش اور خلافت کی آرزو: بنی امیہ میں کھلبلی پڑ گئی
امیر معاویہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ حضرت امیر معاویہ حضرت عثمان کی حیات
سے ہی خلافت کا خواب دیکھ رہے تھے اور ابوسفیان کی اس وصیت کی بنیاد
پر جو حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے پر ابوسفیان نے حضرت عثمان سے کہا تھا کہ
اب یہ خلافت کی گیند ہمارے خاندان بنی امیہ میں آگئی ہے پس اب اس کو اس
خاندان سے نہ نکلنے دینا۔ بہشت و دوزخ کوئی چیز نہیں بس آخرت کا خیال خام

ہے۔ خلافت اب خاندان بنی امیہ میں گردش کرتی رہے جس پر حضرت عثمان نے اس کو لعنت ولامت کر کے ہال دیا تھا (نصائح کافیہ ص ۱۷۷ مدارج النبوة وغیرہ) غالباً یقین کیے بیٹھے تھے کہ بس اب حضرت عثمان کے بعد ہم ہی خلیفہ اور جانشین ہوں گے۔ عبدالرحمان ابھی فوت ہو چکے ہیں۔ مروان گورنر خلافت ہے مگر ہم سے زیادہ لائق و قابل نہیں ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ حضرت عثمان ان کی تجویز اور خواہش کے مطابق شام کو چلے جاتے تو یہ وہاں ضرور حضرت عثمان کی کمزوری طبع سے پورا فائدہ اٹھا کر استخلاف وصیت کی تدبیر کر کے اس اسکیم کو پورا فرما لیتے مگر یہ تدبیر ہی نہ چلی اور حضرت عثمان نے مدینہ چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ آخر امیر معاویہ صاحب تو خلافت کے خواب دیکھتے ہوئے حضرت عثمان کو اسی طرح بلا امداد چھوڑ کر چل دیے اور حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ انھیں بنی امیہ کی بدولت واقع ہو گیا اور اصحاب رسول بزرگان دین نے نفس رسول خلافت محمدیہ کے اصلی و حقیقی وارث علی ابن ابی طالب سے بڑھ کر رسول الہی کے ارشادات کے موافق کسی کو سچا ہادی و رہبر خلافت رسول کا اہل و مستحق نہ سمجھ کر حضرت علیؑ کو یہ التجا و اطاعت تخت خلافت پر بٹھا دیا اور الحق بیرجہ الی اصلہ حق بمقدار رسید (جیسا کہ خود علیؑ نے فرمایا ہے ویکھو خطیب) بس یہ خبر سنتے ہی حضرت امیر معاویہ کے سینہ سے قدیمی بغض و عناد اور خاندانی رشک جسد کا دھواں اٹھا بغاوت و مخالفت کی چنگاریاں سلگیں عداوت دشمنی کے شعلے بھڑکے۔ حضرت عثمان کے قتل کا یہاں نہ کراشا۔ نام نہاد انتقام اور بظاہر خون خواہی حضرت عثمان کے جال پھیلانے۔ عمرو عاص جیسے سیاسی اور پولیٹیکل مدیر کو حکومت مصر کا وعدہ دیا گیا اور امام امت خلیفہ برحق جانشین رسول سے جنگ کا ڈھونگ بچایا اور بغاوت کا پھر پرا اڑایا۔ اسلام میں فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیے رسول اللہ کا سچا ارشاد ہے کہ عمرو عاص اور معاویہ کبھی خیر نہ جمع نہیں ہوں گے

دیکھو عقد الفرید علامہ عبدالبر جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ عبادہ بن صامت صحابی رسول نے امیر معاویہ اور عمرو عاص کو دیکھ کر کہا۔ بینما نحن لیوم مع رسول اللہ فی غزاة تبوک اذا نظر الیکما لستیدان واما تتحدان فالفتن الیہما فقال اذا لایتموہما اجتماعا ففرقوا فانہما لا یحققان علی الخیر ابدا (یعنی ہم دو ایک جب رسول اللہ کے ساتھ غزوہ تبوک میں جا رہے تھے کہ رسول اللہ نے تم دونوں کو اکٹھا ہی چلتے اور یا ہم کچھ باتیں کہتے ہوئے دیکھا تو ہماری طرف التفات فرما کر ارشاد کیا کہ جب تم لوگ ان دونوں (معاویہ اور عمرو عاص) کو جمع دیکھو تو ان کو علیحدہ کر دینا۔ تحقیق یہ کبھی خیر پر جمع نہ ہوں گے۔

نیز نصائح کافیہ ص ۹۴ اخرج الطبرانی فی البیرواہی عن عساکر عن شداد بن اوس عن رسول اللہ ۳ انہ قال اذا رایتم معاویہ وعمرو بن العاص جمعا ففرقوا بینہما فواللہ ما اجتمعا الا علی غدر۔ علامہ طبرانی نے کبیر اور ابن عساکر نے شداد بن اوس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم معاویہ اور عمرو عاص کو اکٹھا دیکھو تو ان دونوں کو علیحدہ کر دینا۔ قسم ہے خدا کی یہ دونوں نہیں جمع ہوں گے مگر غدر پر۔

القصہ جس طرح امیر معاویہ نے خدا و رسول کے حکم کے برخلاف مسلمہ اور متفقہ جانشین رسول خلیفہ برحق امام ہادی درمیر حضرت علی ابن ابی طالب کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر کے اور حضرت عثمان کی خون خواہی و انتقام کا بہانہ بنا کر علی خلیفہ وقت سے بغاوت کا جھنڈا بلند فرمایا اور خلافت کے دعویدار بنے بلکہ بزعیم خود اپنے آپ کو حضرت عمر سے بھی زیادہ افضل خلافت کا اہل اور حقدار بتایا۔ ملاحظہ ہو شرح صحیح بخاری تیسرے القاری جلد ۴ پارہ ۵ ص ۱۵۱۔

امیر معاویہ نے علیؑ کے دین پر ہونے سے انکار کیا: جس طرح
حضرت علیؑ سے بغاوت اور جنگ کی اور جس طرح علیؑ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے

انکار فرمایا اسی طرح علیؑ کے دین و مذہب سے بھی (جو مسلمہ اور متفقہ حسب ارشاد رسول علیؑ کا دین رسول کا دین اور خدا کا دین ہے) علیحدہ ہو جانے اور بیزار ہو جانے کا اعلان فرما دیا کہ ہم علیؑ کے دین پر نہیں ہیں۔ کبھی دربار شام میں تخت خلافت پر بیٹھ کر اور کبھی مسجد میں منبر پر چڑھ کر۔ دیکھو تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۵۵ اور تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۶۶ جبکہ حجر بن عدی مقدس صحابی رسول کو مع ان کے ہمراہیوں کے علی کی محبت کے جرم میں گرفتار کر کے طوق و زنجیر پہنا کر زیاد نے امیر معاویہ کے پاس شام میں بھیجا جو مع چند ساتھیوں کے جو امیر معاویہ کے حکم سے شہید کر دیے گئے حجر کے ہمراہیوں میں کریم خشمی بھی تھے۔ انھوں نے خواہش کی کہ معاویہ کے پاس ہم کو لے چلو امیر معاویہ جس طرح کہیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ چنانچہ معاویہ کی منظوری سے ان کو امیر معاویہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ تب یہ معاویہ کے سامنے آئے تو انھوں نے خشمی سے کہا اللہ اللہ یا معاویہ انک منقول من هذه الدار الزائدا الى الدار الاخرى الا ايمته ثم مسئل عما اردت بسفك دمايه فقال ما تقول في علي قال اقول فيه قولك قال اتهموا من دين علي الكذبي بدين الله به فسكت يعني خشمی نے معاویہ سے کہا اللہ اللہ اے معاویہ (یعنی اے معاویہ خدا کو یاد کر) تم ضرور اس کے نائل ہونے والے گھر یعنی دنیا سے آخرت کے ہمیشہ رہنے والے گھر کو جانے والے ہو یعنی تم بھی ضرور مرو گے اور پھر وہاں تم سے ضرور اس ناحق خون بہانے کی بابت سوال کیا جائے گا۔ معاویہ نے خشمی سے کہا تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس نے کہا جو تو علیؑ کی بابت کہتا ہے۔ معاویہ نے کہا میں تو علیؑ کے اس دین سے جس دین پر خدا نے ان کو قائم کیا علیحدہ اور بیزار ہوں۔ یہ سن کر خشمی خاموش ہو گیا۔

نصائح کافیہ ص ۶ میں علامہ ابوالفتحان حافظ کی کتاب الرد علی الامامہ سے منقول

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں پس وہ عدل مطلق رسول الہی بانی اسلام علی کی عدالت کو مثل اپنی عدالت کے ارشاد فرماتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ علیؑ کا ہاتھ اور میرا ہاتھ عدالت میں برابر ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد اول ص ۶۹ میں مستند اور صحیح روایت درج کرتے ہیں کہ حبشی بن جنادہ بیان کرتا ہے۔ قال كنت جالسا عند ابي بكر فقال من كان له حجة عند رسول الله وله عدة فليقم فقام رجل قول طليق ابن طليق حزب من الاحزاب لهم ميزل حريا لله ولرسوله هو والبوة حتى دخلوا في الاسلام كانوا من رسول الہی کی وہ حدیث شریف پڑھو جو صحیحے درج کی جا چکی ہے کہ علیؑ کا وہ ایمان کامل ہے جس کا امتحان بار بار ہو چکا ہے۔ پس بلا شک علی اصل ایمان ہے اور علیؑ کا وہی دین ہے جو رسول الہی کا دین ہے اور رسول الہی کا وہی دین ہے جو خدائے وحدہ لا شریک کا دین ہے پس جو علیؑ کے دین پر ہیں وہ رسول کے دین پر ہیں اور جو رسول کے دین پر نہیں وہ خدا کے دین پر نہیں اور جو خدا کے دین پر نہیں اُسے خلا سمجھے۔

اسی سے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کی بھی تصدیق ہوتی ہے جس کو تواتر کے ساتھ تمام علمائے اسلام نے اپنی کتب احادیث میں درج فرمایا ہے کہ علیؑ کا دشمن منافق ہے۔ دین سے بے بہرہ ہے۔ علیؑ کا محب حقیقی مومن اور سچا مسلمان ہے۔ طاعظ ہو انالہ الخفار شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مقصد دوم ص ۲۶۴۔ علیؑ فرماتے ہیں کہ بعهد النبی الی انہ لا یحبونی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق۔

نیز ص ۲۶۲ حضرت ابوذر فرماتے ہیں ہم نہیں پہچانتے تھے منافقین کو مگر ان باتوں سے کہ خدا و رسول کی تکذیب کرنے والا ہو تارک نماز ہو اور علیؑ سے دشمنی رکھنے والا ہو۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ہم مومن و منافق کو علیؑ کی محبت یا دشمنی سے

پہچانتے تھے یعنی علیؑ سے دوستی و محبت کرنے والا مومن اور علیؑ سے دشمنی کرنے والا منافق۔ انالہ الحقا ص ۲۶۲۔

حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں سمعت رسول اللہ یقول لعلی یا علی طوبی لمن احبک وصدق فیک وویل لمن بغضک وکذب فیک یعنی رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا یا علیؑ خوشحال ہے اس شخص کا جو تم سے محبت کرے اور تمہاری تصدیق کرے اور ویل ویرائی ہے اس کے لیے جس نے تم سے دشمنی کی اور تمہاری تکذیب کی۔ ازالہ الحقا ص ۲۶۳۔

امام احمد حنبل لکھتے ہیں۔ من ام سلمہ قالت قال رسول اللہ لعلی لا یبغضک مومن ولا یحبک منافق۔ مسند احمد حنبل ص ۲۹۲۔

پس یہ ہی علیؑ کا دین اور یہ ہی علیؑ کا ایمان اور اسلام ہے مگر حضرت امیر معاویہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم علیؑ کے دین سے علیحدہ اور علیؑ کے اسلام سے بیزار ہیں نہ ہمارا وہ دین ہے جو علیؑ کا دین ہے نہ ہمارا وہ اسلام ہے جو علیؑ کا اسلام ہے (خدا بے جلیل کا کلام پاک ما محمد الا رسول افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم) یعنی اگر ہمارے رسول محمد مصطفیٰؐ وفات پا جاوے یا شہید ہو جاوے تو تم کفر پر پھیل کھڑے ہو جاؤ گے) اسی پر روشنی ڈال رہا ہے اور بدولتہ اللہ کفر کی تفسیر میں حضرت عمر خلیفہ دوم بھی فرما رہے ہیں کہ دین اسلام کو کفر سے تبدیل کرنے والے بنی امیہ ہی ہیں۔ (اور اس میں کوئی شک و شبہ بھی نہیں کہ بنی امیہ کے سربراہ اور خلافت و سلطنت اموی کے بانی مہابی حضرت امیر معاویہ ہی ہیں) اس کی تائید میں امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ امیر معاویہ جبر و کراہت سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور رضا و رغبت کے ساتھ اسلام سے نکل گئے۔ دیکھو نصارح کافیہ ص ۲۶۷ اور قول علامہ ابن اثیر کہ علیؑ نے امیر معاویہ کے متعلق فرمایا۔ طلیق ابن طلیق

حزب من الاحزاب لم یزل حرباً للہ ولرسولہ ہوا ابوہ
حتی دخلوا فی الاسلام کا دھیت ۔

خدا نے جلیل کی ہستی کو ماننے والے یقیناً جانتے اور مانتے ہیں کہ وہ علیم مطلق عالم
کان مایکون دنیا کا مالک اپنی جملہ مخلوق کا خالق و صانع اپنی ہر ایک مخلوق و مصنوع
کے حسن و قبح اور نیک و بد حالات سے واقف اور دنیا کے گزشتہ و آئندہ ہونے والے
واقعات کا کامل علم رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی اس دنیا میں
کیا کیا واقعات گزریں گے اور کیا کیا حالات واقع ہوں گے ۔ اس کے بندے کیا کیا
کریں گے ۔ کون اس کی ہدایت کے مطابق صراطِ مستقیم پر چل کر اس کے مطیع و
قربانہ و مخلص بندے کہلانے کے مستحق ہوں گے اور کون ان کی شاہراہ ہدایت کو چھوڑ
کر نفس پرستی کا گردیدہ ہو کر ائمہ یدعون الی النار کا تمغہ حاصل کر گیا اور دنیا کے لیے
موجبِ فتنہ و فساد ہو گا اور اس کی خبر اپنے مخلص برگزیدہ بندوں کو بھی جن کو چاہا دی
اور ان مقدس ہستیوں حاملانِ علم الہی نے حسبِ مناسب بطورِ پیشین گوئی لوگوں کی
آگاہی اور تنبیہ کے لیے اس کو ظاہر بھی فرما دیا جیسا کہ آنحضرت ختمی مرتبہؐ نے
اپنے مابعد کے واقعات ، اسلام میں خرابیاں پیدا ہونے اور مسلمانوں کے ناوِ ہدایت و
مستقیم کو چھوڑ دینے کی اطلاعیں دیں اور ان ہونے والے حالات کی خبریں بطورِ پیشین
گوئی فرمائی ہیں جس طرح علیؑ کی صداقت و حقانیت کو ظاہر فرماتے ہوئے علیؑ کو برسرِ
حق بتایا اور علیؑ کی پیروی و اطاعت کو راہِ ہدایت و صراطِ مستقیم فرمایا اسی طرح اس
مخیر صادق عالم علم الہی نے یہ بھی خبریں دیں کہ تم لوگ پھیل کھڑیوں ہٹ جاؤ گے
علیؑ کی اطاعت و قربانہ واری سے انکار کر دو گے ۔ علیؑ سے حق لفتیں اور مقابلہ آریا
اور لڑائیوں کے ڈسنگ ڈالو گے ۔ علیؑ کی لمارت سے منکر ہو جاؤ گے ۔ فتنہ و فساد
کے دروازے کھول دو گے ۔ سچے اسلام کو چھوڑ دو گے ۔ شام سے فتنے اٹھیں گے

اور امیر معاویہ مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ بنیں گے۔ خلافت کا کثرتہ پہن بیٹھیں گے جس میں سوائے شر و فساد کے خیر نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۷۱ میں امام حاکم سے بروایت ابن مسعود جہاں سات فتنوں کو بیان کرتے ہیں۔ وہاں درج ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا فتنۃ یقبل من الشام فتنۃ الشام من قبل بنی امیہ یعنی ملک شام سے فتنہ لکھے گا اور یہ فتنہ بنی امیہ ہیں۔

پھر امام طبرانی سے بروایت ام المومنین حضرت عائشہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے امیر معاویہ سے فرمایا۔ اے معاویہ جب تم کو خلافت کا کثرتہ مل جائے گا تو تمھاری کیا حالت ہوگی۔ ان کی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ کیا ایسا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ایسا ہوگا لیکن فیہ ہنات و ہنات و ہنات مگر اس میں شر و فساد اور فتنہ ہی فتنہ ہے۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۷۱۔ پس کسی شخص کے متعلق کوئی پیشین گوئی کسی واقع ہونے والے امر کی غیر اودہ بھی جب فتنہ و شر کے الفاظ سے مملو ہو اور اس کے بڑے نتیجہ کی اطلاع کو بھی ظاہر کر رہی ہو تو کبھی اس شخص کے برسرِ حق ہونے اور اس کے سچے اور صادق خلیفہ و امیر بننے کے لیے محبت اور دلیل نہیں ہو سکتی اور اس کا دعویٰ حقیقتاً غلط اور اس کا قبضہ یقیناً غصب اور ظلم ہے اور ایسے ہی ایک نااہل ظالم و غاصب کا زور پا جانا اور لالچ یا ظلم و جبر کے خوف سے دنیا کا اس کے ساتھ ہو جانا اس کے لیے صداقت و حقانیت کی کوئی دلیل قرار نہیں پاسکتی اور ایسے ہی کسی سچے امام خلق اور حقیقی ہادی و رہبر کی امامت اور دنیا کا نہ ماننا امت کا اجماع نہ کرنا۔ کسی سچے ہادی و رہبر اور حقیقی امام کی امامت و خلافت کو کسی طرح نہیں توڑ سکتا۔ رسول اللہؐ نے علیؑ سے خود فرمایا کہ یا علیؑ تم مثل کعبہ ہو۔ لوگ تمھاری طرف

آئیں نہ تم لوگوں کی طرف جاؤ۔ دیکھو صواعقِ حرقة بس اس کعبہ حقیقی نے اسی پر عمل فرمایا۔ کبھی خلافت کے لیے دھوڑ دھوپ نہ کی مگر اسلام کی حمایت و حفاظت سے بھی کبھی پہلو تہی نہ فرمائی اور اظہارِ حق سے کبھی خاموش نہ رہے اور جب لوگوں نے خواہش کی اور مجبور کیا تو ظاہری خلافت کو بھی قبول فرمایا۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی۔ سنتِ رسول اور طریقہ نبوی کو زندہ فرمایا جو ہدایت کا طالب اور حق و صداقت کا پیاسا آیا اُسے کو ٹری چشموں سے تیزاب کر دیا اور ہدایت کے جامِ پلا دیے اور جو ناجائز حکومت اور دولت کے طلبگار علیؑ سے پھرے اور علیحدہ ہو گئے ان کی پرواہ بھی نہ کی نہ اظہارِ حق سے کبھی منہ موڑا اور نہ طریقِ رسول کو کبھی چھوڑا مگر بنی امیہ اور طالبانِ دنیا کا ہمیشہ سے یہی حال رہا ہے کہ کعبہ کے جانے والے کعبہ کو جائیں گے ہم اپنے کوئے یار کو کچھ بنائیں گے۔ دنیا اگر سچے ہادیِ امام کو چھوڑ کر شام کی زخیزوں اور بنی امیہ کی زرباشیوں پر مائل اور راغب ہو گئے تو بلا شک علیؑ کی امامت اور خلافت میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا اگر دنیا طلبی اور دولت پرستی سے امت کا اجماعِ خلافت حکمِ خدا و رسول رسول کے بتائے ہوئے رسول کے حقیقی جانشین سچے ہادی و رہبر علیؑ و مرتضیٰ پر نہ ہو تو علیؑ کی سچی خلافت و امامت میں کوئی نقص نہیں پڑ سکتا اور کوئی نااہل و ناقابلِ مکر و فریب کی چالیں چل کر لوگوں کو ملک اور دولت کے ناجائز لالچ دیکر اور ظلم و تشدد کے جابرانہ زور ڈال کر اپنی طرف کھینچ کر اور سچے خلیفہ رسولِ امام برحق حقیقی امیر المؤمنین سے مقابلہ آرائیاں اور جنگ آزمائیاں کر کے مسلمانوں کا امیر اور اسلام محمدی کا سلطان اور خلیفہ رسول بن بیٹھتے تو وہ کبھی سچا امام اور اصلی خلیفہ رسول نہیں کہا جاسکتا۔ نمرود اور نمرودیوں کا اجتماع نہ نمرود کو خدا بنا سکتا ہے اور نہ خلیل الہی کی تخلیق و امامت میں کوئی خلل ڈال سکتا ہے۔ نہ فرعون و فرعونوں کی کثرت موسیٰ و ہارون کی رسالت الہیہ اور خلافت کو مٹا سکتی ہے اور نہ فرعون کو انار بکھم الاعلیٰ کہنے کا سچا و عویدار بنا سکتی ہے۔

پس صاحبان عقل و فہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ علیؑ کے مخالفوں بنی امیہ کے طرفداروں
امیر معاویہ کے عاشقوں کا یہ بیان کہ علیؑ پر تو امت کا اجماع نہیں ہوا مگر حضرت امیر
معاویہ رسول اللہؐ کی پیشین گوئی اور خیر دہی کے موافق خلیفہ بنے اور ان پر اجماع امت
ہو گیا اس لیے معاویہ مستحق خلافت اور مسلمانوں کے سچے امیر اور خلیفہ ہیں کہاں تک
قابل وقعت اور صحیح ہو سکتا ہے۔ حدیث و سیر اور مستند تاریخوں سے بخوبی ثابت ہے
کہ باقی اسلام اور بزرگان دین نے کبھی امیر معاویہ صاحب اور ان کے بنائین بنی امیہ کو
خلافت رسول اور امارت اسلام کے قابل نہیں سمجھا اور ہمیشہ باعث فتنہ و فساد اور
خرابی اسلام ہی بتایا اور باغی و طاعی و عاصی ہی فرمایا۔ کبھی ذیل بنی امیہ کا ارشاد ہوا تو
کبھی فرمایا کہ عمرو عاص اور معاویہ کا اجتماع کبھی سوائے غدر کے خیر پر نہ ہوگا۔

باقی اسلام اور اصحاب کبار نے امیر معاویہ اور حدیث و سیر اور مستند

بنی امیہ کی خلافت کو مسلمانوں کی سچی امارت نہیں فرمایا معتبر تاریخوں سے ثابت

ہے کہ باقی اسلام علیہ الصلوٰۃ

والسلام اور بزرگان دین اصحاب کبار اور آئمہ علیہ السلام نے امیر معاویہ اور ان کے جائزینوں

بنی امیہ کی خلافت و امارت کو رسول الہی کی سچی خلافت اور مسلمانوں کی سچی اور حقیقی امارت

نہیں فرمایا بلکہ برائی سے ہی یاد فرمایا اور اسلام کے لیے موجب فتنہ و فساد اور خرابی ہی بتایا

اور امت اسلامی کو ان سے بچنے ہی کی ہدایت فرمائی۔ رسول عربیؐ کے ارشادات کو ملاحظہ فرماؤ

کبھی ذیل بنی امیہ کا ارشاد ہوا تو کبھی فیہ ہنات و ہنات و ہنات سے یاد فرمایا اور

لکلّ دین آفتہ و آفتہ هذا الدین بنو امیہ فرمایا گیا۔ نصاریٰ کا فیہ صلت اور کبھی یہ

فرمایا کہ عمرو عاص اور معاویہ دونوں کبھی سوائے غدر کے خیر و صلاح پر اکٹھے نہ ہوں گے

و یکمیر نصاریٰ کا فیہ صلت اور کبھی لیلیم من هذا العن رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فظلم معاویہ

یعنی اس راستے سے جو شخص آ رہا ہے وہ میری امت سے ہے مگر میری امت اور میرے دین پر نہیں ہے پس اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اسی وقت امیر معاویہ اسی راستے سے ظاہر ہوئے اور قال اذا رايتهم معاوية على منبري فاقتلوا (یعنی رسول اللہ نے فرمایا جب امیر معاویہ کو میرے منبر پر چڑھا دیکھو تو اس کو قتل کر دو) ارشاد فرما کر کھلم کھلا اور صریح الفاظ سے ظاہر فرمادیا کہ اس سے مراد سچی خلافت رسول اور اسلام کی حقیقی امارت نہیں ہے بلکہ اسلام کے لیے فتنہ و فساد اور موجب گمراہی و ضلالت ہے (تاریخ کبیر طبری جلد ۲ ص ۳۵۷) فرمان ماموں رشید معتمد باللہ (نصائح کافیہ علامہ عضلی ص ۲۵) نیز دیکھو حضرت عمر خلیفہ دوم کلام پاک الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے اسلام کی نعمت الیہ کو کفر سے بدل دیا اور کافر ہو گئے وہ بنی امیہ اور بنی مخزوم ہیں۔ تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی ص ۸۳ پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم اور نیز علامہ طبرانی نے حضرت عمر سے روایت فرمائی ہے۔ ان رسول اللہ قال اکثر ما اتخوف من بعدی رجل یتادی القرآن لیقعد علی غیر مواضعہ و رجل یتادی انہ احق بهذا الامر من غیرہ۔ نصائح کافیہ یعنی حضرت عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ بہت خوف فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بعد ایک شخص قرآن کو ایسی جگہ رکھے گا کہ جہاں اس کا مقام نہیں ہے۔ وہ شخص دعویٰ کریگا کہ وہ امیر خلافت کے لیے زیادہ حق دار ہے ظاہر ہے کہ صفین کے معرکے میں امیر معاویہ نے قرآن کو نيزوں پر بلند کیا جو یقیناً قرآن شریف کے رکھنے کی جگہ نہیں ہے اور علیؑ سے اپنے آپ کو زیادہ تر مستحق خلافت بتایا۔ علی نفس رسول باب علوم نبوی نے کھلم کھلا ارشاد فرمایا کہ امیر معاویہ مضلین میں سے ہیں۔ ما کنت مستحق المضلین حصدا ہم گمراہوں کو اپنا دوست اور مددگار نہیں بنا سکتے۔ مدارج النبوة شاہ ولی اللہ ص ۶۳ اور نیز امیر معاویہ کے علم بغاوت بلند کرنے اور علی سے جنگ و مقابلہ کرنے پر خود امیر معاویہ کو تحریر فرماتے ہیں اور معاویہ کی خفیقت

اسلام کو ظاہر فرمادیتے ہیں۔ معاویہ کو لکھتے ہیں کہ دخلت فی الاسلام کرہا و
خرجت منه طوعاً تم مجبور و تنگ ہو کر یا کراہت مسلمان ہوئے اور پھر جب موقع آگیا تو بخوشی و
رعیت اسلام سے نکل گئے۔ نصاریٰ کا یہ ص ۲۷۰ - تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۱۱

امام حسن علیہ السلام کا ارشاد :
فرزند رسول سبط اکبر حضرت امام حسنؑ کے خطبوں
اور ارشادات کو دیکھو کہ حضرت امام حسنؑ نے بھرے

مجموعوں میں معاویہ کے سامنے بھی اور معاویہ کے پیچھے بھی کھلم کھلا کیا کیا فرمایا کہ معاویہ
خلافت رسول کا اہل نہیں ہے اور ہم سے زیادہ کوئی حقدار خلافت اور جانشینی رسول
کا اہل نہیں ہو سکتا مگر تمہاری بیوفائیاں اور روگردانیاں ہم کو مجبور کر رہی ہیں کہ ہم اس
امر خلافت کو جس کے لیے معاویہ تمہارے خون بہانے اور لوٹ مار غارت کرنے کے
لیے نکلے ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اسی طرح تم کو ان کے قتل و غارت سے بچالیں تاریخ کبیر
طبری جلد ۶ ص ۹۲ - تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۰۶ وسیلۃ النجات ص ۲۵۱ نزل الابرار
علامہ بدخشی ص ۵۷ سعادت الکوین ص ۲۵ اور تذکرہ خواص الامہ علامہ سبط ابن جوزی
ص ۱۱۳ و ص ۱۱۴ وغیرہ وغیرہ۔

پھر تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۱۵ پر امام حسن علیہ السلام کے اس خطبہ کو دیکھو جو کوفہ
میں بعد مصالحت امیر معاویہ اور عمرو عاص اور ولید و غلبہ کی دریدہ دہنیوں کے جواب
میں ان کے رویہ و پھرے مجمع میں فرماتے ہیں۔ معاویہ سے ارشاد ہوتا ہے انت یا
معاوید لظلم البنی الیک یوم الاحتزاب فرای اباک جل بحوض الناس علی قتالہ
وانت لیتود الحمل وانت تسوقہ فقال لعن اللہ الراكب والقائد
والسائق وما قتلہ ابوک فی موطن الا ولعنه دکت معہ دلاک عمر
الشام فختنه فہ دلاک عثمان فترکت علیہ

امام حسینؑ کا ارشاد۔ اب دیکھو سبط اصغر فرزند رسول امام حسینؑ نے حضرت امیر

معاویہ کو ہمیشہ لقب طاعنی سے ہی یاد فرمایا اور حضرت عبداللہ ابن زبیر نے بھی اسی کی تائید فرمائی۔ دیکھو تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۸۹ اور تاریخ کامل جلد ۴ ص ۷ وغیرہ۔ امیر معاویہ کی وفات پر حبيب حاکم مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کو بیعت یزید کے لیے بلایا تو یہ دونوں حضرات اس وقت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے قاصداً تھا ہے اور کہتا ہے کہ امیر کے پاس چلو عبداللہ ابن زبیر حسین سے پوچھتے ہیں کہ یہ بے وقت طلبی کس لیے ہے حسینؑ فرماتے ہیں کہ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بڑا طاعنی یعنی امیر معاویہ فوت ہو گیا ہے اور ہم کو بیعت یزید کے لیے اس وقت بلایا ہے تاکہ اس خبر کے شائع ہونے سے پہلے ہم سے بیعت لے لی جاوے۔ عبداللہ ابن زبیر کہتے ہیں میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔

اور بزرگان دین حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر۔ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس وغیرہ حضرات نے ہمیشہ ایسا ہی سمجھا کسی نے ہر قل و کسریٰ سے شاید بتایا اور کسی نے فرمایا الحق یہ الامر منك من قاتلک و اباک علی الاسلام یعنی اسے معاویہ امیر خلافت کے لیے تجھ سے زیادہ مختار ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام پر جنگ فرمایا (یعنی علیؑ) یہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا ارشاد ہے دیکھو صحیح بخاری جلد ۴ پارہ ۵ ص ۱۱۱ تیسرے القاری۔

حسن بصری نے جو امام کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اور بزرگان دین میں شمار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ کی نسبت جو ارشاد فرمایا ہے یہ سچے درج کیا جا چکا ہے کہ قال حسن البصری
اربع خصال کن فی معاویہ لولہ لکن فیدہ و احدة فکانت مولفہ انتفا
علی هذه الامّة بالمسیت حتی اخذ الامر من غیر مشورۃ و فیہ
بقایا الصحابة ذ و الضمیلۃ معاویہ میں چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر ایک بھی
ہو تو عذاب ابدی کے لیے کافی ہے۔ معاویہ نے امت محمدی پر تلوار کھینچی بغیر مشورہ خود
خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ اس سے بہتر لوگ اصحاب صاحبان فضل و بزرگی اس وقت موجود

تھے دیکھو دیکھو (تاریخ کیرٹری - تاریخ کامل - تاریخ القضاہ)

امام شافعی کا قول

الامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ کو گواہی اور شہادت

کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔ روضۃ المناظر علامہ ابن الولید رابی

الشحنہ بر حاشیہ مرقع الذهب جلد اول ص ۲۲ روى عن الشافعی انه السوالی

المربع ان امرأۃ من الصحابة لا تقبل لھم شہادۃ معاویہ وعمرو عاص والمغیرہ وزیاد

اور بزرگان دین اصحاب رسول کریم جو امیر معاویہ کی اصلیت و حقیقت سے بخوبی

واقف ہیں کھلم کھلا ظالم و نااہل ناقابل خلافت و امامت بتلاتے اور ہمیشہ ان کی مخالفت

کرتے رہے۔ حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر نے ہر قل و کسریٰ سے مشابہ بتایا تو عبداللہ بن

عمر نے بھی نرم الفاظ میں فرمادیا کہ معاویہ سے بہتر اور زیادہ مستحق امر خلافت وہی شخص ہے

جو اسلام پر معاویہ اور معاویہ کے باپ سے جنگ فرماتا رہا ہے یعنی علیؑ۔ علامہ ابن قیم

کی سیاست والامامہ میں ص ۱۶۲ و ص ۱۶۵ سے اس خط و کتابت کو ملاحظہ فرمایا جاوے

جو امیر معاویہ نے شرفار مکہ معظمہ کے نام لکھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو تحریر کیے گئے۔ سعد

ابن ابی وقاص کی خوشامدی کی گئیں۔ ان بزرگواروں کی عظمت و بزرگی اسلامی کے اعتراف

کیے گئے۔ یہ سب کچھ خوشامدی کی گئیں۔ علیؑ کے معاذ اللہ نقص و عیب لکھے گئے۔ ان بزرگوں

کو علیؑ سے توڑنے اور اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بہت کچھ کوششیں کیں۔ ہاتھ پاؤں

مارے مگر سب نے امیر معاویہ ہی کو خطا دار اور گنہگار بتایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ

تم ناقابل و نااہل ہو۔ شرفار مکہ و مدینہ نے جواب لکھا کہ اما بعد فانک اخطات

خطاء عظیماً و اخطات مواضع النضرۃ و تناولتھا من مکان لبعید و ما

انت و الخلاقۃ یا معاویہ وانت طلیق و ابوک من الاحزاب فکف عنا

قلیس لک قبلنا ولی و نصیر سعد ابن ابی وقاص جواب میں لکھتے ہیں اما بعد

فان اهل الشوری لیس منهم احق بها من صاحبہ غیر ان علیاً کان من السابقۃ

ولم یکن فینا ما فیہ فشاركنا فی محاسننا ولحد لشارکہ فی محاسنہ وکان
 احقنا لکنا بالخلافۃ ولکن متعادیر اللہ تعالیٰ الیٰ حرۃ ہا حیت
 شاعر لعلہ وقد علمنا انہ احق بہا مننا ولکن لحریت بہمن الکلام
 فی ذالک والتشا جرد عذا۔ واما امرک یا معاویۃ فاذلک امر کرہنا ازلہ واخرہ ^{ابن قتیبہ}
 محمد بن سلمۃ الانصاری نے امیر معاویہ کو جواب میں لکھا ولعمریٰ یا معاویہ ما طلعت الا
 الدنیاء ولا اتبع الا الیہوی ولہی کنت نصرت عثمان متبیا لقد خذلتہ حیا ^{۱۶۶}
 حضرت ابوہریرہ گو امیر معاویہ کے دسترخوان کے شیدائی ہیں مگر امیر معاویہ کو کسی
 طرح خلافت کا اہل نہیں جانتے۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوہریرہ دونوں صفین کے
 مقام پر معاویہ کو علی الاعلان کہتے ہیں کہ اے معاویہ علیؑ تجھ سے افضل اور سابق
 ہیں وانت طلیق والوک من الاحزاب۔ تو طلیق ہے اور تیرا باپ رسول الہی
 سے جنگ اور لڑائیاں لڑتا رہا تو کسی طرح خلافت کے قابل نہیں۔ امامت والنیاست
^{۱۶۷} و ^{۱۶۸} عبدالرحمان بن عثمان کی گفتگو جو انھیں ہر دو بزرگوار صحابیوں رسول
 کریم یعنی حضرت ابوہریرہ اور ابوہریرہ سے ہوئی ہے پڑھنے کے قابل اور سننے کے لائق ہے
 ابن قتیبہ دیموری لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ اور ابوہریرہ حمص کے مقام پر عبدالرحمان
 بن عثمان سے ملے۔ عبدالرحمان نے ان سے پوچھا کہ کہاں گئے تھے اور کہاں سے آ
 رہے ہو۔ انھوں نے قصہ بیان کیا کہ معاویہ کی خواہش پر علی سے قاتلان عثمان کو طلب
 کرنے اور خلافت کو بذریعہ مجلس شوریٰ ملے کہا مذکی درخواست کرنے گئے تھے۔ یہ سن
 کر عبدالرحمن نے کہا العجب منکم انکم من صحابۃ رسول اللہ اما واللہ لسن
 کففتما ایدیكما ما کففتما استکم امان علیا ویطلبان الیہ قتلۃ عثمان
 وقد علمتا ان الیہا جرمین والانصار لوجوہوا دم عثمان لفردک وبالعیوا
 علیا علی قتلۃ فہل فعلوا واعجب من ذالک رغبتكما عن ما حدعوا

وقولكما على اجعلها شورى واخضعها من عنفك وانكما ليعلمان ان
من رضى على خير ممن كره به وان من باليه خير ممن لم يباليه ثم امرتما
رسلى رجل من الطلقاء لا تحل له الخلافة ففتشا قوله وقولهما فهم
معاوية ليعنله ليعنله ثم رأت فيه عشيرة (ابن قتيبة جلد اول ص ۱۷۱)

نیز استیعاب عبدالبر۔ امیر معاویہ نے حبیب قیس ابن سعد کو حکومت عراقین
کے جالوں میں پھنسانا چاہا اور اپنے ساتھ ملائے کی کوششیں کی تو حضرت قیس نے
یلائے خلافت و امارت کے متوالے امیر معاویہ کو جو جواب لکھا ہے وہ بھی لائق دید
ہے تاریخ کامل جلد ۱۳۶ ص ۱۳۶ فلما قراء قیس کتابہ و رای انه لا یقدم معہ المناقاة
والمماطلمة اظهر الله ما فی نفسه فكتب الله اما بعد ما انجب من اغترارك
لی وطعك فی دامتسقا تلك ایای التوسنی الخرج عن طاعة اولى الناس
بالامارة واقولهم بالحق واحد اهم سبیلہ و اقربهم من رسول الله وسیلہ و اما صرفی
بالدخول فی طاعتك طاعة بعد الناس من هذا الامر واقولهم بالمزور و اصلهم
سبیلہ و البعد هم من رسول الله وسیلہ و لدخا لاین مضلین طاعت من طواغیت ابلیس۔
حضرت عبداللہ ابن عباس کو بھی خط لکھا گیا تھا جواب بھی مندرجہ ذیل قابل ملاحظہ
ہے۔ ابن قتیبة ص ۱۸۵ عبداللہ ابن عباس نے بھی امیر معاویہ کے اس خط کا جواب
لکھا۔ علامہ دینوری نے امامت و سیاست جلد اول ص ۱۸۴ میں نقل کیا ہے۔ قال لہما
اتی کتاب معاویہ الی ابن عباس ضحك ثم قال حتی مق یخطب الی معاویہ عقلی و
حتى و متی اجمع لہ عما فی نفسی مکتب بعد الحمد لله اما بعد فقد جاء فی کتابک فاما ما
ذکرت من سریننا بالمساعة الی انصار عثمان لسلطان بنی امیہ فلعمری لقد ادرکت
فی عثمان حاجتک لقد استغفرتک فلم تنصره حق مررت الی ما صرت و بیتی و بلیک
فی ذالک ابن عمک و انو عثمان الولید بن عقبہ و اما قولک انه لم یبق من

رجال شر ستره فما اكثر رجالها واحسن لقبها وقد ما طك من حنا رها من
 قال لك ولم تخذ لنا الا من خذ لك واما اعز اذك اما ما بعدى ونيم فابو بكر
 وحمزنا خير منك ومن عثمان كما ان عليا خيرا منك واما قولك اناس
 تلقاك الا بما اقبلناك به فقد لقي لك منا يوم ينسك ما قبله وتخاف له
 ما بعدك واما قولك انه لو بالعيني الناس استنقمت فقد بالعوا عليا وهو
 خيبر مني فلم تستقم لها وان الخلافة لا صلح الا لمن كان في الشورى فما
 انت والخلافة حانت طليق الاسلام وابن راس الاحزاب وابن اكلت
 الاكباد من قتلى البدر۔

پس امیر معاویہ کی خلافت و امارت اور سلطنت و حکومت اسلامی کی اصلیت و
 حقیقت یہ ہے جو بیان کی گئی۔ تمام اکابر مکہ معظمہ و شرفاء مدینہ منورہ سرداران اسلام
 بزرگان دین اصحاب رسول کریم ابوالقاسم انصاری محمد بن سلمہ انصاری سعد بن ابی وقاص
 عبداللہ بن عباس قیس بن سعد عبداللہ بن عمر عبدالرحمن بن ابی بکر سعید بن عثمان
 جیسے حضرات جو بلا شک سلطنت اسلامی کے ارکان اعظم اور بزرگان دین اسلام میں سے
 تھے۔ یہ سب بزرگوار علیؑ کی صداقت و حقانیت اور علیؑ کی خلافت و حکومت کو اسلام
 کے لیے بہترین خلافت اور صحیح ہدایت و صراط مستقیم سمجھ کر علیؑ کی اطاعت و فرمانبرداری
 کو اپنا فرض و فرض سمجھتے ہیں۔ اپنے سے علیؑ کو بدرجہا افضل و بزرگ جانتے ہیں۔ خلافت
 رسول اللہ اور امارت اسلام کے لیے بہترین مستحق بتکتے ہیں اور امیر معاویہ کی اصلیت و
 حقیقت اسلامی کو ظاہر کرتے ہوئے ان بزرگواروں نے اپنے جوابوں میں اور اپنے مکالموں
 میں جو گن گائے ہیں وہ ان جوابات سے بخوبی ظاہر ہو گئے ہیں۔ ان جوابات سے
 امیر معاویہ کی ایمانداری کی سیاسی چالوں اور حضرت عثمان کے قتل اور خون خواہی و
 انتقام کے بہانوں پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ طرفہ منزه یہ ہے کہ خود امیر معاویہ صاحب

اور ان کے وزیر شریک دولت عمرو غاص صاحب خود اپنے آپ کو جھوٹا اور ناقابل
بتلائے ہیں اور علیؑ کی صداقت اور حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مروج الذہب مسعودی
حضرت ام المومنین حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہ کو طلحہ بن طلحہ کے لقب
سے یاد فرمایا ہے اور پھر مدینہ میں امیر معاویہ سے فرمایا کہ اگر ہم تمہارے قتل کا حکم دے
دیں تو کیا چیز ہے جو تم کو بچا سکتی ہے۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵۵ عبدالرحمن ابن ابی
بکر کسری و ہرقل سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حضرت ابوالیوب انصاری سا بزرگ و مقدس مشہور صحابی رسول علیؑ کی محبت و
افت اور اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں۔ معاویہ کی مخالفت کرتے ہیں اور
علیؑ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ علیؑ کی حمایت و نصرت میں علیؑ کے مخالفین سے جنگ
فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو استیعاب عبدالبکر جلد اول ص ۱۵۲ کان ابوالیوب الانصاری
مع علی بن ابیطالب فی حروبه کلہا ابوالیوب انصاری نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ علیؑ
بارقین، قاسطین و ناکشین سے جنگ فرمائیں گے۔ استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۶ نیز
ابوالیوب انصاری نے معاویہ کے خط کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی قابل غور
ہے لکھتے ہیں کہ اے معاویہ حضرت عثمان کا دراصل قاتل تو ہے۔ الامامۃ والسیاستہ
ص ۱۸۰ قتلت عثمان ان الذی ترخص لعثمان وثبط اهل الشام عن نصرته لانت
وان الذین قتلوا حنیرا الانصار

حضرت حذیفہ یمانی جو رسول اللہؐ کے صاحب ستر صحابی ہیں۔ علیؑ کی صداقت و
حقانیت کو علی الاعلان ظاہر کرتے ہیں۔ علیؑ کی بیعت فرماتے ہیں اور علیؑ کے مخالفین کو
جھوٹا اور باطل بیان کرتے ہیں۔ علامہ مسعودی مروج الذہب جلد ۲ ص ۱ میں جنگ
صفین کے واقعات تحریر کرتے ہیں۔ واستشهد فی ذالک الیوم صفوان ومعد
ابن حذیفہ من الیمان وقد کان حذیفہ علیلاً بالکوفۃ فی سنة ست وثلاثین

فبلغ قتل عثمان وبيع الناس لعلي فقال اخروجوني وادعوا للصلاة جماعة
فوضع علي المنابر فحمد الله واثنى عليه وصلى على النبي ثم قال ايها الناس
ان الناس قد بايعوا علياً فعليكم بتقوى الله والنصر وعلياً ووازرده فوالله انه
لعلي الحق اخراً ولا والله لغيري من مضي لعد بينكم ومن بقي الى يوم القيامة
ثم اطلق عيته علي ليسانة ثم قال اللهم اشهد اني قد بايعت علياً و
قال الحمد لله الذي القاني الى هذا اليوم وقال لا ينسيه صفوان وسعد
في وكونا معه يكون لنا حروب كثيرة فيهلك فيها خلق من الناس فاجتهد ان يستشهد
معه فافقه والله علي الحق ومن خالفه على الباطل ومات حذيفة بعد هذا اليوم سبعة ايام
حضرت حذيفة کے اس کلام روشن کے ایک ایک فقرہ پر غور فرمایا جاوے علیؑ
کے متعلق تمام باز ہائے سربستہ کا انکشاف فرما دیا ہے اور اول سے آخر تک علیؑ
کی صداقت و حقانیت اور استحقاق و وراثت کو ظاہر فرماتے ہیں جیسا رسول اللہؐ
سے سنا ہے اس کا انکشاف فرما دیا ہے۔

علامہ سبط ابن جوزی اپنے تذکرہ خواص الامم ص ۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ
صفین میں امیر معاویہ کے مقابلہ پر علیؑ کی حمایت و نصرت میں علیؑ کی رکاب فیض انتساب
میں بڑے بڑے بزرگ مشہور مقدس اصحاب رسول مہاجر و انصار بدری و اصحاب تبعہ الرضوان
شامل اور حاضر تھے۔ عمار یاسر۔ ہاشم ابن عتبہ۔ ابن ابی وقاص۔ حذیفہ بن ثابت۔ اویس
قرنی وغیرہ وغیرہ۔ شہد صفین مع امیر المومنین علیہ السلام من اهل بدر
سبعة وثلاثون رجلاً منهم سبعة عشر رجلاً من المهاجرين وسبعون من
الانصار واماً من باقی الصحابة فكان معه الف وثلاثمائة منهم تسعون رجلاً
بايعوا رسول الله تحت الشجرة بيعة الرضوان۔

نیرا استیعاب عبد البر جلد ۲ ص ۲۲۳ حال حضرت عمارؓ۔ بصرہ کے مقام پر

کو کتبہ مرتضوی شکر علوی کا نقشہ علامہ مسعودی نے خوب کھینچا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مروج
 الذهب مسعودی جلد ۲ ص ۶۱۔ منذر بن جارود بیان کرتا ہے۔ لما قدم علی
 البصر دخل مما یلی الطرف قاتی الزاویة فخرجت الطرالیة فورد موكب نحو الف
 فارس تقدّمهم فارس علی فرس اشهب عذبة قلشوة وثیاب بیض متقلداً
 سیفاً معه رایتہ واذا بحیان القوم وقد غلب علیها البیاض والصفرة مدحجبین
 فی الحدید والسلاح فقلت من هذا فقیل ابو ایوب الانصاری صاحب
 رسول الله وهو لا عوالا انصار و غیرهم ثم ثلاثهم فارس اخر علیہ عمامة
 صفراء وثیاب بیض متقلداً سیفاً متنبک قوساً رایتہ علی فرس اشقر فی
 نحو الف فارس فقلت من هذا فقیل هذا خرمیة بن ثابت الانصاری
 والشهادتین ثم مر بنا فارس اخر علی فرس مکیت معتم، بعمامة الصفراء
 من تحتها قلشوة بیضاء علیہ قیاء، ابیض مصقول متقلداً سیفاً متنبک
 قوساً فی نحو الف فارس من الناس ومعه رایتہ فقلت من هذا فقیل لی
 البقتاوة بن ربیع ثم مرّنا فارس آخر فرس اشهب علیہ ثیاب بیض و
 عمامة لسوداء قد سدها باین یدیم من خلفه شدید الادمه
 علیہ سکنیة وقار رابع صوته لقرآنة القرآن مستقلداً سیفاً
 متنبک قوساً معه رایتہ بیضا فی الف من الناس مختلفی الیجان
 حوله مشیخة وکھول وسانان کان قد اوقفوا الحساب اثر السجود قد
 اثر فی جباهم فقلت من هذا فقیل عمار بن یاسر فی عداة من الصحابة
 من المهاجرین والانصار واینائهم ثم مرّنا فارس علی فرس اشقر
 علیہ ثیاب بیض وقلشوة بیضاء عمامة صفراء متنبک قوساً متقلداً
 سیفاً تخط رجلاً فی الارض فی الف من الناس الغالب علی یجانهم الصفرة

والبياض معه رايتہ صفراء فقلت من هذا قيل هذا اقبس بن
سعد بن عبادہ فی الانصار وابتنا يثهم وغيرهم من قحطان ثم
مزيثا فارس على قس اشهل ما رانثا احسن منه عليه ثياب بيض
وعمامة سوداء قد سر لها بين يديهم بلواء قلت من هذا قيل هو
عبد الله ابن عباس في عمة من اصحاب رسول الله ثم تلا موكب آخر فيه
فارس اشبه الناس بالاولين قلت من هذا قيل قثم بن العباس
او سعيد بن العاص ثم اقبلت الجواكب والرايات اقدم بعضها
لبعضا واشتبكت الراياح ثم ورد موكب فيه خلق من الناس عليهم
السلام والحديد مختلفوا الرايات في اوله رايتہ كبرة ليقدمهم
رجل كانها كسر وجبر قال ابن عاثمة وهذه اجزئت عن
الرجل انه كسر وجبر كانما على رؤسهم الطير وتدام مسيرتهم
شاب حسن الوجه قلت من هؤلاء قيل هذا على ابن ابي طالب
وهذان الحسن والحسين عن يمينه وشماله وهذا محمد بن الحنفية بين
يديه مع الرايتہ العظمى وهذا الذي خلفه عبد الله بن جعفر بن ابي طالب
وهؤلاء اولاد عقيل وغيرهم من فتيان بني هاشم وهؤلاء المشائخ اهل بدر من
المهاجرين ولانصار رفصا لا حتى نزلوا المواضع المعروفة بالزراوية
فصلي اربع ركعات وعمر خدييه على التريته وقد خالط ذلك دموعه ثم
رفع يديه يدعوا اللهم رب السموات وما اظلت والارضين وما اقلت
ورب العرش العظيم هذه البصرة اسالك من خيرها واعوذ بك من
شرها اللهم انزلنا فيها خير منزل وانت خير المنزليين اللهم هو الاع
القوم قد خلعوا طاعتي ولجوا عني ومكثوا ينبغي اللهم احسن دعاء المسلمين

اس کے بعد علامہ مسودی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے لشکر مخالف کی افہام و تفہیم میں پوری کوشش فرمائی مگر ان لوگوں نے بجز جنگ کرنے کے کسی بات کو قبول نہ کیا پھر بھی حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو بالمقابل صفت باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کوئی شخص جنگ کی ابتداء نہ کرے کوئی تیز نہ پھینکے، کوئی تلوار نہ چلائے کوئی نیزہ نہ اٹھائے پھر بھی جب لشکر مخالف کسی طرح جنگ سے باز نہ آیا لڑائی شروع کی تو اس وقت بھی حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو اس طرح جنگ کے احکام صادر فرمائے

فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا هُنَّ مَتَّوْمٌ فَلَا تَجْهَرُوا عَلَيَّ جَرِيحٌ وَلَا تَقْتُلُوا الْمَيِّتَ وَلَا تَتَّبِعُوا مَوْلِيًّا وَلَا تَطْلُبُوا مَدِيرًا وَلَا تَكْشِفُوا عَوْرَةً وَلَا تَمْتَلُوا بِالْقَتْلِ وَلَا تَهْتَكُوا اسْتِرا وَلَا تَقْرَبُوا مِنْ أُمُورِهِمْ إِلَّا مَا يَجِدُونَ فِي عَسْكَرِهِمْ مِنْ سِلَاحٍ أَوْ كِرَاعٍ أَوْ عِبَدٍ أَوْ أَمْتَةٍ وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ مِيرَاثٌ لَوْثَمَّ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ

ناظرین باتمکین اہل انصاف حضرات غور فرادیں کہ یہ خیر و برکت سے بھرے ہوئے احکام مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کرنے والے فرمان جو دنیا اور اہل دنیا کی بہبود کے لیے لسان الہی زبان محمدیؐ نفس رسولؐ ذات علوی سے صادر ہوئے ہیں آیا سلطنت محمدی اور سیاست نبوی کے قانون اور احکام اسلامی کے جاننے کے مستحق ہیں۔

یا ابن تیمیہ صاحب کے زبردستی ظلم و جور سے بنے ہوئے امیروں و ملیفوں کے احکام کو جو ظلم و تشدد اور قتل و غارت عیش پرستی کے لیے مسلمانوں کا خون بہانے اور فسق و فجور کے قانون اسلامی اور محمدیؐ کو مٹانے پر مبنی ہوتے تھے۔ احکام اسلامی اور سلطنت محمدیؐ کہا جاسکتا ہے۔ لا واللہ۔

امیر معاویہ کی خلافت و امارت اور اسلامی حکومت و سلطنت کی اصلیت و حقیقت پر ان بیانات مندرجہ بالا سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ اکابر کہہ مخطیہ شرفار مدینہ منورہ سرداران اسلام بزرگان دین رسول کریمؐ کے اصحاب زادے سب بزرگوار

علیؑ کی صداقت و حقانیت اور علیؑ کی خلافت و امامت جناب مرتضوی کی حکومت و سلطنت کو دین الہی اسلام محمدی کے لیے بہترین خلافت سچی ہدایت اور حقیقی صراطِ مستقیم بتاتے اور علیؑ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا فخر اور فرض سمجھتے ہیں علیؑ کو بدرجہا افضل و برتر جانتے خلافتِ رسول اور مسندِ رسول کے لیے علیؑ کو بہتر سے بہتر مستحق بتاتے ہیں اور ان بزرگانِ اسلام نے امیر معاویہ کی حقیقتِ اسلامی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی لیاقت اور قابلیت اور استحقاقِ خلافت کے متعلق اپنے جواہروں اور مکالموں میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب ان بیانات سے جو درجہ کے گئے ہیں علی الاعلان ظاہر اور روشن نظر آتے ہیں۔ حق کے جویا اور سچ کے طالب کو تاریخ و حدیث کی مستند کتابوں میں اس سے بدرجہا زیادہ نظر آئے گا۔

ان بیانات سے امیر معاویہ کی خطائے اجتہادی اور ایمانداری کی سیاسی چال بازیوں حضرت عثمان کی خون خواہی اور انتقام کشی کے بے جا بہانوں پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے۔ خلافت و نیابتِ رسول سلطنتِ محمدی اور حکومتِ اسلامی کی امارت و امامت کے لیے اجماع کو دلیل و محبت بتانے والے حضرات منصفانہ نظر سے دیکھ کر واقعات پر نظر ڈال کر ارشاد فرمادیں کہ آیا ان بزرگانِ اصحابِ کبارِ رسولِ کریم ہمدردانِ دین و ملت شرفاءِ مکہ سردارانِ مدینہ اہلِ خبرہ کا اجماع اور انتخابِ قابلِ سند اور لائقِ قبولیت ہے یا امیر معاویہ کے اس حجمِ غیفر نام کے مسلمان شام کی ادبائش و لٹیری جماعت کا اجماع مستند اور قابلِ تسلیم کہا جاسکتا ہے کہ جن کا دین و مذہب صرف کرسی کی پوجا اور جن کا ایمان و اسلام فقط امیرِ شام کی زرباشیوں کی پرستش تھا جو امیرِ شام کے صرف پیسے کے غلام اور تلوار کے مطیع و فرمانبردار تھے جن کو نہ خدا سے کام نہ رسول سے غرض۔ نہ اسلام سے واقف نہ رسول سے آگاہ۔ جیسا امیر معاویہ نے پڑھا دیا اسی کو دین اور اسی کو اسلام

مجھا اور جو کچھ بنی امیہ اور امیر معاویہ نے بتایا بس دیا ہی رسول الہی کو جانا۔ مروج
الذہب جلد ۲ ص ۵۲ و ۵۳ میں امیر معاویہ کی اس امت اور شام کی اس
جماعت کی دینداری اور واقفیت اسلامی پر بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ جمعہ
کی نماز بدھ کے دن امیر معاویہ پڑھاتے ہیں اور یہ پڑھتے ہیں۔ سوائے بنی امیہ
اور امیر معاویہ کے کسی کو رسول کا عزیز اور رشتہ دار نہیں جانتے (غالم بدہاں)
علی کو فاطمہ کا باپ اور فاطمہ کو رسول کی بی بی اور عائشہ کی بیٹی جانتے ہیں اور
عائشہ کو معاویہ کی بہن بتاتے ہیں۔ یہ تھی امیر معاویہ کی سیاست اور یہ لوگ
تھے امیر معاویہ کی امت۔

ابن تیمیہ کے دلائل خلافت یزید کی صحت کے متعلق ابن تیمیہ

خلافت اور اس کی بیعت و اطاعت کو جائز قرار دینے کے لیے اور یزید کو مستحق
خلافت بتانے کے لیے بڑے زور شور سے یہ دلائل بیان کرتے ہیں کہ یزید صاحب
سیف خود مختار فرمانروا اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھا تھا اور لگتے ہیں کہ
وہ صاحب سیف تھا۔ عزل و نصب کرتا تھا۔ اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا
تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا۔ کفار پر جہاد کرتا تھا۔

کیا خلافت الیہ۔ جانشینی رسول اور امارت مسلمین کے لیے انہیں باتوں کی
ضرورت ہے؟ ایک فاسق و فاجر خلافت احکام رسول عمل کرنے والے مخالفت
شرعیات احکام جاری کرنے والا دین الہی کی توہین کرنے والا، ظالم و جابر غاصب
نفس پرست، ملک اسلامی اور مسند رسول پر بیٹھ کر دنیا میں فسق و فجور پھیلائے
ظلم و جور کے دریا بہائے تو کیا ایسا شخص صاحب سیف خود مختار فرمانروا اپنے
باپ کے بعد تخت پر بیٹھنے والا مسلمانوں کا حقیقی پیشوا دین محمدی کا امام سلطنت

اسلامی کا امیر المؤمنین ہو سکتا ہے توبہ استغفر اللہ ہرگز نہیں۔ رسول الہی کی احادیث سے ثابت ہے کہ ایسے لوگ خلفائے رسول نہیں ہیں بلکہ گمراہ کرتے والے سلطان ہیں جن کی امامت و خلافت سے خود رسول خدا نے پناہ مانگی ہے یزید نے صاحب سیف ہونے کے باوجود کس جنگ اور کس معرکہ میں تلواریں چلائیں اور کتنے کافروں کو میدان جنگ سے بھگایا۔ کل علمائے اسلام کا یہی مذہب اور عقیدہ ہے کہ یزید فاسق و فاجر بے دین بلا شک جہنمی ہے اور وہ مسلمانوں کی خلافت و امامت کا اہل نہ تھا۔ بس ابن تیمیہ جیسے معبود سے چند یزیدی طرفداروں کے سوا ہر ایک اس کو فاسق و فاجر جانتا ہے۔ ابن تیمیہ خواہ قسطنطنیہ والی حدیث کو لادیں یا اتفاق و اجماع کی حدیث کو یا توبہ و استغفار کو ثبوت میں پیش کریں لیکن اپنے ولی نعمت یزید کو فسق و فجور اور کفر و بے دینی کے جرم سے بچا نہیں سکتے۔

قسطنطنیہ کے سوا یزید نے کونسا جہاد کفار پر فرمایا تھا اور قسطنطنیہ میں بھی یزید کا تلواریں چلانا نظر نہیں آتا البتہ حضرت ابو یوسف انصاری کی قبر پر گھوڑے دوڑانا ضرور تاریخوں میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ پہلے سال میں باقی اسلام کی آل پر چڑھائی کی۔ قرند رسول کا سر کاٹا، آل محمد کو خون میں نہلایا۔ ذیبت رسول کو اسیر کیا۔ دوسرے سال مدینہ رسول پر چڑھائی کی۔ اصحاب اور اصحاب زادے قتل کیے گئے۔ مدینہ لوٹا گیا۔ قبر رسول پر گھوڑے بندھے۔ مسجد رسول میں کتوں نے پشاپ کیا۔ تیسرے سال غاثہ الہی مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا گیا۔ منجیق برساتے گئے۔ کعبہ پھونکا گیا اس کے بعد جہنم کا راستہ لیا۔ یہ ہیں ابن تیمیہ کے صاحب سیف کفار پر جہاد کرنے والے خلیفہ و امام کے کارنامے۔

بنی امیہ نے دین اسلام کو گارا گزرا کر بانی حسینؑ نے باوجود نفس پرست گویا بالبد کی اسلامی تمام نہاد حکومتوں کی مخالفت کے اسلام کو زندہ رکھا اور جابرانہ جاہ طلب ظالمانہ و جابرانہ نام نہاد اسلامی حکومتوں یعنی بنی امیہ وغیرہ کی مستبدانہ و غاصبانہ خلافتوں نے یہ ظاہر اسلامی چورے پہن کر اور انقلابی علیٰ اعتابکم کی تصدیق دکھا کر بانی اسلام سے اپنی پرانی مخالفتوں اور دشمنیوں کی بنیاد پر شیطانی خواہشوں نفس پرستیوں اور شہوت رانیوں کی غرض سے مسند رسول پر بیٹھ کر تاجدار رسالت بانی اسلام کا جانشین بن کر زبردستی خلیفہ المسلمین اور امیر المؤمنین کہلا کر سچی شریعت الہی اور حقیقی اسلام محمدی کے احکام کو الٹ پلٹ کر دیا۔ سنت رسولؐ کو بدلا۔ دین الہی میں رخنے ڈالے اور اسلام محمدی کی حقیقت و اصلیت روحانیت و نورانیت کو بہت کچھ مٹایا جو یقیناً دین کے تمام ادیان و مذاہب پر بھاری ہے۔ وہ دین محمدی جو حقیقتاً دنیا کے تمام ناقص و نامکمل شریعتوں کو منسوخ کرنے اور عالم کے جملہ ادیان و مذاہب کو مٹا کر وحدت کی روح پھونک کر ایک دین اسلام جاری کرنے کے لیے رونما ہوا تھا اور دنیا و آخرت کے لیے خیر و برکت کا پیغام لے کر آیا تھا اس کے دلکش اور نورانی چہرہ کو اپنے کفر و زندقہ کے سیاہ دھبوں اور ظالمانہ جابرانہ بدکاریوں اور بد اعمالیوں کے بد نما غلیظ و ناپاک داغوں سے سخت خرقناک اور گھٹاؤنا بنا دیا۔ کسی نے اسلام کو لٹیروں اور ڈاکوؤں کا دین بتایا تو کسی نے برود شمشیر اسلام پھیلانے کا الزام لگایا اور کسی نے عیش پرستی کا مذہب کہا کسی نے ظلم و جور اور خونریزی کا دین بتا کر دین محمدیؐ سے نفرت کا اظہار کیا۔ بلا شک یہ سب خرابیاں دین محمدیؐ پر بد نما دھبے اور سیاہ داغ تھیں تمام تہاد اسلامی حکومتوں اور بنی امیہ کے ناجائز عیش پرستی کی خلافتوں کی بنیاد پر لگے ہیں جن کی خلافتیں اور

حکومتیں بلا شک بقول طودزی (فرانسیسی مورخ) محض کفر والحاد کی فتح و نصرت کی حکومتیں تھیں۔ بہر حال ان کفر والحاد کی حکومتوں اور گمراہی و ضلالت کی غلامیوں نے حقیقی اسلام اور سچے دین محمدی کو مٹانے میں کچھ کسر نہ چھوڑی لیکن حسینؑ نے اپنے خون سے چہن اسلام کی آبیاری کی ہے

سر سبز دین ہو گیا خون حسینؑ سے

ایک انگریز کا قول امام حسینؑ کے متعلق
مسٹر گین جو بڑے نامور مصنف ہیں اپنی کتاب دی فال آف دین

امپائر کی نویں جلد ص ۳۶۶ پر تحریر فرماتے ہیں:-

”امام حسینؑ کا پڑہ درد واقعہ ایک دور دماز زمانہ اور دور دماز ملک میں واقع ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بے رحم اور سنگدل لوگوں کے دلوں کو بھی ہلا دیتا ہے اگرچہ کوئی کتہاری بے رحم ہو حسینؑ کا نام سنتے ہی اس کے دل میں ایک جوش ہمدی پیدا ہو جائے گا“

حسینؑ کی محبت تمام مسلمانوں پر فرض ہے

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضرت رسول خدا کی محبت اور ان کی پیروی ہر ایک مسلمان کے لیے لازم اور واجب ہے کوئی مسلمان بغیر اس کے مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔ عقل اس پر گواہ اور شریعت اس پر شاہد ہے۔ خداوند عالم کا حکم ہے لکھنی رسول اللہ اسوۃ حمۃ اور قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ احادیث نبی مندرجہ کتاب رحمتہ اللعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان جلد دوم ص ۱۵ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں اے مسلمانو تم میں سے کوئی شخص جب تک مجھے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور اپنے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب

نہ رکھتا ہو وہ مومن نہیں ہے۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ
والناس اجمعین (عن انس صحیحین) ایضاً۔ لایومن احدکم اکون احب الیہ من اہلہ و مالہ (صحیح بن خلیفہ)
نیز ابن حجر مکی صاحب صواعق محرقة علامہ بیہقی اور ابو شیخ و دیلمی سے نقل
کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ لایومن احب من اہلہ و تکون ذاتی احب الیہ
من ذاتہ (صواعق محرقة مطبوعہ مصر ص ۱۲) رسول اللہ نے فرمایا کوئی بندہ مومن
تہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اور میری عترت کو اپنے نفس سے زیادہ اور میری
عترت کو اپنی عترت سے زیادہ اور اپنے اہل کو میرے اہل سے زیادہ نہ سمجھے ان
احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح اور متواتر حدیثیں ہیں جن سے علی و
فاطمہؓ حسنؓ و حسینؓ کی محبت کے بارہ میں تاکید پائی جاتی ہے۔ آیہ قل لا اسلمکم الخ
بھی اسی بارے میں ہے۔ اگرچہ آل محمد کے نسلی دشمن اور قدیمی مخالفت بنی امیہ
کی محبت کے دلدادہ اور امیر معاویہ کے پروپیگنڈہ سے رنگے ہوئے بعض مروج
اور مفسر جیسے سدی قتادہ اور ابن عساکر وغیرہ نے آل محمد کی اس خدا داد شرف
اور بزرگی کو مٹانے کی کوشش کی اور اپنی تفسیروں اور کتابوں میں لکھ گئے کہ یہ آیت
منسوخ ہو چکی ہے اور قرہنی سے مراد تمام قبیلہ قریش بلکہ عرب قبائل تھے جس طرح
اب بھی بنی امیہ کا راگ گاتے والے حضرات آل محمد پر مہربانی فرماتے ہیں اور ایسا
ہی کیا کرتے ہیں لیکن سواد اعظم کے بہت سے لوگ مثلاً امام شافعی، فخر الدین
رازی۔ علامہ شمس الدین ابن عربی۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ ابن صبار مالکی
شیخ الاسلام وغیرہ نے اس کی تائید کی ہے کہ یہ آیت اہلبیتؑ ہی کی شان میں ہے

اک ابرہہ کرم فضا فضا میں برسا
پھر کفر کی گھنگھور گھٹا میں برسا
کعبہ سے چلا تو چھا گیا طیبہ پر
طیبہ سے اٹھا تو کر بلا میں برسا
ساعر لطافی

فہرست ان کتابوں کی

جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد ملی گئی ہے

نمبر شمار	نام کتاب	تولفت	مذہب	زبان
۱	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	سنی	عربی
۲	تفسیر علامہ ابی السعود برہان شیعہ	علامہ ابی السعود	"	"
۳	تفسیر کبیر	حسین کاظمی	"	فارسی
۴	تفسیر حنیفی	علامہ سید معین الدین	"	عربی
۵	تفسیر جامع البیان	علامہ ابی محمد حسین اقر البغوی	"	"
۶	تفسیر معالم التنزیل	جمال الدین سیوطی	"	"
۷	تفسیر اکلیل	ابوالبرکات علامہ نسفی	"	"
۸	تفسیر مدارک	علامہ حسن بن محمد قمی	"	"
۹	تفسیر نیشاپوری	نظام نیشاپوری	"	"
۱۰	تفسیر عبداللہ کمالین	امام ابن اثیر جزیری	"	"
۱۱	تاریخ کامل	علامہ ابن جوزی طبری	"	"
۱۲	تاریخ کبیر	شیخ حسین دیار بکری	"	"
۱۳	تاریخ خمیس	سبیل الدین سیوطی	"	"
۱۴	تاریخ الخلفاء	اسماعیل	"	"
۱۵	تاریخ ابوالفداء	علامہ سبط ابن جوزی	"	"
۱۶	تذکرہ خواص الائمہ	مولوی کرامت علی دہلوی	"	"
۱۷	سیرت محمدی			

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مذہب	زبان
۱۸	سیرت ہشام	امام عبدالملک ابن ہشام	سنی	عربی
۱۹	سیرت النبی	علامہ شبلی نعمانی	"	اردو
۲۰	رحمۃ للعالمین	قاضی حاجی محمد سلیمان	"	"
۲۱	النبی والاسلام	ڈاکٹر عبدالحکیم نعمانی	"	"
۲۲	مدارج النبوة	شاہ عبدالرحمن محدث دہلوی	"	فارسی
۲۳	سیر الشہادتین	شاہ عبدالعزیز دہلوی	"	عربی
۲۴	ارجح المطالب	عبید اللہ امرتسری	"	اردو
۲۵	یزید نامہ	خواجہ تھمن نظامی دہلوی	"	"
۲۶	محرّم نامہ	"	"	"
۲۷	تاریخ الاممۃ والسیاسة	امام ابی محمد ابن قتیبہ دینوری	"	عربی
۲۸	روضۃ الصفاء	محمد بن خاوند شاہ	"	فارسی
۲۹	اعجاز التنزیل	خان بہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب	شیعہ	اردو
۳۰	ینابیع المودة	شیخ سلیمان ابنی قندوزی	سنی	عربی
۳۱	فصول المهمہ	ابن صباع مالکی	"	"
۳۲	مطالب السؤل	علامہ ابو طلحہ شافعی	"	"
۳۳	صواعق محرقة	علامہ ابن حجر مکی	"	"
۳۴	التطہیر اللسان والجمان	"	"	"
۳۵	روضۃ المناظر	علامہ ابی الولید محمد بن شحنے	"	"
۳۶	صحیح ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی	"	"
۳۷	صحیح مسلم	مسلم	"	"

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مذہب	زبان
۳۸	مشکوٰۃ المصابیح	علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ	سنی	عربی
۳۹	تفسیر لغوی	علامہ لغوی	"	"
۴۰	صحیح بخاری	امام اسماعیل بخاری	"	"
۴۱	تفسیر استیعاب	عبدالبرکی	"	"
۴۲	کنز العمال	علامہ تقی	"	"
۴۳	بہجۃ المعانی	شیخ ذکریا محمد المکی	"	"
۴۴	الشفافۃ فی تعریف المصطفیٰ	قاسمی حیاض	"	"
۴۵	ہدایت السائل	نواب صدیق حسن خاں	"	فارسی
۴۶	حبیب السیر	غیاث الدین ہردی	"	"
۴۷	مکتوبات مجدد صاحب سرہندی	مجدد صاحب سرہندی	"	"
۴۸	حلیۃ الحقیقۃ	سکیم ثنائی	"	"
۴۹	وسیلۃ النجات	علامہ مبین فرنگی محلی	"	"
۵۰	سعادت الکونین	منہج محمد اکرام الدین	"	"
۵۱	مقتل نور العین	ابو اسحق اسفرائینی	"	عربی
۵۲	مقتل ابو مخنف	ابو مخنف	"	"
۵۳	شہادت حسین	میاں حسن پھلوار دی	"	اردو
۵۴	تحریر الشہادتین	ابن شاہ سلیمان پھلوار دی	"	فارسی
۵۵	تاریخ احمدی	نواب احمد حسین خاں صاحب بہادر	شیعہ	اردو
۵۶	ارشاد الازہان	علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ	"	عربی
۵۷	ناسخ التواریخ	حسان الملک علامہ تقی	"	فارسی

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مذہب	زبان
۵۸	شہید اعظم	سید ریاض علی صاحب بنارس	شیعہ	اردو
۵۹	شہید اسلام	مولوی محمد مارون صاحب ڈیگ پوری	"	"
۶۰	ذبح عظیم	مولوی اولاد حیدر صاحب فوق	"	"
۶۱	تاریخ دومۃ الکبریٰ	مسٹر کین	عیانی	انگریزی
۶۲	لٹری ہٹری آف پرشیا	سی براؤن	"	"
۶۳	ہٹری آف سارسین	آنریبل سید امیر علی	معتزلہ	"
۶۴	دُرِ ثمن	مرزا غلام احمد قادیانی	قادیانی	فارسی
۶۵	میزان الاعتدال	علامہ ذہبی	سنی	"
۶۶	ابن خلکان	علامہ ابن خلکان	"	"
۶۷	نصائح کافہ	"	"	عربی
۶۸	نزل الابرار	"	"	فارسی
۶۹	تمدن اسلام	"	"	اردو
۷۰	شرف الموند	"	"	"
۷۱	شرح مواقف	علامہ رازی و طوسی	"	فارسی
۷۲	معارف ابن قتیبہ	علامہ ابن قتیبہ	"	"
۷۳	آیات بینات	نواب محسن الملک	"	اردو
۷۴	آیات محکمات	"	شیعہ	اردو
۷۵	لغیۃ الراشد	"	سنی	فارسی
۷۶	احیاء المیت	علامہ سیوطی	"	عربی
۷۷	مسند امام احمد حنبل	امام حنبل	"	"
۷۸	عسقلانی شرح بخاری	علامہ عسقلانی	"	"
۷۹	تیسر القاری بخاری	"	"	فارسی

امام حسین علیہ السلام
کی سیرت و سوانح پر موجودہ صدی کی عہد آفریں کتاب

شہید السانیت

مصنفہ

سرکارِ سید العلماء و الحجاج علامہ سید علی نقی نقوی مجتہد العصر مظہرِ عالمی

یہ کتاب تیرہ سو سالہ یادگارِ حسین کے موقع پر لکھی گئی جس نے دینی ادب میں ایک انقلاب انجیز تصور کو جنم دیا اور تاریخ عالم کے بے نظیر واقعہ کربلا کی ہمہ گیری اور آفاقی وسعتوں کو چار چاند لگا دیے۔ یہ کتاب کربلا اور کربلا والوں کے تاریخی و تحقیقی حالات و واقعات پر ایک مستند دستاویز ہے۔

نظر ثانی کے بعد امامیہ شن پاکستان ٹرسٹ کی طرف سے شایانِ شان طرز پر شاعت پذیر ہو چکی ہے۔ آفسٹ طباعت، مجاذبِ نظر ڈائی دار جلد اعلیٰ کاغذ

قیمت: 12.50 روپے، ممبرانِ شن سے صرف 10.00 روپے

علاوہ محصولِ ڈاک

مکتبہ امامیہ شن پاکستان ٹرسٹ
پوسٹ بکس ۴۸۵ لاہور
اکرم روڈ پاک نگر

انقلاب آفریں عربی کتاب المراجعات

مصنفہ حجۃ الاسلام آقائے عبادہ الحسین مجتہد لبنان کا دلیپیر اردو ترجمہ

دین حق

یہ وہ شہرہ آفاق کتاب ہے جس کی اشاعت کے بعد قدیم یونیورسٹی
”جامعہ الازہر مصر“ کے نصاب میں ”فقہ جعفری“ کی تعلیم بھی
داخل نصاب کی گئی جس کا سہرا علامہ شیخ سلیم البشیری کے سر ہے۔
مصنف علامہ اور مشہور عالم الہدایت علامہ شیخ سلیم البشیری شیخ الجامعہ
الازہر کے درمیان تحقیق حق کے لیے خط و کتابت ہوتی رہی۔ آخر شیخ الجامعہ
الازہر نے اپنے ۵۴ ویں خط میں مذہب جعفری کی صداقت کو
تسلیم فرمایا۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن زیور طباعت سے مرتب ہو کر
مارکیٹ میں آچکا ہے۔

طباعت و کتابت معیاری، صفحات ۳۴۸، سائز ۲۲ x ۱۸
قیمت تہم اول سات روپے، قسم دوم پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ
پوسٹ بکس ۲۸۵ لاہور
اکرم روڈ پاک نگر

ناموں اسلام

یعنی

شان حسین

(حصہ دوم)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

مصنف

فضیلت آب ریادت انتساب خلیفہ سید محمد اسلم صاحب

پشیا لوی مرحوم و مغفور

ناشر

مکتبہ امامیہ مشرق پاکستان

پاک نگر اکرم روڈ
پوسٹ بکس ۵۸۵

لاہور